# اسلام کا اقتصادی نظام

اسلام کے نظام معاشی کا مکمل خاکہ، جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ دنیا کے
تمام اقتصادی اور معاشی نظاموں میں اسلام کا نظامِ اقتصادی ہی
ایسا نظام ہے جس نے سرمایہ و محنت کا صحیح توازن قائم کرکے اعتدال
کا راستہ پیدا کیا ہے

تالیف

مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب رفیقِ اعلیٰ ندوۃ المصنفین

باہتمام منیجر ندوۃ المصنفین دہلی قرول باغ

جمال پریس دہلی میں طبع ہوئی

۱۹۴۷ء　　طبع ثالث　　۱۳۶۵ھ

134939

قیمت غیر مجلد چار روپئے آٹھ آنے ـــــ قیمت مجلد پانچ روپے آٹھ آنے

Marfat.com

# اسلام کا اقتصادی نظام

## فہرستِ مضامین


| مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|---|
| پیش لفظ (دیباچہ طبع اول) | ۷ | فاسد نظامِ معیشت کا انسداد اور سرمایہ و محنت میں عادلانہ توازن | ۵۴ |
| سخن گفتنی (دیباچہ طبع ثانی) | ۱۱ | انفرادی معیشت | ۶۱ |
| دیباچہ (طبع ثالث) | ۱۵ | کسبِ معیشت کے لئے ترغیبات | 〃 |
| اقتصاد و علم الاقتصاد | ۱۷ | کسبِ معاش کے اساسی اصول | 〃 |
| ایک شبہ کا جواب | ۲۳ | مصارف کے بنیادی اصول | ۶۷ |
| اصولِ موضوعہ | ۳۱ | اجتماعی نظامِ معیشت | ۷۷ |
| معاشیات کے جدید نظریے | ۳۲ | حیاتِ اجتماعی | 〃 |
| اسلامی نظریۂ معاش اور جدید نظریے | ۳۴ | نظامِ حکومت | ۸۱ |
| معاشی نظام کا منشاء | ۳۷ | حیثیتِ امیر | ۸۲ |
| اصولِ معاشیات قرآنِ عزیز کی روشنی میں | ۴۰ | التزامِ جماعت و اطاعتِ امیر | ۸۵ |
| حقِ معیشت میں مساوات | 〃 | شوریٰ | ۸۸ |
| ایک شبہ کا جواب | ۴۲ | راعی و رعایا میں آئینی مساوات | ۹۱ |
| درجاتِ معیشت | ۴۵ | حکومتِ ربانی و طاغوتی حکومتیں | ۱۰۳ |
| احتکار و اکتناز کی حرمت | ۵۱ | اجتماعی معاشی نظام کا لبِ لباب | ۱۰۵ |
| | | اجتماعی نظام کی فہرست | ۱۰۶ |
| | | حصہ اول کے شعبے | ۱۰۷ |
| | | بیت المال | 〃 |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| سرکاری خزانہ یا مالی مرکز | ۱۰۷ |
| سوسائٹی کے افراد اور بیت المال | ۱۰۹ |
| تشریحِ مدات | ۱۱۶ |
| عُشر | 〃 |
| خراج | ۱۱۷ |
| جزیہ | ۱۱۸ |
| زکوٰۃ | 〃 |
| صدقات | ۱۲۰ |
| فَیٔ | ۱۲۱ |
| خمس | 〃 |
| ضرائب | ۱۲۲ |
| کراء الارض | ۱۲۳ |
| عشور | ۱۲۴ |
| وقف | ۱۲۵ |
| اموالِ فاضلہ | 〃 |
| مصارفِ بیت المال | 〃 |
| **اعداد و شمار اور ان کی اہمیت** | ۱۳۱ |
| **وظائف** | ۱۳۷ |
| پہلا شعبہ | ۱۴۱ |

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| دوسرا شعبہ | ۱۴۳ |
| تیسرا شعبہ | ۱۴۵ |
| چوتھا شعبہ | ۱۴۶ |
| غیر مسلم اور شعبہ جاتِ چہارگانہ | ۱۴۹ |
| ایک شبہ اور اس کا جواب | ۱۵۶ |
| **وسائلِ معیشت کی توسیع** | ۱۶۱ |
| **زراعت** | ۱۶۴ |
| ایک شبہ اور اس کا حل | ۱۷۰ |
| مالگذاری یا لگان | ۱۷۴ |
| تخفیفِ مالگذاری و لگان | ۱۷۸ |
| خراج اور عشر کا امتیاز | ۱۸۵ |
| خصوصی حقوق و مراعات | ۱۹ |
| ایک مغالطہ | ۱۰۳ |
| بنجر زمینوں کو مزروعہ بنانا | ۲۱۸ |
| نہریں | ۲۲۳ |
| **زمین سے متعلق خصوصی احکام** | ۲۲۸ |
| زمین اور انفرادی ملکیت | 〃 |
| زمینداری سے متعلق اسلامی ترغیبات | ۲۲۹ |
| استصوابِ رائے عامہ | ۲۳۷ |
| **تجارت** | ۲۴۱ |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|---|
| تجارت کی ترغیب | ۲۴۲ | ہنڈیوں سے لین دین | ۳۰۰ |
| تجارت کے بنیادی اصول | ۲۴۴ | کوآپریٹو سوسائٹیاں | ″ |
| **صنعت وحرفت** | ۲۵۰ | اسلام کے معاشی نظام میں | |
| تجارت وصنعت کے علمی وسائل | ۲۵۲ | اجتماعی کمپنیوں کے ذریعہ امداد | |
| دار لضرب یا ٹکسال | ۲۵۵ | باہمی کے طریقے | ″ |
| دارالضرب (ٹکسال) کی حیثیت | ۲۵۸ | امدادِ باہمی کے بعض بہتر طریقے | ۳۰۲ |
| تجارتی بدعنوانیوں کا انسداد | ۲۶۰ | مضاربتہ | ″ |
| قمار یا سٹہ | ۲۶۱ | معاوضہ | ۳۰۴ |
| سود | ۲۶۳ | شرکتِ صنائع | ″ |
| ربوا یا سود کی حقیقت | ۲۶۵ | شرکتِ وجوہ | ″ |
| مہاجنی سود | ۲۶۶ | **منشیات** | ۳۰۵ |
| تجارتی سود | ۲۷۱ | **انفرادی ملکیت کی تحدید** | ۳۰۷ |
| جمیع انواعِ سود کی حرمت اور | | کانیں | ۳۰۹ |
| ان کے دلائل | ۲۷۳ | اجارہ داری کی کمپنیاں | ۳۲۲ |
| سود اور ربوا ؟ | ۲۷۹ | ملیں اور کارخانے | ۳۲۵ |
| ربح اور ربوا ؟ | ۲۸۲ | **سرمایہ اور محنت میں توازن** | ۳۲۶ |
| علماءِ اسلام اور | | انفرادی عیش وتنعم | ۳۳۲ |
| حرمتِ سود کے دلائل وحکم | ۲۸۳ | زکوٰۃ | ۳۳۴ |
| بینک | ۲۹۷ | صدقاتِ واجبہ | ۳۴۵ |
| ایک شبہ کا ازالہ | ۲۹۹ | | |

| مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|---|
| دولت وسرمایہ پر زکوٰۃ کے علاوہ حقوقِ واجبہ کا مطالبہ | ۳۴۶ | **دیگر نظامہائے اقتصادی کا موازنہ** | ۳۷۳ |
| قانونِ وراثت | ۳۵۴ | مذاہب عالم اور اسلام کا اقتصادی نظام | ؍؍ |
| **حصۂ دوم کے شعبے** | ۳۶۰ | دنیاوی نظامہائے معاشی اور اسلام کا اقتصادی نظام | ۳۷۸ |
| صدقاتِ نافلہ | ۳۶۱ | فاشیت یا نازیت | ؍؍ |
| اوقاف | ؍؍ | اشتراکیت | ۳۸۵ |
| ہبہ | ۳۶۵ | اسلام کے اقتصادی نظام کا مختصر خاکہ | ۳۹۲ |
| وصیت | ۳۶۶ | اسلام کے اقتصادی نظام کا اجمالی نقشہ | ۳۹۴ |
| قرضِ حسنہ | ۳۶۷ | احساسِ فرض | ۳۹۵ |
| عاریت | ۳۶۸ | ہندوستان میں معاشی مسئلہ کا حل | ۳۹۶ |
| امانت | ۳۶۹ | ہندوستان میں صحیح معاشی نظام اور اس کی مشکلات | ۳۹۸ |
| اقتصادی انقلاب کے دو فطری طریقے | ۳۷۱ | | |


Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# پیش لفظ

## طبع اول

بعد حمد و صلوٰۃ. موجودہ زمانہ مادیت کی ترقی کا زمانہ ہے یعنی اس زمانہ میں روحانی (مذہبی) جذبات سرد پڑ رہے ہیں اور لادینی خیالات آہستہ آہستہ ان کی جگہ لیتے جا رہے ہیں۔ ایسے زمانہ میں مذہب کے نام سے کسی چیز کا پیش کرنا خصوصاً اس نام سے کسی "اقتصادی نظام" کی ہمہ گیری کا مدعی ہونا اور اس کو محنت و سرمایہ کی موجودہ کشاکش کا بہترین حل بتانا بہت بڑی جرأت اور حیرت انگیز جسارت سمجھا جائے گا مگر قدرت نے جنھیں چشم بصیرت عطا فرمائی ہے اور جن کو مشکوٰۃ نبوت کے فیضان سے حصہ وافر ملا ہے وہ بحمد اللہ آج بھی اس مادی ترقی کے مسموم اثرات یعنی مذہب سے بے اعتنائی برتنے اس کی تعلیمات سے تمسخر کرنے اور اس کو نظر حقارت سے دیکھنے کو "ذہنی غلامی" اور "دماغی پستی" یقین کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے موجودہ انقلابی ہنگاموں میں بھی صحیح راہ وہی ہے جو اسلام کی ہمہ رس دعوتِ انقلاب نے ہم کو بتائی ہے اور امنِ عالم کے لئے آج بھی یہی نسخہ "نسخہ کیمیا" ہے اور بس۔

تاہم یہ قول چونکہ قول کی حد تک صرف ایک مقلدانہ خوش اعتقادی پر محمول کیا جاتا بنا بریں ضرورت تھی کہ اقتصادی ہلچل اور یورپ میں نظریوں کی کورانہ تقلید و اتباع کے اس دور میں جرأت و ہمت اور صداقت و اعتدال کے ساتھ اسلام کے اقتصادی نظام کا اجمالی نقشہ پیش کیا جائے تاکہ انصاف پسند اور حق نگاہ اصحاب کو غور کرنے کا موقع ملے کہ دنیا کے موجودہ نظام ہائے اقتصادی میں اقتصادی مشکلوں کے حل کے لئے کون سی راہ مفید، خس و خاشاک سے پاک اور قابلِ عمل ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ کہدیجئے کیا نابینا و بینا مساوی ہو سکتے ہیں
أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ اور کیا تاریکی و روشنی برابر ہیں۔

Marfat.com

نیز میری یہ "صدا" اُن دردمند انسانوں کے لئے ہے جو غریبوں مفلسوں اور عام بدحال انسانوں کی فاقہ مستیوں اور ان کے مقابلہ میں خود غرض عیش پسند، متکبر و مغرور اور قارون صفت سرمایہ داروں کو دیکھتے اور موجودہ خود ساختہ اور غیر فطری تفاوت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو حیرت و اضطراب سے پکار اٹھتے ہیں کہ سوسائٹی کا یہ بے رحمانہ طبقاتی نظام کیا خدا ہی نے اپنے بندوں کے درمیان قائم کر دیا ہے یا چند انسان نما درندوں نے محض جبر و قہر سے سوسائٹی کا یہ نقشہ تیار کر کے اپنے ہی جیسے انسانوں کو اپنی اغراض کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا ہے؟ اور پھر اپنی نادانی و بے علمی سے کبھی سوشلزم و کمیونزم کا سہارا ڈھونڈتے ہیں اور کبھی نیشنلزم کی پناہ لیتے ہیں اور یقین کر لیتے ہیں کہ اس عذاب سے نجات کی صرف یہی راہیں ہیں میری یہ کتاب ایسے زخمی دلوں کے لئے مرہم اور ایسے مصیبت زدہ قلوب کے لئے آبِ حیات ہے کیونکہ اسلام کی نگاہ میں مدارجِ معیشت کا فرق اسی حد تک جائز اور فطری ہے کہ کسی حال میں بھی "اجتماعی زندگی" انفرادیت کے تیشہ سے گھائل نہ ہونے پائے اور عوام کی فلاح و بہبود کسی صورت میں بھی چند افراد کی اغراض پر قربان ہو کر نہ رہ جائے۔

رزق کی وسعت و تنگی کا دامن بلاشبہ خالقِ کردگار کے یدِ قدرت کی گرفت میں ہے لیکن اسی کے قولِ فیصل (قرآنِ عزیز) نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ دنیا کے اربابِ دولت کی دولت کا راز اجتماعی مفاد ہی سے وابستہ ہے اور اس کارزارِ ہستی میں کسی کا فاقہ مستی اور تنگدستی سے مجبور و مقہور رہنا خود اس نظام کا "ناقابلِ معافی جرم ہے" جس میں وہ آباد ہے اور ایسے نظام کا پہلی فرصت میں تباہ ہو جانا ضروری ہے۔ لہذا فرعون ساماں اور فاقہ کش دو طبقوں میں انسانوں کو تقسیم کر کے جو کوئی اس ظالمانہ نظام کی نسبت خدا کی طرف کرتا ہے شاید وہ اس کے اس ظلم شکن اعلان اور پاداشِ عمل کے قانون سے ناآشنا اور بے خبر ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (روم)

خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا لوگوں کے اپنے کرتوتوں سے، ان کو اپنے کرتوت کا مزہ کچھ چکھنا چاہئے تاکہ وہ باز آجائیں۔

بہرحال میری اس نگارش میں نہ سرمایہ دارانہ ذہنیت رکھنے والوں کو دستِ غیب کا کوئی نسخہ ہاتھ آسکتا ہے اور نہ ان مذہب نما انسانوں کے لئے کوئی پیغامِ جانفزا دستیاب ہو سکتا ہے جن کے

Marfat.com

نزدیک دنیا کے یہ موجودہ ظالمانہ نظام ہی خدا کی مرضی اور اس کا منشا ہیں۔

میری یہ محنت صرف ان ٹوٹے ہوئے دلوں کے لئے ہے جو موجودہ ظالمانہ نظام کی دستبرد سے مایوس ہو کر حیرت سے چاروں طرف دیکھ رہے اور کسی عادلانہ نظام کے بروئے کار آنے کا انتظار کر رہے ہیں اور میری یہ پکار مذہب سے ناآشنا اور یورپ کے انقلاب سے مرعوب ان نوجوانوں کے لئے ہے جو "الحاد" کے جھوٹے مگر چمکتے ہوئے نگینوں کو جوہر و گوہر جانتے اور دنیا کے اس ظالمانہ کردار کا ردِ عمل ہیگل اور کارل مارکس کے فلسفۂ سوشلزم اور کمیونزم میں سمجھتے ہیں اور کبھی نیشنلزم اور یورپ کی ڈیما کریسی (جمہوریت) کو کعبۂ مقصود یقین کرنے لگتے ہیں۔

وہ دیکھیں اور غور و انصاف کی نگاہ سے دیکھیں کہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہم) کے بتائے اور سکھائے ہوئے نظام ہیں وہ سب کچھ موجود ہے جو ظالمانہ نظام کے خلاف محنت و سرمایہ کی کشمکش اور طبقاتی جنگ سے نجات دلاتا ہے اور جس سے انسانوں کی آزادی اور عام خوشحالی کی ضمانت حاصل ہوتی ہے۔

| | |
|---|---|
| قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ | اللہ کی طرف سے تمہارے پاس (حق کی) روشنی آچکی اور |
| وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ | ایسی کتاب ہو چکی جو اپنی ہدایتوں میں نہایت روشن کتاب ہے |
| بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ | خدا اس کتاب کے ذریعہ ان لوگوں پر جو ہوائے نفس کی جگہ |
| سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ | خدا کی خوشنودیوں کے تابع ہوں سلامتی کی راہیں کھول |
| مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ | دیتا ہے اور اپنے حکم سے یعنی اپنے مقررہ قانون کے بموجب |
| بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى | انھیں تاریکیوں سے نکالتا، روشنی میں لاتا اور کامیابی |
| صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (مائدہ) | وسعادت کی سیدھی راہ لگا دیتا ہے۔ |

میری اس پیشکش میں بھٹکے ہوئے انسانوں کے لئے تسکین کا سامان اور ان کی حیاتِ اجتماعی کیلئے روح پرور پیغام ہے بشرطیکہ ان کو حق کی تلاش ہو اور ان کا دل خدا اور اس کی بتائی ہوئی راہِ ہدایت اور روشن کئے ہوئے آفتابِ رسالت سے باغی اور جان بوجھ کر نافرمانی و سرکشی کے لئے جری و بیباک نہ ہو۔

Marfat.com

وَمَآ اَسْـَٔلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ ۔ میں تم سے اس پر اُجرت کا خواہشمند نہیں ہوں میری
اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ ۔ (اس خدمت کی) اجرت صرف اللہ کے پاس ہے۔

اس تصنیف کے متعلق مقصد کی وضاحت کے بعد اہلِ قلم حضرات کی خدمت میں مخلصانہ گذارش ہے کہ براہِ کرم وہ میری اس محنت کو موجودہ سیاسی کشمکش کا شکار نہ بنائیں اور تنقید کرتے وقت اسی حیثیت سے نظر ڈالیں جس کے لئے وہ معرضِ تحریر میں آئی ہے۔

اہلِ علم حضرات سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ "اسلام کے اقتصادی نظام" کا یہ نقشہ موجودہ اقتصادی نظریوں اور ان کے پروگراموں کی طرح کسی کتاب کی صورت میں مدوّن و مرتب نہیں ہوا اور نہ اس کے نظامِ عمل کا کوئی خاکہ اس جدید طرز و طریق پر اب تک شائع ہوا ہے بلکہ یہ اسلام کے بنائے ہوئے اصول اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاءِ راشدین کی اس عملی حیات کے نظامِ عمل سے ماخوذ ہے جو زمانۂ نبوت اور دورِ خلافت میں بروئے کار آئے اور جس کو دنیا کے تمام اقتصادی و سیاسی نظامہائے عمل کے مقابلہ میں مساوات، امن و سلامتی، اور عام رفاہیت کے پیشِ نظر تاریخی برتری حاصل ہے۔

تاہم اس کی تفصیل و تشریح اور ترتیب و جمع میں ایک خاص طرزِ نگارش کی وجہ سے جو اسلامی لٹریچر میں اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک نئے انداز کا حامل ہے" میری یہ سعی و کاوش بہت ممکن ہے کہ خامیوں اور لغزشوں سے خالی نہ ہو اور جو مطالب کہ اپنی توضیحات میں ضخیم جلدوں اور دقیق نکتہ سنجیوں کے محتاج ہیں میری لغزشِ قلم کی وجہ سے وہ صحیح طور پر نہ ادا ہو سکے ہوں۔

اس لئے یہ بھی التماس ہے کہ ہدفِ ملامت بنانے کے بجائے منصفانہ تنقید کے اصول پر میری راہنمائی کی جائے، خدا نے چاہا تو میں دوسرے ایڈیشن میں اس کی تلافی کی کوشش کروں گا۔

خادمِ ملت

**محمد حفظ الرحمٰن**

۱۰ رجب المرجب ۱۳۵۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# سخن گفتنی

## دیباچہ طبع ثانی

الحمدللہ وحدہ والصلوۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ اما بعد مصنف نے جب "اسلام کا اقتصادی نظام" لکھنے کا ارادہ کیا تھا تو اس وقت یہ خیال بھی نہ تھا کہ اس کی اس محنت کی ملک کے اہلِ قلم، اہلِ علم، اور اہلِ فکر کی نظروں میں اس قدر اہمیت ہوگی جس کا احساس نہیں بلکہ مشاہدہ کتاب کی اشاعت کے بعد ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ایسے بحرانی دور میں جبکہ حق و صداقت بھی شخصی عداوتوں کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں اس کتاب کو شرفِ قبولیت بخشا اور ندوۃ المصنفین کی اس خدمتِ علمی و مذہبی کو جدید اور قدیم دونوں حلقوں میں "سعی مشکور" بنایا۔

مصنف نے کتاب کے دیباچہ میں جہاں کتاب کی نوعیت کے اعتبار سے اس کو اسلام کے علمی ذخیرہ میں ایک جدید اضافہ ظاہر کیا تھا وہاں اپنی خامی اور نقشِ اولین کی حیثیت سے کتاب میں اضافہ اور ترمیم کی گنجائش کا بھی اعتراف تھا اور ارباب علم و بصیرت اور اصحابِ قلم سے مخلصانہ درخواست کی تھی کہ وہ مصنف کے سیاسی رجحانات سے اختلاف کے باوجود دیانت کے ساتھ صرف کتاب پر تبصرہ اور ریویو کی زحمت گوارا فرمائیں اور بے لاگ تنقید کر کے مصنف کی راہنمائی کریں۔

مصنف اس سلسلہ میں ان اربابِ علم و اصحابِ قلم حضرات کا شکرگذار ہے جنھوں نے اس اصولی نقطہ کا لحاظ رکھتے ہوئے کتاب پر تنقید بھی کی اور تقریظ بھی لکھی اور سب نے باتفاق

Marfat.com

یہ تسلیم کیا کہ بے شبہ یہ کتاب وقت کی پکار کا اسلام کی جانب سے بہترین جواب ہے اور اپنے موضوع کے لحاظ سے یہ علمی ذخیرہ میں پہلی کتاب اور بیش بہا ذخیرۂ اسلامی کی حامل ہے۔

مصنف ساتھ ہی ان بعض اہلِ قلم کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے جنھوں نے اصولِ تنقید سے گریز کرتے ہوئے کتاب کی جگہ مصنف کے سیاسی مسلک کو ہدفِ طعن بنایا اور اس کی جماعت کو غیر مہذب الفاظ میں یاد کرنا ضروری سمجھا اور اس کا ثبوت بہم پہنچایا کہ معاصرانہ حسد اور بغض و عناد، ادعاءِ امامت و قیادت اور ادعاءِ تقویٰ و طہارت کے باوجود پستیٔ اخلاق کے کس عمیق غار میں لیجا کر گرا دیتا ہے مگر مصنف اس لئے شکرگذار ہے کہ ان کی اس غیر سنجیدہ روش نے کتاب کو ملک میں بہت زیادہ مقبول بنا دیا اور اربابِ ذوق نے اس پر زیادہ سے زیادہ اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اس کا اندازہ ندوۃ المصنفین کے دفتر میں آئے ہوئے ان خطوط سے ہو سکتا ہے جو کتاب کے متعلق ملک کے مختلف گوشوں سے اظہارِ خیال اور کتاب کی خریداری کے متعلق آئے یا اس کا صحیح اندازہ علومِ جدیدہ کے ان اہلِ قلم کے تحریری تقاضوں سے ہو سکتا ہے جو جدید کے ساتھ قدیم کا بھی ذوقِ کامل رکھتے ہوئے مُصِر ہیں کہ ان کو اس کتاب کو انگریزی زبان کے سانچے میں ڈھالنے کی اجازت دی جائے۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن اگرچہ ہاتھوں ہاتھ نکل چکا اور ان تھوڑے سے نسخوں کے علاوہ جو دفتر میں اصولِ تجارت کی بنا پر روک لئے جاتے ہیں کتاب کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا تاہم بعض دیگر تصنیفی مشاغل نے فوراً دوسرے ایڈیشن کی ترتیب کی جانب متوجہ نہ ہونے دیا، مگر اربابِ ذوق کے پیہم تقاضوں اور وقتی ضرورت کے احساس نے مہمیز کا کام دیا اور بحمد اللہ دوسرا ایڈیشن بھی منصۂ شہود پر آ گیا۔

اس ایڈیشن میں "نقشِ اولین" کو "نقشِ ثانی" بنانے کی پوری پوری سعی کی گئی ہے اور جدید اضافات اور ترمیم و اصلاحات نے نیز تقطیع اور ضخامت کی زیادت نے گویا کتاب کو بالکل نیا جنم دیدیا ہے اور اس طرح وہ پہلے ایڈیشن سے الگ نئی اور مستقل کتاب بن گئی ہے۔

Marfat.com

مصنف ایک مرتبہ پھر اربابِ علم اور اصحابِ قلم کی خدمت میں مخلصانہ ملتمس ہے کہ وہ مسئلہ کی اہمیت، زیرِ بحث مسئلہ میں اسلامی نظریوں کی وضاحت، معاشیات میں اس کے علمی نظام اور اجتماعی احکام کے پیش نظر مصنف کی کاوش و محنت پر آزادانہ مگر دیانت دارانہ تنقید یا تقریظ کے لئے قلم اٹھائیں۔

اور ان چند آخری صفحات پر بھی" جو کہ ضمنی طور پر ہندوستان میں معاشی مسئلہ کے متعلق زیرِ قلم آگئے ہیں" اگر کچھ لکھا جائے تو انصاف اور اسلامی اخلاق کی متانت کی روشنی میں معرضِ تحریر میں آئے تاکہ زیرِ بحث مسائل میں قارئینِ کرام کو فیصلہ کرنے میں مدد ملے۔

وما توفیقی الا باللہ۔

خادم ملت

محمد حفظ الرحمٰن (کان اللہ)

۲ ربیع الاول سنہ ۱۳۶۱ھ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# دیباچہ طبع ثالث

کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" اپنی ارتقائی منزلوں سے گذر کر اب تیسرے ایڈیشن کی صورت میں پیش ہے۔ اس ایڈیشن میں حذف و اضافہ دونوں سے کام لیا گیا ہے مگر حذف بہت کم اور اضافہ غیر معمولی ہے اس لئے کہ اس ایڈیشن میں خصوصیت کے ساتھ اسلامی معاشیات کے مفکرین شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حافظ ابنِ قیم جوزیؒ، امام رازیؒ، امام غزالیؒ اور ابنِ حزم اندلسیؒ کے ان نظریات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو انھوں نے قرآن حکیم اور احادیثِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشنی میں خالص معاشی نقطۂ نگاہ سے پیش فرمائے ہیں۔

ان نظریات کو پیشِ نظر رکھکر یہ کہنا آسان ہو جاتا ہے کہ معاشی مسائل کے حل میں مذہب سے آزاد یا مخالف ہو کر جن مفکرین نے کاوشیں کی ہیں اور نظری و عملی دونوں پہلوؤں کو نئے سانچوں میں ڈھالا ہے ان کے مقابلہ میں اسلام کے ان مفکرین نے دینِ حق کی روشنی

Marfat.com

میں اس خوبی سے اس کا حل کیا ہے کہ ایک طرف لادینیت، طبقاتی جنگ و جدل اور انتقامی خامکاریوں سے تحفظ ہو جاتا ہے اور دوسری جانب وہ پوری افادیت موجود رہتی ہے جو لادینی مفکرین کے معاشی نظام کی خصوصیت سمجھی جاتی ہے۔

اس مرتبہ یہ بھی سعی کی گئی ہے کہ مسئلہ ربوا (سود) پر بھی سیر حاصل بحث کی جائے کیونکہ موجودہ دور کے سرمایہ دارانہ معاشی نظام نے "سود" کو اس طرح تجارت کا جزء بنا دیا ہے کہ آج اگر سود اور سودی تجارت کے خلاف کچھ کہا یا لکھا جائے تو وقت کے اہلِ نظر (معاشیین) اس کو یا تعجب و حیرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور یا زیادہ سے زیادہ یہ تصور کر لیتے ہیں کہ "حرمتِ سود" اور معاشی سسٹم میں عدم جوازِ سود پر دلائل کا ذخیرہ ایک روحانی نظریہ یا ایک اچھے دفاع (Defens.) سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور یہ تو وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کسی معاشرہ میں سودی کاروبار ایک لغو اور باطل سسٹم ہے، اور یہ کہ موجودہ ماہرینِ اقتصادیات کی ایک قابلِ ذکر جماعت کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ زمانہ قریب آرہا ہے کہ معاشیین کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ "سود" کے لئے معاشی نظام میں کوئی دخل نہیں اور شرحِ سود کو صفر تک پہنچا دینا ہی صحیح معاشی حل کی کلید ہے۔

چنانچہ موجودہ ایڈیشن میں معاملۂ "ربوا" اور صحیح تجارتی لین دین کے درمیان تفاوت ظاہر کرتے ہوئے اسلامی نقطۂ نگاہ سے عدم جوازِ سود پر ایسے معاشی دلائل پیش کئے گئے ہیں جو مسئلہ کو دفاعی نقطۂ نظر سے آگے بڑھا کر ایک صحیح حل کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔

"مسئلہ اراضی اور ہندوستان میں معاشی مشکلات کا حل" کے عنوانات میں بھی جدید ترتیب کے ساتھ مزید اضافات زیرِ قلم لائے گئے ہیں جنھوں نے کتاب کی افادیت

Marfat.com

کو اور زیادہ وزنی بنا دیا ہے۔

غرض نقشِ ثالث، "ثانی اور اول" کے مقابلہ میں مسئلہ ارتقار کے "بقار اصلح" کا آئینہ دار ہے اور اصحابِ فکر و نظر کے لئے عمیق مطالعہ کا داعی۔

والی اللہ المرجع والمآب

خادم ملت

محمد حفظ الرحمٰن (کان اللہ)

۲۰ر جمادی الاخری ۶۵ھ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اقتصاد و علم الاقتصاد

لغت کی زبان میں قصد و اقتصاد "میانہ روی اور اچھے چلن" کا نام ہے، مگر علمی اصطلاح میں ایسے وسائل کی "دریافت" کو کہتے ہیں جو دولت و ثروت کے پیدا کرنے کے مناسب طریقے، اس کے خرچ کے صحیح استعمال، اور اس کی ہلاکت و بربادی کے "حقیقی اسباب" بتا سکیں۔ اس لئے "علم الاقتصاد" اس علم کا نام ہے جو ان وسائل سے بحث کرتا اور ان کے صحیح و غلط ہونے پر مطلع کرتا ہو۔

"علم اقتصاد" اس معنیٰ کے اعتبار سے دو حصوں پر منقسم ہے۔ ایک "اجتماعی" اور دوسرا "انفرادی" یا "منزلی"۔ ہماری بحث کا نقطۂ نظر "اقتصادِ اجتماعی" ہے۔ اس لئے کہ یہی زندگی کی اصل بنیاد ہے اور "انفرادی و منزلی" اقتصاد کے لئے دلیلِ راہ۔

علمی دنیا کے قدیم و جدید مفکرین اور علماءِ مبصرین نے اس مسئلہ کو علمی اور عملی دونوں طریقوں سے حل کرنے کی برابر سعی کی ہے اور آج تک اس سعی کا سلسلہ جاری ہے یونان کے مشہور فلسفی افلاطون نے بھی اپنی کتاب "جمہوریہ" (Republic) میں اس مسئلہ کے متعلق اپنا نقطۂ نگاہ بیان کیا ہے اور علماءِ جدید میں کیسل (Cassel.) مِل (Mill) سمتھ (Smith.) ریکارڈو (D.Ricc.edo) اور جون (Jhon) نے اس مسئلہ کو علمی اور عملی بنانے میں جو کاوشیں کی ہیں وہ ان کی تصانیف اور ان کے نظریوں سے واضح ہیں

Marfat.com

اور آخر میں کارل مارکس (Karl marx) نے نظریۂ اشتراکیت (Socialism.) اور اس کے "عملی پروگرام" کے ذریعہ سے یورپ میں جو انقلاب پیدا کیا اس سے علمی فکر و نظر، عملی نظام، اور طرزِ حکومت پر جو اثر پڑا ہے وہ موافقت و مخالفت کے رنگ میں، نہ صرف یورپ کو متاثر کر رہا ہے بلکہ ایشیا اور مشرق و مغرب کے تمام گوشوں میں زبردست ہیجان برپا کئے ہوئے ہے، اور روس جو کہ آج کل اشتراکیت کا عملی میدان بنا ہوا ہے۔ دوسروں کو بھی اس نظام میں منسلک کرنے کے لئے پیہم جد وجہد کے ساتھ سرگرمِ عمل ہے۔

لیکن دنیا کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ قدیم و جدید تمام نظامہائے حکومت میں ایک بھی ایسا نظام نہیں بتایا جا سکتا جس کے نظامِ اقتصادی نے انسانی دنیا کے اندر رفاہیت و خوش عیشی اور عدل و انصاف دونوں کو باہم ملا کر امن و سلامتی کا علم بلند کیا ہو، اور یہ تو وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ ان کے پیش کردہ نظریوں اور عملی تجربوں نے دنیوی سربلندیوں کے ساتھ ساتھ انسانی حیات کے مقصدِ وحید یعنی اللہ اور اس کے بندوں کے درمیانی رشتہ کو مضبوط کرنے اور اخلاقِ کریمانہ کی رفعتوں تک پہنچانے کی خدمت انجام دی ہو۔

افلاطون اپنی شہرۂ آفاق کتاب جمہوریہ میں اقتصادی حیثیت سے انسانوں کے آزاد اور غلام دو طبقے ضروری قرار دیتا ہے اور اس طرح خدا کی آقائی کی جگہ بندوں کی آقائی کی دعوت دیتا اور زیردستوں پر زبردستوں کی قہرمانیت کے لئے دروازہ کھولتا ہے اور صنفی تعلقات میں انارکی پیدا کر کے معاشرتی نظام کو برباد کر دینے کے علاوہ معاشیات میں عوام و خواص کی تقسیم کو بڑی حد تک باقی رکھتا ہے۔ یورپ کی جمہوریت کا نظام بھی اسی دیوِ استبداد کی قبا اوڑھے ہوئے ہے اور عام رفاہیت و خوش عیشی کی بجائے مخصوص اور مالدار طبقوں کی کفالت کرتا نظر آتا ہے اور اس لئے عدل و انصاف کے حقیقی معنی کو بھی مسخ

کردیا گیا ہے اور ظلم و استبداد کو عدل و انصاف کا نام دیا جا رہا ہے اور حقیقت میں نگاہیں یہ دیکھ رہی ہیں کہ نہ صرف معاشی نظام بلکہ پورا نظامِ حکومت محض ایک چھوٹی سی جماعت کے اغراض کو پورا کرتا اور جمہور کو ان مقاصد کے لئے آلۂ کار بناتا اور حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے اس کا نام جمہوریت (Democracy) رکھتا ہے۔

روما اور فارس کا پرشوکت تمدن اور اس کی خوش آئند حضارت دنیائے انسانی کو مطمئن تو کیا کرتے خود اپنی قوم اور اپنے ہم مذہب افراد کے لئے بھی دعوتِ حق اور پیغامِ رفاہیت نہ دے سکے۔ اور جو کچھ بھی کیا وہ سب طبقۂ امراء و سلاطین ہی تک محدود رہا خصوصاً فارس کا وہ نظام تو قابلِ ذکر بھی نہیں جو مزدک کی تعلیم سے بہرہ اندوز ہوا، اسی طرح موجودہ ڈکٹیٹر شپ بھی امن و سلامتی کی جگہ قہر و غلبہ کی اور عام رفاہیت کی جگہ دنیائے انسانی کو محکوم بنانے کی ہنگامہ آرائیوں کے سوائے دنیا کو کچھ نہ دے سکی۔

اشتراکیت اور اشتمالیت نے اگرچہ عام خوش حالی اور رفاہیت کا پیغامبر بننے کی بہت کوشش کی مگر ایک طرف خدا سے بغاوت کر کے خدا اور اس کے بندوں کے درمیان انارکی کا باعث بنی اور دوسری جانب طبقاتی جنگ کے مراحل میں الجھ کر رہ گئی۔ اور عالمگیر پیامِ امن بننے کی بجائے وہ بھی ایک طبقہ کی مخصوص حکمرانی کی قائل نظر آنے لگی فرق صرف اسقدر ہے کہ وہ سرمایہ داروں کا نہیں مزدوروں کا طبقہ ہے۔

بہر حال دنیا کے تمام نظامہائے حکومت اور دنیا والوں کی ہر قسم کی جدوجہد ہمیشہ اس مرحلہ میں ناکام رہی اور آج کی ہولناک جنگِ یورپ اس ناکامی کو اس طرح بر سرِ عام لا رہی ہے کہ تہذیبِ نو سے مرعوب ہونے والے انسان سرنگوں اور حیران نظر آتے ہیں اور اُن کو کوئی تاویل بن نہیں آتی۔

پس اب دو ہی مرحلے باقی ہیں یا دنیا ان ہلاکت آفرینوں کا شکار ہو کر یکسر شرّی شر بن کر رہ جائے اور یا پھر خیر اور حقیقی امن و سلامتی کی وہ دنیا بن جائے جس کا مظاہرہ اسلام

Marfat.com

آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل مکمل طور پر دورِ نبوت، دورِ صدیقی اور دورِ فاروقی میں کر چکا ہے۔

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْھَبُ جُفَآءً — سو جھاگ تو سوکھ کر ضائع ہو جاتا ہے اور

وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ — وہ جو کام آتا ہے لوگوں کے سو باقی رہتا ہے

فِی الْاَرْضِ۔ (رعد) — زمین پر۔

لہٰذا آج کی صحبت میں ہم اسلامی نظامِ حکومت کے اس شعبہ پر بحث کرنا چاہتے ہیں جو "اقتصادی نظام" سے معنون ہے اور جس نے اپنے وجود کے حقیقی زمانہ میں دنیا کی تاریخ کے لئے یہ مواد بھی بہم پہنچایا کہ اس نظام میں اگرچہ دفتری اقتدار کی وہ جگمگاہٹ موجود نہیں ہے جو آج انسانوں کو سادہ راحت و آرام اور قلبی اطمینان و سکون بخشنے کی بجائے ان کی مشکلات و مصائب میں دن بدن اضافہ کا سبب بن رہی ہے اور جس کی بدولت حکومتوں کا اربوں روپیہ غریبوں اور مفلوک الحال انسانوں کی فلاح و بہبود کی جگہ جنگ کے استحکامات پر صرف ہو رہا ہے۔ لیکن اپنی عملی جد و جہد میں وہ علم المعیشت کے حقیقی مقصد کا سب سے بڑا علمبردار ہے اور اس کی تمامتر روح انسانوں کی خدمت، فارغ البالی اور قلبی سکون و اطمینان، کا باعث بنتی رہی ہے۔ اس لئے اس میں نہ طبقاتی جنگ کی گنجائش ہے اور نہ اونچ نیچ کا وہ غیر فطری فرق ہی موجود ہے جس سے ایک جماعت بے قید سرمایہ و دولت کی مالک بن جائے اور دوسری اس کے سامنے دستِ سوال پھیلا کر فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرے اور اس کے دستِ تظلّم کا شکار رہے۔

الحاصل یہاں ایسے نظریے (تھیوریز) (Theories.) مقصدِ بحث نہیں ہیں جو اپنے منطقی استدلالات اور عقلی کاوشوں کے اعتبار سے تو بہت بلند نظر آتے ہوں لیکن ان کی عملی افادیت یا تو صفر ہو اور یا پھر تمدن کے فاسد کرنے میں تیز گام بلکہ ایک ایسا نظام زیرِ بحث ہے جو کائنات ہست و بود کی دنیوی ضروریات اور عملی معیشت کے لئے بہترین نظامِ عمل (پروگرام) رکھتا ،، اور تجرباتی زندگی میں اس بات کا ثبوت دیکھا ہو کہ وہ انسانوں کا ان کے

حقیقی آقا" خدائے تعالیٰ" کے ساتھ صحیح تعلق قائم کرنے اور ان کے اخلاق (کیرکٹر) کو بلند اور مضبوط بنانے کے ساتھ ساتھ ہر کہ و مہ کے لئے یکساں معیشت کا کفیل رہا ہے اور انفرادی اور اجتماعی حیات کا ضامن۔ اور طبقاتی جنگ کی جگہ عالمگیر اخوت کا پیغامبر ہے۔

کسی نظریہ کے ساتھ اس کی "عملی قیمت کا لحاظ" اس لئے ضروری ہے کہ بعض نظریے اپنے منطقی دلائل کے اعتبار سے اگرچہ بہت زیادہ جاذبِ نظر اور دلکش معلوم ہوتے ہیں اور علم المعیشت کے مباحث میں ان کی بہت زیادہ اہمیت نظر آتی ہے لیکن جب وہ عمل کی ترازو میں تولے جاتے، اور تجربہ کی کسوٹی پر پرکھے جاتے ہیں تو ان کی قدر و قیمت بہت کم رہ جاتی ہے۔

مثلاً "محنت" کا مفید مفہوم یہ ہے "وہ کام جس کا کچھ مادی معاوضہ ہاتھ آئے" لیکن محنت کی علمی بحث میں والدین کی خدمت اولاد کے لیے، عشاق کی ناز برداری اپنے محبوب کے لئے اور شوقین لوگوں کے مشاغل تفریح طبع کے لئے یہ سب محنت میں شمار کئے جاتے اور محنت کے وسیع نظریہ کے پیش نظر زیر بحث لائے جاتے ہیں تاہم علمائے اقتصادیات اس علمی نظریہ پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد آخر میں یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

"یہاں وہ اصلی بحث سے متعلق نہیں ہیں، محض علمی مذاق کے لحاظ سے مفہومِ دولت میں ان کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوا۔" [1]

اس کے برعکس بعض نظریے نئی اصطلاحوں، جدید تعبیروں اور مخصوص ماحول کے اثرات کے پیش نظر اگرچہ پہلے نظریوں کے مقابلہ میں ظاہری چمک دمک نہیں رکھتے لیکن عملی تجربہ میں ان کی افادیت بہت زیادہ ان کی پذیرائی بہت وسیع اور نظامِ معیشت میں ان کی درست کاری بیحد موزوں ثابت ہوتی ہے۔

لہٰذا کسی "عملی نظام" میں وہی نظریے قابلِ قدر جگہ پانے کے مستحق ہیں جو تعبیری

---

[1] علم المعیشت ص ۶۸۔

نقطۂ نظر سے اگرچہ انقلاب آفریں اور مسحور کن نظر نہ آتے ہوں مگر عملی دائرہ میں اس قدر مفید اور ہمہ گیر ہوں کہ اگر ان کو دلیلِ راہ بنا لیا جائے تو بلاشبہ وہ ایک "صالح معاشی نظام" اور "امنِ عالم" کے کفیل ہو سکتے اور تمام انسانوں کی خوشحالی اور امن و عافیت کے راہنما بن سکتے ہیں۔

نیز ان میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہو کہ جہاں وہ ایک طرف ایسی محکم بنیاد اور مضبوط اساس رکھتے ہوں کہ زمانہ کے ہزاروں انقلابات اور بے شمار تاثرات اور ذہنی رجحانات کے باوجود ان کی اساس و بنیاد کا ایک نقطہ بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹ سکے، وہیں ان میں ایسی لچک پائی جاتی ہو کہ وہ وقتی تاثرات، ذہنی انقلابات و رجحانات، اور نت نئے حوادث کے لئے اپنی جزوی تفصیلات اور فروعی جزئیات میں وقت کی صحیح راہنمائی انجام دے سکیں اور موجودہ دور کی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی یافتہ دنیا کے لئے بھی اسی طرح مشعلِ ہدایت کا کام دیں جس طرح گذشتہ دنیا کی عام فلاح و طمانیت کے لئے کامیاب ثابت ہو چکے ہیں۔ اور یہ صرف وہی اصول ہیں جن کی روشنی میں اسلام کا معاشی نظام اپنے حقیقی دور میں ایک زریں تاریخ پیش کر چکا اور جس کے لئے دوست اور دشمن دونوں نے خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔

الغرض مسطورہ بالا تفصیلات کے پیشِ نظر یہ مناسب ہے کہ "اسلامی نظامِ معیشت" کو موضوعِ بحث بناتے وقت دنیا کے مختلف نظامہائے معاشی کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے تاکہ عدل و انصاف کی روشنی میں یہ موازنہ ہو سکے کہ دنیا کے باقی نظامہائے اقتصادی میں اور اسلام کے نظامِ اقتصادی میں کیا فرق ہے، اور یہ کہ درحقیقت معاشی نظام کے حقیقی مقصد کو کون پورا کرتا، اور ان ہلاکت آفریں نظامہائے حکومت سے نجات دلا سکتا ہے؟ جنھوں نے "اقتصادی ترقی" کے نام پر حیاتِ انسانی کو خس و خاشاک سے بھی زیادہ بےوقعت بنا دیا ہے۔ اور جس انسان کی خوشحالی کے لئے یہ ڈھونگ رچایا گیا آہستہ آہستہ اسی کی

134939

تباہی و بربادی کا سامان مہیا کر دیا ہے۔

**ایک شبہ کا جواب** آئندہ اوراق میں جس اسلوب کے ساتھ "اسلام کے اقتصادی نظام" کو پیش کیا جا رہا ہے اس کے مطالعہ کے بعد سطحی نظر میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ موجودہ دور میں مختلف جماعتوں کے نام سے جس طرح منضبط نظریوں، مدوّن نظام عمل، اور مخصوص عنوانوں کے ساتھ معنون "معاشی نظام" ضخیم کتابوں کی صورت میں نظر آتے اور مستقل علم و فن کی حیثیت اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اس طرح "اسلام کا معاشی نظام" ایک جدا اور مستقل تدوین کی شکل و صورت میں مدوّن، مخصوص نظریوں میں محدود، اور خصوصی عنوانات سے معنون نظر نہیں آتا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ اسلام نے دورِ حاضر کی طرح یہ نہیں کیا کہ اول "اقتصادی نظام" کے نام سے ایک عنوان قائم کر کے اس کے تحت میں، ایک خاص نظریہ یا چند مخصوص نظریے بیان کرتا اور پھر ان نظریوں کے پیشِ نظر مختلف فصول و ابواب میں اس کے نظامِ علمی و عملی پر بحث کر کے کسی مخصوص نام کے ساتھ اس کو موسوم کرتا۔ اس نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ صرف اس لئے کہ موجودہ دنیا کے جس قدر بھی نظامہائے اقتصادی ہیں وہ عموماً انسانوں کے خود ساختہ اور ایسے فلسفہ پر مبنی ہیں جن میں روحانیت اور مذہب کو سرے سے نظر انداز کر دیا گیا ہے اور یا اس کی نہاد روحانیت اور مذہب کی مخالفت پر قائم کر کے اس کو فلسفیانہ رنگ میں ڈھال دیا ہے

اس کے برعکس "اسلام کا معاشی نظام" ایک ایسے ہمہ گیر فلسفہ پر قائم ہے جس کا نام "اسلام" ہے جو عالمگیر دعوت اور ہمہ گیر انقلاب کا داعی ہے اور دنیائے انسانی کی "صرف معاشی صلاح و فلاح" کا ہی خواہشمند نہیں ہے بلکہ روحانی، مذہبی، اخلاقی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی غرض ہر قسم کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود اور رشد و ہدایت کا علمبردار ہے اور اس طرح ایک وسیع اور مکمل نظامِ کائنات کا مدعی ہے وہ کہتا ہے کہ انسان کا منتہائے مقصد صرف

دنیوی ترقی وکمال ہی نہیں ہے بلکہ سعادتِ ابدی اور رضائے الٰہی اس کی حیات کا کعبۂ مقصود ہے اس لئے وہ ہر شعبۂ زندگی کے لئے ایک "صالح نظامِ اجتماعی" کا طالب ہے اور ان ہی شعبہ ہائے زندگی کا ایک شعبہ "صالح نظامِ معاشی" بھی ہے۔

نیز اس کا دعویٰ ہے کہ "انسان" دنیا میں خدا کا نائب اور خلیفہ ہے اس لئے اس کا فرض ہے کہ وہ حاکمِ مطلق (اللہ) کی نگرانی میں ایک ایسی حکومت برپا کرے جو "خلافتِ حقہ" کہلا سکے اور جس کا واضع قوانین انسان نہیں بلکہ خود احکم الحاکمین ہو، اور ان قوانین کی تنفیذ اس کے نائب "خلیفہ" کے ہاتھ میں ہو۔ اور یہ حکومت اگر ایک جانب خالص روحانی اور اخلاقی برتری کی معلّم ہو تو دوسری جانب عالم وکائنات کی سیاسی، مدنی اور معاشی ترقی وکمال کی حامل بھی ہو۔

غرض ایسے "نظامِ صالح" کی حامل ہو کہ جس کی بدولت ساری کائنات نسل وقوم اور ملک ووطن کے محدود دائروں سے آزاد ہو کر یکساں طور پر عدل وانصفت، امن وطمانیت اور خوشحالی ومعاشی رفاہیت سے مالا مال ہو کر اس اعتراف پر مجبور ہو جائے کہ وہ ابدی سعادت کے حصول میں بھی اس کو اپنا راہنما اور قائد تسلیم کرنے لگے۔ گویا اس کا "معاشی نظام" اس حیثیت سے ایک فلسفیانہ علم وفن نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو اس کی کاوشوں اور علمی وعملی موشگافیوں میں الجھا کر اصل مقصد سے محروم کر دے بلکہ یہ "معاشی نظام" شعبہ ہے ایک مکمل نظام کا اور آلہ ووسیلہ ہے مقصدِ حقیقی کے حصول کی آسانی راہ کا۔

بہرحال جبکہ اسلام کی دعوت اور اس کا پیغام کائنات کے تمام شعبہ ہائے زندگی پر حاوی اور اس کا طریق کار ہمہ گیر اور عالمگیر وحدتِ اجتماعی کا مبلّغ ہے اور اس لئے اس کی رشد وہدایت نہ صرف دنیوی زندگی تک محدود ہے بلکہ "سعادتِ دارین" سے وابستہ اور قائم ہے اور دنیوی زندگی کی سعادت، ابدی سعادت کے لئے ذریعہ اور وسیلہ ہے تو بلاشبہ اس کے لئے کسی طرح یہ موزوں نہیں تھا کہ وہ زندگی کے اس مخصوص شعبہ (معاشی نظام) کو اپنے

مکمل نظام سے علیحدہ کرکے خاص نظریات اور عنوانات کے ساتھ ایک علیحدہ نظام کی حیثیت دیتا۔

بے شبہ وہ ایک "صالح معاشی نظام" کا مالک ہے مگر وہ نظام بھی تمام دوسرے نظامہائے زندگی کے اصول و آئینِ اساسی کی طرح ایک مکمل نظامِ قانون (قرآن عزیز) کا جزء ہے اور اس سے علیحدہ اپنی مستقل زندگی نہیں رکھتا۔ اسی لئے حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں "صالح اقتصادی نظام کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے اس حقیقت کو نمایاں کیا ہے کہ اسلام میں "اقتصادی نظام" کا "اخلاقی اور مذہبی نظام" کے ساتھ کس قدر گہرا تعلق ہے؟ فرماتے ہیں۔

"جب پارسیوں اور رومیوں کو حکومت کرتے صدیاں گذر گئیں اور دنیوی تعیش کو انھوں نے اپنی زندگی بنا لیا اور آخرت تک کو بھلا دیا اور شیطان نے ان پر غلبہ کر لیا تو اب ان کی تمام زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ وہ عیش پسندی کے اسباب میں منہمک ہو گئے اور ان میں کا ہر شخص سرمایہ داری اور تمول پر فخر کرنے اور اترانے لگا۔ یہ دیکھ کر دنیا کے مختلف گوشوں سے وہاں ایسے ماہرین جمع ہو گئے جو بیجا عیش پسندوں کو دادِ عیش دینے کے لئے عیش پسندی کے نت نئے طریقے ایجاد کرنے اور سامانِ عیش مہیا کرنے کے لئے عجیب و غریب دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں میں مصروف نظر آنے لگے اور قوم کے اکابر اس جدوجہد میں مشغول و منہمک رہنے لگے کہ اسبابِ تعیش میں کس طرح وہ دوسرے پر فائق ہو سکتے اور ایک دوسرے پر فخر و مباہات کر سکتے ہیں حتّٰی کہ ان کے امراء اور سرمایہ داروں کے لئے یہ سخت عیب اور عار سمجھا جانے لگا کہ ان کی کمر کا پٹکہ یا سر کا تاج ایک لاکھ درہم سے کم قیمت ہو، یا ان کے پاس عالیشان سر بفلک محل نہ ہو، جس میں پانی کے حوض، سرد و گرم حمام، بے نظیر پائیں باغ ہوں اور ضرورت سے زائد نمائش کے لئے بیش قیمت سواریاں، حشم و خدم، اور حسین و جمیل باندیاں موجود

Marfat.com

ہوں، اور صبح وشام رقص وسرود کی محفلیں گرم ہوں اور جام وسبو میں شرابِ ارغوانی چھلک رہی ہو اور فضول عیاشی کے وہ سب سامان مہیا ہوں جو آج بھی تم عیش پسند بادشاہوں اور حکمرانوں میں دیکھتے ہو اور جس کا ذکر قصۂ طولانی کے مرادف ہے۔

غرض یہ غلط اور گمراہ کن عیش ان کے "معاشی نظام" کا اصل الاصول بن گیا تھا اور کیفیت یہ ہوگئی تھی کہ یہ صرف نواب اور امراء کے طبقہ ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ پوری مملکت میں ایک عظیم الشان آفت اور وبا کی طرح سرایت کر گیا تھا اور عوام وخواص سب میں یہی جذبۂ فاسد پایا جاتا اور ان کے "معاشی نظام" کی تباہی کا باعث بن رہا تھا۔

نتیجہ یہ تھا کہ مملکت کی اکثریت پر یہ حالت طاری ہوگئی کہ دلوں کا امن وسکون مٹ گیا تھا۔ ناامیدی اور کاہلی بڑھتی جاتی تھی اور بہت بڑی اکثریت رنج وغم اور آلام ومصائب میں گھری نظر آتی تھی، اس لئے کہ ایسی مفرطانہ عیش پرستی کے لئے زیادہ سے زیادہ رقوم اور آمدنی درکار تھی اور وہ ہر شخص کو مہیا نہ تھی۔ البتہ اس کے لئے بادشاہ، نواب، امراء اور حکام نے معاشی دستبرد شروع کر دی اور اس کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ کاشتکاروں، تاجروں، پیشہ وروں اور اسی طرح دوسرے کارپردازوں پر طرح طرح کے ٹیکس عائد کر کے ان کی کمر توڑ دی اور انکار کرنے پر ان کو سخت سے سخت سزائیں دیں اور مجبور کر کے ان کو ایسے گھوڑوں اور گدھوں کی طرح بنا دیا جو آبپاشی اور ہل چلانے کے کام میں لائے جاتے ہیں اور پھر کارکنوں اور مزدور پیشہ لوگوں کو اس قابل بھی نہ چھوڑا کہ وہ اپنی حاجات وضروریات کے مطابق بھی کچھ پیدا کر سکیں۔ خلاصہ یہ کہ ظلم وبداخلاقی کی انتہا ہوگئی تھی۔

اس پریشاں حالی اور افلاس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کو اپنی اخروی سعادت وفلاح اور خدا سے رشتۂ بندگی جوڑنے کے لئے بھی مہلت نہ ملتی تھی اور اس "فاسد معاشی نظام"

Marfat.com

کا ایک مکروہ پہلو یہ بھی تھا کہ جن صنعتوں پر نظام عالم کی بنیاد قائم ہے وہ اکثر یک قلم متروک ہو گئیں اور امراء و رؤسا کی مرضیات و خواہشات کی تکمیل ہی سب سے بڑی خدمت اور سب سے بہتر حرفہ شمار ہونے لگا۔

اور جمہور کی یہ حالت تھی کہ ان کی تمام زندگی بداخلاقیوں کا نمونہ بن گئی تھی اور ان میں سے اکثر کا گذارہ بادشاہوں کے خزانوں سے کسی نہ کسی طرح وابستہ ہو گیا تھا مثلاً ایک طبقہ جہاد کئے بغیر باپ دادا کے نام پر مجاہدین کے نام سے وظیفہ خواری کر رہا ہے تو دوسرا مدبرینِ مملکت کے نام سے پل رہا ہے، کوئی بادشاہ اور امراء کی خوشامد میں قصہ خوانی کر کے شاعری کے نام سے وثیقہ پا رہا ہے تو کوئی صوفی اور فقیر بن کر دعا گوئی کے زمرہ میں مالی استحصال کر رہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ کسبِ معاش کے بہترین طریقوں کا فقدان تھا اور ایک بڑی جماعت چاپلوسی، مصاحبت، چرب زبانی اور دربارداری کو ذریعۂ معاش بنانے پر مجبور ہو گئی تھی اور یہ ایک ایسا فن بن گیا تھا جس نے ان کے افکارِ عالیہ اور ذہنی نشو و نما کی تمام خوبیاں مٹا کر پست و ارذل زندگی پر قانع کر دیا تھا۔

پس جب یہ فاسد مادہ وبا کی طرح پھیل گیا اور لوگوں کے دلوں تک سرایت کر گیا تو ان کے نفوس دنائت و خست سے بھر گئے اور ان کی طبائع اخلاقِ صالحہ سے نفرت کرنے لگیں، اور ان کے تمام اخلاق کریمانہ کو گھن لگ گیا اور یہ سب اس "فاسد معاشی نظام" کی بدولت پیش آیا جو عجم و روم کی حکومتوں میں کارفرما تھا۔

آخر جب اس مصیبت نے ایک بھیانک شکل اختیار کر لی اور مرض ناقابل علاج حد تک پہنچ گیا تو خدائے تعالیٰ کا غضب بھڑک اٹھا اور اس کی غیرت نے تقاضہ کیا کہ اس مہلک مرض کا ایسا علاج کیا جائے کہ فاسد مادہ جڑ سے اکھڑ جائے اور اس کا قلع قمع ہو جائے۔

Marfat.com

اس نے ایک "نبی امی" (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مبعوث کیا اور اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا اور یا اور اس نے روم و فارس کی ان تمام رسوم کو فنا کر دیا اور عجم و روم کے رسم و رواج کے خلاف صحیح اصولوں پر ایک نئے نظام کی بنیاد ڈالی۔

اس نظام میں فارس و روم کے فاسد نظام کی قباحت کو اس طرح ظاہر کیا گیا کہ معاشی زندگی کے ان تمام اسباب کو یک قلم حرام قرار دیا جو عوام و جمہور پر معاشی و تنبرز کا سبب بنتے اور مختلف عیش پسندیوں کی راہیں کھول کر حیات دنیوی میں بے جا انہماک کا باعث ہوتے ہیں۔ مثلاً مردوں کے لئے سونے چاندی کے زیورات اور حریر و دیبا کے نازک کپڑوں کا استعمال اور تمام انسانی نفوس کے لئے خواہ مرد ہو یا عورت ہر قسم کے چاندی اور سونے کے برتنوں کا استعمال اور عالیشان کوشکوں اور رفیع الشان محلات و قصور کی تعمیر اور مکانوں میں فضول زیبائش و نمائش وغیرہ کہ یہی فاسد نظام کے ابتدائی منازل اور معاشی نظام کی تباہی کا منشاء و مولد ہیں۔

بہرحال خدائے تعالیٰ نے اس ہستی کو اخلاق کریمانہ اور نیک نہادی کے لئے معیار اور طاہر و پاک امور کے لئے میزان بنادیا۔ [1]

اسی طرح "ارتفاقات" پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا منشاء اگرچہ بالذات عبادات الٰہی سے متعلق ہے مگر عبادات کے ساتھ ساتھ اس منشاء میں رسوم فاسد کو فنا کر کے اجتماعی زندگی میں بہترین نظام کا قیام بھی شامل ہے۔ اسی لئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔

| | |
|---|---|
| بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ | میں اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔ |

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۱۰۴

Marfat.com

اور اسی لئے اس مقدس ہستی کی تعلیم میں رہبانیت کو اخلاقی حیثیت نہیں دی گئی بلکہ انسانوں کے باہم اختلاط و اجتماع کی زندگی کو ترجیح دی گئی ہے لیکن اس اجتماعیت کا امتیاز یہ قرار دیا ہے کہ اس کے معاشی نظام میں نہ دولت و ثروت کو وہ حیثیت حاصل ہو جو عجمی پادشاہوں کے یہاں حاصل تھی اور نہ ایسی کیفیت ہو کہ تمدن سے بیزار دہقان اور وحشی لوگوں کی طرح ان کی معیشت ہو۔

پس اس مقام پر دو متعارض قیاس کام کر رہے ہیں ایک یہ کہ نظامِ معیشت میں دولت و ثروت ایک محبوب و محمود شے ہے اس لئے کہ اگر وہ صحیح اصول پر قائم ہے تو اس کی بدولت انسانوں کا دماغی توازن اعتدال پر رہتا ہے اور اس سے ان کے اخلاقِ کریمانہ صحیح اور درست رہتے ہیں، نیز انسان اس قابل بنتا ہے کہ دوسرے حیوانات سے ممتاز ہو، اس لئے کہ بیکسانہ اور مجبورانہ افلاس سوءِ تدبیر اور مزاج کے اختلال کا باعث ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ نظامِ معیشت میں دولت و ثروت ایک مبغوض چیز ہے جبکہ وہ باہمی مناقشات اور بغض و حسد کا سبب بنتی اور خود اہلِ دولت و ثروت کے اطمینانِ قلب کو تعب اور حریصانہ کدوکاوش کے زہر سے مسموم کرتی، اور قوموں کو استحصال بالجبر اور دوسروں پر معاشی دستبرد کے لئے آمادہ کرتی ہو کیونکہ اس صورت میں یہ بداخلاقی کے مرض میں مبتلا کر دیتی، آخرت اور یادِ الٰہی یعنی روحانی زندگی سے یکسر غافل و بے پروا بنا دیتی اور مظلوموں پر نت نئے مظالم کا دروازہ کھولتی ہے۔ لہٰذا پسندیدہ راہ یہ ہے کہ دولت و ثروت "نظامِ معیشت" میں ایسا درجہ رکھتی ہو جو توسط اور اعتدال پر قائم اور افراط و تفریط سے پاک ہو[1] اور یہ صحیح معاشی نظام کے بغیر ناممکن ہے۔"

پس اسلام نے اپنا یہ فرض اس طرح انجام دیا کہ اسود و احمر، عجم و عرب غرض تمام عالم

---

[1] مختصر از حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۰۵ و ۱۰۶۔

Marfat.com

کے لئے اپنے مکمل نظام (قرآن) میں "نظامِ اقتصادی" سے متعلق چند اصول اور اساسی قوانین بیان کردیے جو رہتی دنیا تک ہر "عقلِ سلیم" اور "فطرتِ مستقیم" کے نزدیک یکساں طور پر واجب العمل اور قابلِ قبول ہوں۔ اور اس کی تشریح و تفسیر میں دورِ نبوت و خلافتِ راشدہ نے وہ عدیم النظیر عملی پروگرام پیش کیا جس کے حسن و کمال کا اعتراف دوست اور دشمن دونوں نے یکساں طور پر کیا اور جو کتابی فن بننے کی جگہ اپنے مقصدِ وجود کے لحاظ سے ہر فردِ انسانی کی خوشحالی اور رفاہیت کا حامل ثابت ہوا۔

الحاصل اسلام کا پیش کردہ "اقتصادی نظام" جو آئندہ صفحات میں سپردِ قلم کیا جارہا ہے ان ہی اصولوں پر مبنی ہے جن کا داعی "قرآنِ عزیز" ہے اور جن کی شرح و تفسیر "احادیثِ رسول" اور "اسلامی فقہ" نے بیان کی ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ مناسب ہے کہ اول ان مبادیات کو بیان کردیا جائے جو ایک "صالح نظامِ معاشی" کے لئے "اصولِ موضوعہ" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور پھر اسلام کے "معاشی نظام" کی وضاحت کی جائے اور اس کے بعد اسلامی معاشی نظام کا دوسرے نظامہائے معاشی سے موازنہ کیا جائے تاکہ اصل حقیقت منقح اور روشن ہوجائے۔

Marfat.com

# اصولِ موضوعہ

کائناتِ ہست و بود میں "ایک صالح معاشی نظام" کی اس لئے ضرورت پیش آتی ہے کہ ہر ایک انسان میں یہ فطری جذبہ موجود ہے کہ اس کو خدائے تعالیٰ کی بخشی ہوئی زندگی سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ مگر یہ انفرادی جذبہ جب زندگی کی کشمکش اور وسائلِ حیات کی کشاکش میں ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے تو قانونِ فطرت "جو کہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے تمام کائنات پر حاوی ہے" ہر ایک انسان کو اجتماعی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتا ہے لیکن یہ حیاتِ اجتماعی بغیر کسی ایسے نظام کے متصور نہیں ہو سکتی جب تک ان کے درمیان ایسا تعاون و اشتراک موجود نہ ہو جس کی بنیاد عدل اور حقِ معیشت کی مساوات پر قائم ہو، تاکہ وہ "صالح معاشی نظام" کے لئے کلید بن سکے۔ اور اس قسم کا تعاون و اشتراک جب ہی عالمِ وجود میں آ سکتا ہے کہ نظامِ معاشیات میں حسبِ ذیل اصول کارفرما ہوں۔

(۱) وہ "نظام" ہر متعلقہ فرد کی معاشی زندگی کا کفیل ہو اور اپنے دائرۂ عمل میں کسی بھی فرد کو معاشی زندگی سے محروم نہ رکھتا ہو۔

(۲) ایسے اسباب و وسائل کا قلع قمع کرتا ہو جو معاشی دستبرد کا موقعہ مہیا کر کے افرادِ انسانی کے درمیان ظلم و استبداد کی راہیں کھولتے اور معاشی نظام کے فساد کا موجب بنتے ہوں۔

(۳) دولت اور اسبابِ دولت کو کسی خاص فرد یا محدود جماعت کے اندر سمٹ آنے اور اس فرد یا جماعت کو نظامِ معیشت پر قابض و مسلط ہونے سے باز رکھتا ہو تاکہ معاشی نظام تمام کائناتِ انسانی کی فلاح کی بجائے مخصوص طبقوں کے اغراض کا آلۂ کار بن کر نہ رہ جائے۔

Marfat.com

(۴) محنت اور سرمایہ کے درمیان صحیح توازن قائم کرتا اور ایک کو دوسرے کی حدود پر غاصبانہ دستبرد سے بچاتا ہو۔

معاشیات کے جدید نظریے

ان اصولوں پر تفصیلی نظر ڈالنے سے قبل یہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ موجودہ علمی دور میں "علم معاشیات" کے متعلق جو موشگافیاں کی گئی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ معاشیات پر جن نقطہ ہائے نظر سے بحث کیا جانا ممکن ہے وہ تین ہیں "مابعد الطبیعاتی علمی نقطۂ نظر" "طبیعاتی علمی نقطۂ نظر" اور "تمدنی نقطۂ نظر" اور علماءِ معاشیات ان کو حسب ترتیب معیاری نقطۂ نظر، ترتیبی نقطۂ نظر اور افہامی نقطۂ نظر سے تعبیر کرتے ہیں۔ "معاشیاتِ معیاری" کسے کہتے ہیں اس کو معاشیاتی علوم کے ایک بڑے ماہر کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں:-

معاشیاتِ معیاری کا مقصد معیشت موجودہ کی تشریح اور توجیہ نہیں بلکہ "معیشتِ صحیحہ" کا پتہ چلانا ہے وہ محض یہ معلوم کرنے پر قانع نہیں کہ معاشی کل کے پرزے کیسے کام کرتے ہیں بلکہ وہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ معاشی کل ہونی کیسی چاہئے؟ ۔۔۔۔

معاشیاتِ معیاری کا مطمحِ نظر بہت بلند ہے وہ تو مقاصدِ معاشی کی تعیین کرنا چاہتی ہے اور اس تعیین مقاصد کو وہ "علم" کا کام بتاتی ہے وہ ان ازلی اور ابدی قوانین کے انکشاف کو اپنا فریضۂ علمی جانتی ہے جو سارے عالمِ اخلاقی میں رائج ہیں اور جن کے زیرِ فرمان معیشتِ انسانی کا علاقہ بھی ہے ان کا مقصدِ تلاش اور مطلوبِ جستجو معیشتِ صحیحہ ہے۔ یعنی وہ معیشت، جو مقصدِ حیاتِ انسانی اور مقصدِ کائنات کے مطابق اور ان سے ہم آہنگ ہو۔ یہی "معیشتِ صحیحہ و صالحہ" ان معیاریوں کا مرکزی تصور ہے جس سے دوسرے تمام مسائل مثلاً "مناسب اور صحیح اجرت" "مناسب اور صحیح قیمت" "مناسب اور صحیح تقسیمِ دولت" "سود کا جواز و عدم جواز" خود بخود طے ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔

ان کے نظام میں قدرِ اعلیٰ معیشتِ صحیحہ ہے۔ باقی سب اس سے ادنیٰ اور اس کے ماتحت قدریں ہیں۔ معاشیات کا کام یہ ہے کہ اس قدرِ اعلیٰ کا پتہ چلائے، ماتحت

Marfat.com

قدروں کی اس سے مناسب و مطابق تشکیلات کو معلوم کرے اور جو معاشی ادارے واقعی موجود ہیں ان کو اس معیار پر پرکھ کر ان کے کھرے کھوٹے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کرے"[1]

"ترتیبی معاشیات" علم طبیعات کی ایک شاخ ہے جو علوم طبیعی کی اساس و بنیاد پر اپنی عمارت استوار کرتی ہے۔ مگر عملی زندگی میں اس کی قدر و اہمیت کے اعتراف کے باوجود اس کا سنگ بنیاد کیا ہے؟ وہ محترم مصنف کے اس پارۂ بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

ان تینوں گروہوں (معروضیے۔ موضوعیے۔ ریاضیاتی) میں مشترک یہ ہے کہ سب کے سب فلسفہ کے مقابلہ میں "علم" کے حامی ہیں، یعنی جو کچھ ہے اس سے بحث کرنا چاہتے ہیں جو ہونا چاہئے اس سے سروکار نہیں رکھتے، تمام مافوق التجربہ اور مابعد الطبیعی عناصر سے اپنے "علم" کو پاک اور صاف رکھنا چاہتے ہیں اور معاشیات میں اخلاقی احکام کے سختی سے مخالف ہیں . . . . . . . . . . . .

ان سب کے نزدیک علوم طبیعی زیادہ مکمل علوم ہیں، انھیں سے تمام دوسرے علوم میں خصوصاً معاشیات میں نمونہ کا کام لینا چاہئے۔ لہذا ترتیبی معاشیات کا مقصد یہ ہے کہ "قوانین" مرتب کرے تاکہ ہر منفرد مظہر معاشی کو کسی قانون کے تحت میں بہ حیثیت ایک مخصوص دفعہ کے لایا جاسکے کہ یہی ان کے نزدیک نظری علم کی کل کائنات ہے۔[2]

علم المعیشت کے مشاہیر علماء یورپ اسی نظریے کے حامی ہیں مثلاً جان اسٹارٹ مل (Jhon Stwal mil) کارل منگر (Carl minger) کارل مارکس (Carl marx) پریٹو (Parito) وغیرہ۔

"افہامی معاشیات" کو علم تمدن کا ایک جز سمجھنا چاہئے اور تمدن سے بھی وہ تمدن مراد ہے جو انسان ہی کا تمام ساختہ پرداختہ ہے اس لئے کہ افہام کی بنیاد و اساس اس اصول پر قائم ہے کہ ہم جنس ہی کے لئے ہم جنس کا سمجھنا ممکن ہے چنانچہ اس کی تعبیریں کی جاتی ہے۔

---

[1] معاشیات، مقاصد اور مناہج از ڈاکٹر ذاکر حسین ص ۱۰ - ۱۱ [2] ایضاً ص ۵۷ -

Marfat.com

"افہام کا یہ نظریۂ علم ان بنیادی افکار پر مبنی ہے کہ ہم جنس کا علم یعنی ہم جنس کا سمجھنا ہم جنس ہی کے لئے ممکن ہے اور یہ کہ ہم پورے طور پر اور ہر پہلو سے اس چیز کو جان سکتے، سمجھ سکتے ہیں جسے ہم خود بنا بھی سکیں۔ مظاہرِ تمدن کے فہم کی کوشش میں چونکہ مدرک بھی ذہنی ہے اور مدرک بھی تشکیلِ ذہنی، اس لئے دونوں ہم جنس ہیں اور اس لئے پورا علم ممکن ہے پھر سارا تمدن آدمی کا ساختہ پرداختہ ہے، اسی نے اسے بنایا ہے اس لئے یہ اُسے سمجھ سکتا ہے، قدرت چونکہ ذہنِ انسانی کی خارجی شکل نہیں ہے بلکہ امرِ الٰہی کی خارجی تشکیل ہے، قدرت انسان کی ساختہ پرداختہ بھی نہیں اس لئے قدرت کا سمجھنا، قدرت کا پورا پورا حقیقی علم ذہنِ انسانی کے لئے ممکن نہیں ہے ......
لیکن معاشیاتِ افہامی چونکہ صرف تمدن کے ایک ٹکڑے کو سمجھنا چاہتی ہے، متمدن زندگی یا انسانی زندگی کے مقصود و منشاءِ مضمر کا پتہ چلانا نہیں چاہتی .......
اسی لئے افہامی معاشیات فلسفہ یا مابعد الطبیعات یا مذہب نہیں بلکہ سیدھا سادہ تجربی، جماعتی، تمدنی علم ہے۔[۱]

یہ ہیں علم المعیشت کے وہ نظریے جو موجودہ دور میں اس تمدنی علم کے مایۂ ناز سمجھے جاتے اور اس کو ایک "علم و فن" کی حیثیت بخشتے ہیں۔

**اسلامی نظریۂ معاشی اور جدید نظریے** لیکن اسلامی "نظامِ معیشت" کی حدود ان نظریوں سے زیادہ وسیع اور اس کی پروازِ فکر ان سے کہیں زیادہ بلند ہے وہ "جیسا کہ گذشتہ سطور میں کہا جا چکا اور آئندہ تفصیلی طور پر آئے گا" اپنے معیاری نقطۂ نظر میں اُن تمام افکار کا بھی حامل ہے جن کا ذکر مقالہ[۲] میں موجود ہے اور ان سے وسیع تر افکار کو بھی اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ اسی طرح وہ افہامی نقطۂ نظر سے بہت زیادہ وقیع اور بہت زیادہ نافع نظامِ عمل کا بانی اور موسس ہے۔

---

[۱] معاشیات، مقصد و منہاج ص ۷۹ - ۸۰ از ڈاکٹر ذاکر حسین۔

مثلاً جبکہ "معیاری معاشیات" کا اساسی تصور "معیشتِ صالحہ" کا تصور ہے تو گذشتہ سطور میں اسلامی نظامِ معاشی میں "معیشتِ صالحہ" کی جو تشریح کی گئی ہے کیا اس سے بڑھکر معیشت کے صالح ہونے کا تصور کسی بھی معاشی نظام میں موجود ہے اور کسی معاشی نظام کا نظریۂ فکر اس معراج اور رفعت پر پہنچا ہے کہ وہ "معاشی نظام" کی غرض و غایت صرف رفع حاجات و احتیاجات کے وسائل کی درمیانی خلیج کو پُر کرنا ہی قرار نہ دیتا ہو بلکہ اس کو ذریعہ بناتا ہو اقوام کی باہمی اخوت و ہمدردی اور مساوات و مواسات کا وسیلہ قرار دیتا ہو اخلاقی رفعت اور ابدی سعادت کے حصول کا؟

اور جبکہ "الہامی معاشیات" کا نقطۂ نظر، نظر اور فکر کی جگہ موجودہ عملی معاشیات کا محور و مرکز ہے اور تمدن کے اس شعبہ کو جماعتی، تمدنی اور تجربیاتی حیثیت سے بروئے کار لاتا ہے تو آئندہ صفحات اس امر کی شہادت دیں گے کہ تمدن کے اس ٹکڑے کو جس طرح اسلامی "علم المعیشت" نے سلجھایا اور اس کو طبقاتی جنگ اور سرمایہ داری کے غلبہ دونوں سے جدا رہ کر جس طرح عملی کسوٹی پر کسا اور تجربیاتی خراد پر اتارا اس سے بہتر اس آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر دوسرا کوئی نظامِ عمل نظر نہیں آتا۔

رہا "ترتیبی معاشیات کا نظریہ" تو وہ اپنی فلسفیانہ اور طبیعاتی نقطۂ نظر کے اعتبار سے اسلامی نظریۂ معاشیات سے بالکل جدا بلکہ متضاد ہے البتہ اس کے باوجود بھی اس کے چند جزوی پہلو جو اس نظریہ کی پابندی سے الگ اپنی جگہ مستقل ہونے کی حیثیت سے اپنے اندر بعض خوبیاں رکھتے ہیں تو اسلام کا نظامِ معاشی ان خوبیوں سے بھی خالی نہیں ہے۔

مثلاً جبکہ معاشی نقطۂ نظر میں سب سے پہلا معاملہ ان اعمال سے وابستہ ہے جو رفعِ حاجات کے وسائل کی درمیانی خلیج کو پاٹتے ہیں تو خواہ کسی اسلوب سے بھی ہوں ان اعمال میں نقص و کمال اور تنزل و ترقی کا ہونا لازمی ہے اور یہی سبب بن جاتا ہے ایک ایسے فلسفہ کا جو ترتیبی درجات پر بحث کرتا اور ان کے نقص و کمال کو واضح کرتا ہے اور یہ اسلامی معاشیات

Marfat.com

ہے اگرچہ کوئی خاص فن کی حیثیت نہیں رکھتا۔ تاہم حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ نے اس پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے اس کو "ارتفاقات" کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور اس کے مختلف درجات قائم کئے ہیں اور ان کو علمی معاشی نظام "تدبیرِ منزل" اور "سیاستِ مُدُن" وغیرہ کے لئے ذریعہ اور وسیلہ کی حیثیت دی ہے۔ پس موجودہ علم المعیشت کے یہ نظریے ایک علم و فن کی حیثیت سے "اسلامی معاشیات" میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے اور وہ اس قسم کی فنی اور علمی کاوشوں کے مقابلہ میں ایسے اصول اور ان اصول کے ماتحت ایسے عملی نظام کا داعی ہے جو انسانوں کی عام رفاہیت، خوشحالی اور ان کے امن و اطمینان کے لئے آلہ کار بنیں اور معاشی راہ سے انسانوں کے درمیان غالب و مغلوب اور ظالم و مظلوم کی تقسیم کیلئے مانع ہوں۔

تجربہ اس بات کا شاہد ہے کہ "جدید علمی دور" میں منجملہ دیگر علوم و فنون کے "علم المعیشت" کو بھی بڑی حد تک ایک علم و فن کی حیثیت حاصل ہے اور بڑے بڑے علماء یورپ و ایشیاء نے اس پر ضخیم تصانیف پیش کی ہیں لیکن اس تمام این و آں اور چنیں و چناں کے باوجود "علم المعیشت" کا اصل مقصد یعنی عام رفاہیت و خوشحالی آج تک عنقا بنی ہوئی ہے اور دولت و ذرائع دولت سب سمٹ کر ایک مخصوص طبقہ کے ہاتھ میں اس طرح آ گئے ہیں کہ عام انسانی آبادی کے لئے زندگی "موت" سے زیادہ بھیانک بن گئی ہے۔ بخلاف اس دور (دورِ نبوت و خلافتِ راشدہ) کے کہ وہاں معیشت کی یہ علمی اور فنی موشگافیاں اگرچہ عنقا تھیں مگر عام خوشحالی اور رفاہیت کا یہ عالم تھا کہ بلالحاظ مسلم و کافر، مومن و مشرک، مرد و عورت، صغیر و کبیر اور اجیر و مستاجر سب ہی امن و اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے اور معیشت میں فارغ البال تھے۔ اور تاریخ اس بات کا مواد فراہم کرتی ہے کہ اس دور میں ایک وقت مملکتِ اسلامیہ کے اندر ایسا آیا ہے کہ لوگ صدقات کے مال کو لئے پھرتے تھے مگر اس کا قبول کرنے والا ہاتھ نہ آتا تھا۔ [1]

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۶۴

Marfat.com

معاشی نظام کا منشار

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ دنیا میں کوئی کام بغیر کسی منشار اور محرک کے وجود پذیر نہیں ہوتا اور ہر عمل کی پشت پر ایک خاص ذہنیت کارفرما ہوتی ہے پس کسی "معاشی نظام" کے صالح اور فاسد ہونے کا معیار بھی اس کے محرکات اور اس کے منشار کے صالح اور فاسد ہونے پر موقوف ہے سو اگر اس کی پشت پر فاسد ذہنیت کام کر رہی ہے اور اس کے محرکات سرتاسر فساد ہیں تو بلاشبہ وہ نظام "فاسد نظام" ہے اور اگر اس کی پشت پناہی ایک صالح ذہنیت کر رہی ہے اور اس کے تمام تر محرکات صالح اور اس کا منشار خیر ہی خیر ہے تو اس نظام کے صالح ہونے میں پھر کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

اس اصول کے پیشِ نظر جب ہم "معاشی نظام" پر گہری نظر ڈالتے اور فکرِ عمیق سے کام لیکر جانچتے ہیں تو اس کے محرکات و منشار یا اس سے متعلق ذہنیت کو صرف دو صورتوں میں محدود پاتے ہیں۔ ایک یہ کہ "معاشی نظام" کو اس لئے قائم کیا جائے کہ اس کے ذریعہ سے زیادہ سے زیادہ نفع کمایا جائے اور اس کو لین دین اور سودے کی اسپرٹ میں رکھا جائے تا کہ "ھل من مزید" کا نعرۂ نفع بازی اور فائدہ طلبی کسی حد پر بھی جاکر ختم نہ ہو سکے۔

یہ نظریہ "سرمایہ دارانہ نظام" کا بانی اور موسس ہے اور اسی کے زیرِ اثر یہ نظام پھلتا پھولتا ہے۔ "فورڈ کمپنی" کا مالک کروڑ پتی اور ارب پتی ہونے کے باوجود بھی مارکیٹ میں ترقی اور منافع ہی کا خواہشمند رہتا ہے کیونکہ وہ "معاشی نظام" کے جس ماحول میں جدوجہد کر رہا ہے اس کی بنیاد زیادہ سے زیادہ نفع کمانے اور سودے بازی پر قائم ہے اور یہ صرف اربابِ دولت و ثروت ہی کو اور زیادہ بلند کرتا اور باقی تمام انسانی آبادی کو افلاس و احتیاج سے دوچار کرتا ہے، یہاں رفعِ حاجات و تکمیلِ ضروریات کے محرکات کام نہیں کرتے جو عام رفاہیت کو انجام لائیں اور خوشحالی کو بحال کریں۔

دوسرے یہ کہ "معاشی نظام" کا محرک اور منشار نفع بازی نہ ہو بلکہ ضروریاتِ زندگی کی تکمیل اور رفعِ حاجات ہو اور اس کے منصۂ شہود پر لانے کے لئے صرف یہ ذہنیت کام

Marfat.com

کررہی ہو کہ انفرادی و اجتماعی احتیاجات کو پورا کیا جائے نہ کہ زیادہ سے زیادہ نفع کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

"معاشی نظام" کے ان ہر دو محرکات یا ہر دو ذہنیتوں میں سے اسلام ایک ایسے "معاشی نظام" کا بانی اور موسس ہے کہ جس کی بنیاد صرف کائناتِ انسانی کی رفع حاجات و ضروریات اور انفرادی و اجتماعی احتیاجات کی تکمیل پر قائم ہے۔ وہ معاشیات کو دولتمندوں کے درمیان نفع کی دوڑ کا میدان نہیں بنانا چاہتا بلکہ رفع حاجات و تکمیلِ ضروریات کے لئے ایک مفید اور نفع بخش ذریعہ بنا کر اس کی افادیت کو عام کرنا چاہتا ہے۔

(گویا اس نظامِ معیشت میں) بلاشبہ زیادہ سے زیادہ کمانے والے افراد موجود ہوں گے کیونکہ سعی و کسب کے بغیر کوئی مومن زندہ ہی نہیں رہ سکتا، لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائیگا، اتنا ہی زیادہ انفاق پر مجبور بھی ہوگا اور اس لئے افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائے گی اتنی ہی زیادہ جماعت بہ حیثیت جماعت کے خوشحال ہوتی جائے گی، قابل اور مستعد افراد زیادہ سے زیادہ کمائیں گے۔ لیکن صرف اپنے ہی لئے نہیں کمائیں گے تمام افرادِ قوم کے لئے کمائیں گے، یہ صورت پیدا نہ ہو سکے گی کہ ایک طبقہ کی کمائی دوسرے طبقوں کے لئے محتاجی و مفلسی کا پیام ہو جائے جیسا کہ اب عام طور پر ہو رہا ہے۔ [۱]

اس تمام تر تفصیل کے بعد اب غور کیجئے کہ جس "معاشی نظام" کے کل پُرزے اس طرح ڈھالے گئے ہوں اور اس کا نشوونما اور اس کی ترقی ایسے ترتیبی اجزاء پر قائم ہو جو صرف طبیعات ہی تک آ کر نہ ٹھہر جائیں بلکہ اخلاقی اور مذہبی محاسن کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے مذہب اور دستورِ الٰہی کے زیرِ فرمان عالمِ وجود میں آئیں اور اس کے محرک فلاح دارین اور سعادتِ کائنات کے وہ اصول ہوں جن میں معاشیات، رفع حاجات اور تکمیلِ ضروریات

---

[۱] ترجمان القرآن مولانا ابوالکلام ج ۲ ص ۱۳۲۔

کے لئے ہو نہ کہ زیادہ سے زیادہ سودا بازی اور نفع طلبی کے لئے تو ایسے صالح اور صحیح نظامِ معاشی کا وجود بلاشبہ دنیا کے لئے پیامِ رحمت اور دعوتِ امن و سلامتی ہے۔

الحاصل "اسلامی معاشی نظام" ایسا بہتر نظام ہے جو اپنے اندر "علم المعیشت" کے قدیم وجدید نظامہائے مذہبی و عقلی کے تمام محاسن سموئے ہوئے ہے اور اس سے بھی زیادہ خوبیوں کا مالک ہے اور ان کے معائب و نقائص سے یکسر خالی بلکہ ان کے مسموم اثرات کا بے نظیر تریاق ہے۔ اور ان تمام محاسن کے علاوہ اس کو یہ برتری حاصل ہے کہ وہ انسانوں کے دماغ کی اختراع نہیں ہے کہ جس کی بنیاد انتقام یا طبقاتی منافرت جیسی خام کاریوں پر رکھی گئی ہو بلکہ وہ نظامِ کائنات کے خالق کا بنایا ہوا نظام ہے۔

Marfat.com

# اصول معاشیات قرآنِ عزیز کی روشنی میں

یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ قرآنِ عزیز نے اپنی اساسی روش کے مطابق عبادات، معاشرتی معاملات، سیاسیات، اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح معاشیات میں بھی صرف اساسی اصول اور معجزانہ اختصار کے ساتھ اصول وکلیات کا ہی ذکر کیا ہے اور ان کی تفصیلات وتشریحات کو ارشادِ نبوی (احادیث) اور ان سے مستنبط احکام (فقہ) کے حوالہ کر دیا ہے۔

**حقِ معیشت میں مساوات**

معاشیات سے متعلق قرآنِ عزیز نے جن اساسی اصول کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں:۔

(۱) رزق اور معاش کا حقیقی تعلق صرف ذاتِ الٰہی سے وابستہ ہے اور وہی ہر فرد کا کفیل ہے اور اگرچہ اس کی مصلحتِ عام اور حکمتِ تام کا تقاضہ یہ ہے کہ دنیا کے اس متنوع ماحول میں رزق کے اندر تفاوتِ درجات پایا جائے۔ لیکن امارت وغربت کے فطری تنوع کے باوجود یہاں ایک فرد بھی محروم المعیشت نہ رہنے پائے۔ کیونکہ اس نے حقِ معیشت کو سب کے لئے مساوی اور برابر رکھا ہے اور کسی کو بھی اس حقِ مساوات میں دخل انداز ہونے کا حق عطا نہیں فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہر فرد کی معاشی زندگی کا کفیل ہے اور اس کا وعدہ ہے کہ زمین پر چلنے والے ہر ایک جاندار کی معیشت اس کے ذمہ ہے اس کے لئے حسبِ ذیل نصوص قابلِ مطالعہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ (ہود) | اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ میں لی ہے۔ |
| وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا | اور تمہارا رزق اور جس شے کا تم وعدہ دیئے گئے ہو |

Marfat.com

| | |
|---|---|
| تُوعَدُونَ (الذاریات) | آسمان میں (یعنی اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں) ہے۔ |
| لَاتَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ | اور افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو نہ مار ڈالا کرو |
| نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (انعام) | ہم ہی تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور انھیں بھی۔ |
| وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ | اور آسمان اور زمین سے تم کو روزی کون پہنچاتا ہے؟ |
| ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ (نمل) | کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ |
| اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ | بیشک اللہ تعالیٰ ہی روزی دینے والا ہے۔ |
| الْمَتِيْنُ ٥ (الذاریات) | بڑی مضبوط قوت والا ہے۔ |
| وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ | اور ہم نے تمہارے لیے زمین میں معیشت کے سامان |
| لَّسْتُمْ لَهٗ بِرَازِقِيْنَ (الحجر) | بنا دیے اور ان کے لیے جن کو تم روزی نہیں دیتے |
| هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ | وہ (خدا) وہ ذاتِ پاک ہے جس نے تمہارے لیے |
| جَمِيْعًا (بقرہ) | وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے۔ |

ان آیات میں بغیر کسی تخصیص کے ہر فردِ بشر کو خطاب ہے اور ان کی روح یہ ہے کہ معیشت واسبابِ معیشت، خدائے تعالیٰ کے خزانۂ عامرہ کی ایسی عطا و بخشش ہے کہ جس سے فائدہ اٹھانے کا ہر جاندار کو برابر کا حق ہے۔

اور ان آیات کی اس روح کی زیادہ وضاحت و صراحت حسبِ ذیل آیات کرتی ہیں۔

| | |
|---|---|
| وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا | اور رکھے اس زمین میں بوجھل پہاڑ اس (کی پیٹھ) پر اور |
| وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا | برکت رکھی اس کے اندر اور چار دن میں اندازہ سے رکھیں |
| فِيْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً | اس میں اس کی خوراکیں جو برابر ہیں (بلحاظ طلب معیشت) |
| لِّلسَّآئِلِيْنَ (حم سجدہ) | سب حاجتمندوں کے لئے۔[1] |
| وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ | اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق |

[1] روح المعانی ج ۲۴، البحر المحیط ج ۷ ص ۴۸۶۔

وقال ابن زید و جماعۃ معناہ مستویۃ امر ھذہ المخلوقات ونفعھا للمحتاجین۔ الیھا من البشر فعبر بالسائلین عن الطالبین۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا | میں برتری دی ہے پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جن کو زیادہ |
| بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا | روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی کو اپنے زیر دستوں یا |
| مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ | لونڈیوں کہ اس روزی ........ میں وہ سب کے سب |
| اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ | برابر ہو جائیں پھر کیا یہ اللہ کی نعمتوں کے صریح |
| (نحل) | منکر نہیں ہو رہے ہیں [1] |

ان آیات میں حقِّ معیشت کی مساوات کا جس قدر صاف اور صریح اعلان ہے وہ آپ اپنی مثال ہے اور اس کا انکار بداہت وصراحت کا انکار ہے۔

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب ‏ گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم ‏ تو کہ با دشمناں نظر داری

لیکن اب سوال یہ ہے کہ منشاءِ الٰہی کے اس مقصدِ عظیم کو پورا کون کرے اور اس عالمِ اسباب میں اس کی تکمیل کس کے ذمہ واجب ہے؟ تو اسلام کے نظام کا مکمل نقشہ جن نگاہوں کے سامنے ہے وہ بآسانی یہ جواب دے سکتے ہیں کہ اس "عالمِ تشریع" میں یہ فریضہ نائبِ الٰہی "خلیفہ" پر عائد ہوتا ہے کہ قلمروِ اسلامی میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ہونا چاہئے جو حقِّ معیشت سے محروم ہو اور نہ کسی کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ حقِ معیشت میں دراندازی بن سکے۔ اور جو حکومت اس منشاءِ الٰہی کو پورا نہیں کرتی وہ "فاسد نظام" کی حامل اور نظامِ عادل سے منحرف ہے چنانچہ بقرہ کی اس آیت "ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا" کی تفسیر کرتے ہوئے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب (نور اللہ مرقدہ) ارشاد فرماتے ہیں۔

جملہ اشیاءِ عالم بدلیل فرمان واجب الاذعان "خلق لکم ما فی الارض جمیعا" تمام بنی آدم کی مملوک معلوم ہوتی ہیں یعنی غرضِ خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے رفعِ حوائجِ جملۂ ناس (انسان) ہے۔ اور کوئی شے فی حدذاتہ کسی کی مملوک خاص نہیں

[1] روح المعانی ج ۱۴۔ البحر المحیط جزء ۵ سورۂ النحل و تفسیر فتح القدیر ج ۳ اس آیت کے ایک معنی یہی کے جاتے ہیں وجوزان یکون معنی الآیۃ ان اللہ تعالیٰ فضل بعضا علی بعض فی الرزق وان المفضلین لا یردون من رزقھم علی من دونھم شیئا وانما انا رازقھم فالمالک والمملوک فی اصل الرزق سواء وان ... بشر مثلکم واخوانکم وکان ینبغی ان تردوا فضل ما رزقتموہ علیھم حتی تساووا فی الملبس والمطعم کما یحکی عن ابی ذر رضی اللہ عنہ الخ (روح المعانی ج ۱۴) ——— (افبنعمۃ اللہ یجحدون) ویکون المعنی علی ... تقاوتہا کما و کیفا ——— واختار فی الکشاف ان المعنی انہ سبحانہ جعلکم متفاوتین فی الرزق فرزقکم افضل رزق مما یکم وھم ... الخطاب ان المالکین لیسوا برادی رزقھم علی ممالیکھم بل انا الذی ارزقھم وایاھم فلا یظنوا انھم یعطونھم شیئا ...

بلکہ ہر شے اصل خلقت میں جملۂ ناس میں مشترک ہے اور من وجہ سب کی مملوک ہے
ہاں بوجہ رفع نزاع وحصولِ انتفاع قبضہ کو علتِ ملک مقرر کیا گیا اور جب تلک
کسی شے پر ایک شخص کا قبضۂ تامہ مستقلہ باقی رہا اسوقت تک کوئی اور اس میں
دست درازی نہیں کر سکتا۔ ہاں خود مالک و قابض کو چاہئے کہ اپنی حاجت سے
زاید پر قبضہ نہ رکھے بلکہ اس کو اوروں کے حوالہ کر دے کیونکہ باعتبار اصل اوروں
کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مالِ کثیر حاجت سے
بالکل زائد جمع رکھنا بہتر نہ ہوا گو زکوٰۃ بھی ادا کر دی جائے اور انبیاء وصلحاء اس سے
نہایت مجتنب رہے چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے بلکہ بعض صحابہؓ و
تابعین وغیرہ نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرما دیا۔ بہر کیف غیر مناسب خلافِ
اولیٰ ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ زائد علی الحاجت سے
اس کی تو کوئی غرض متعلق نہیں اور اوروں کی ملک "من وجہ" اس میں موجود۔ تو گویا
شخصِ مذکور من وجہ مالِ غیر پر قابض ومتصرف ہے اور اس کا حال بعینہ مالِ غنیمت
کا سا تصور کرنا چاہئے وہاں بھی قبل تقسیم یہی قصہ ہے کہ کل مالِ غنیمت تمام مجاہدین
کا مملوک سمجھا جاتا ہے مگر بوجہ ضرورت وحصول انتفاع" بقدر حاجت" ہر کوئی مال
مذکور سے منتفع ہو سکتا ہے' ہاں حاجت سے زائد جو رکھنا چاہے اس کا حال آپ کو
بھی معلوم ہے کہ کیا ہونا چاہئے (یعنی خائن شمار ہوگا)" [۱]

اور مشہور محدث ابنِ حزم ظاہری نے اس سلسلہ میں محلّی میں جو روایات نقل کی
ہیں وہ بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔

| | |
|---|---|
| عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا |

[۱] ایضاح الادلہ ص ۲۶۸۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| قال: من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له، ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له قال: فذكر من اصناف المال ما ذكر، حتى رأينا انه لا حق لاحد منا في فضل۔ | جس شخص کے پاس قوت وطاقت کے سامان اپنی حاجت سے زائد ہوں اس کو چاہئے کہ اس فاضل سامان کو کمزور کو دیدے اور جس شخص کے پاس سامانِ خورد ونوش حاجت سے زائد ہو اس کو چاہئے کہ فاضل سامان نادار اور حاجتمند کو دیدے" ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح مختلف انواعِ مال کا ذکر فرماتے رہے حتی کہ ہم نے یہ گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو |
| (محلی ج ۶ ص ۱۵۷ - ۱۵۸) | اپنے فاضل مال پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں ہے۔ |
| قال عمر بن الخطاب لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول اموال الاغنياء فقسمتها على فقراء المهاجرين [۱] | حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس بات کا مجھے آج اندازہ ہوا ہے اگر اس کا پہلے سے اندازہ ہو جاتا تو میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور بلا شبہ اربابِ ثروت کی فاضل دولت لیکر فقراءِ مہاجرین میں بانٹ دیتا۔ |
| وصح عن عبيدة بن الجراح وثلث مائة من الصحابة (رضی اللہ عنہم) ان زادهم فنى فامرهم ابو عبيدة فجمعوا ازوادهم في مزودين و | حضرت ابو عبیدہ اور تین سو صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے متعلق یہ روایت صحت کو پہنچ چکی ہے کہ (ایک موقعہ پر) ان کا سامانِ خورد ونوش ختم کے قریب آ لگا پس حضرت ابو عبیدہ (رضی اللہ عنہ) نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جس قدر موجود ہے وہ حاضر کر |

[۱] ابنِ حزم اس روایت کی سند پر حکم لگاتے ہوئے فرماتے ہیں "وهذا اسناد فى غاية الصحة والجلالة" اور یہ سند نہایت صحیح اور پُر از جلالت ہے (محلی ابنِ حزم ج ۶ ص ۱۵۸)

| | |
|---|---|
| جعل يقوتهم اياها على السواء ۔ <sup></sup>[1] | اور پھر سب کو یکجا جمع کرکے ان سب میں برابر تقسیم کرکے سب کی قوت لایموت کا سامان کر دیا۔" |
| عن محمد بن على انه سمع على بن ابيطالب يقول: ان الله تعالىٰ فرض على الاغنياء فى اقواتهم بقدر ما يكفى فقراء هم، فان جاعوا او عروا وجهدوا فبمنع الاغنياء وحق على الله تعالىٰ ان يحاسبهم يوم القيٰمة و يعذبهم عليه ۔ [2] | حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ دولت کے اموال پر ان کے غریبوں کی معاشی حاجت کو بدرجۂ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے پس اگر وہ بھوکے ننگے یا معاشی مصائب میں مبتلا ہوں گے وہ محض اس لئے کہ اہلِ ثروت اپنا حق ادا نہیں کرتے اور اس لئے اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن اس کی بازپرس کریگا اور اس کوتاہی پر ان کو عذاب دیگا |

یہ اور اسی قسم کی دوسری احادیث اور آیاتِ قرآنی کو دلیل میں پیش کرتے ہوئے مشہور محدث ابنِ حزم ظاہریؒ یہ مسئلہ تحریر فرماتے ہیں۔

اور ہر ایک بستی کے اربابِ دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر مالِ فَے (بیت المال کی آمدنی) ان غرباء کی معاشی کفالت کو پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان (امیر) ان اربابِ دولت کو اس کفالت کے لئے مجبور کر سکتا ہے (یعنی ان کے فاضل مال سے بہ جبر لیکر فقراء کی ضروریات میں صرف کر سکتا ہے) اور ان کی زندگی کے اسباب کے لئے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لئے گرمی اور سردی دونوں موسم کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لئے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور سیلاب جیسے امور سے محفوظ رکھ سکے ۔ [3]

---

[1] محلیٰ ج ۶ ص ۱۵۸ - [2] ایضاً - [3] محلی ج ۶ ص ۱۵۶ مسئلہ ۷۲۵ -

اور حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) کی روایت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"اس بات پر صحابہؓ کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بھوکا، ننگا یا ضروریاتِ رہائش سے محروم ہے تو مالدار کے فاضل مال سے اس کی کفالت کرنا فرض ہے۔" ؎۱

اب ان تمام نصوصِ قرآنی اور ان کی مؤید احادیث و فقہی روایات کو سامنے رکھ کر بنظرِ انصاف غور فرمائیے کہ "اسلام کا معاشی نظام" حقِ معیشت کی مساوات" کا کس طرح صاف اور واضح اعلان کرتا اور امیرِ اسلام کے اختیارات میں وسعت دے کر اس کی حفاظت کے لئے کس قدر عادلانہ دستور قائم کرتا ہے؟

**ایک شبہ کا جواب**

جو دماغ اسلامی نظام کے حقائق سے ناآشنا اور موجودہ فاسد نظام ہی کو "کہ جس میں امارت و غربت کا قابلِ نفرت حد تک تفاوت نظر آتا ہے" اسلامی نظام سمجھتے ہیں ان کے لئے یہ باتیں بلاشبہ حیرت زا ہیں اور ان میں سے بعض تو اس غلط فہمی میں بتلا ہیں کہ یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے منشاءِ الٰہی کے خلاف ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے جب خود ہی لاکھوں، کروڑوں انسانوں کو محروم المعیشت پیدا کیا ہے اور غربت و امارت کا یہ فرق بھی کہ ایک کروڑ پتی ہے اور دوسرا نانِ جویں سے بھی محروم" اسی کا بنایا ہوا ہے تو پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ حقِ معیشت میں تمام افرادِ انسانی مساوی ہیں اور یہ کہ کوئی فرد اس کائنات میں محروم المعیشت نہ رہے۔

اور بعض اس گمراہی میں ہیں کہ یہ جو کچھ کہا گیا ہے اسلامی نظام کو ہمہ گیر ثابت کرنے کے لئے ایک جدید کوشش ہے جو دنیا کے رجحانات اور وقت کے تقاضوں کے سامنے سپر ڈالتے ہوئے احکامِ الٰہی کی ترمیم و تبدیل کی شکل میں پیش کی جا رہی ہے یا اشتراکیت و اشتمالیت سے مرعوب ہو کر قبا رِ مارکسزم کو اسلام کے جسم پر موزوں کہا جا رہا ہے لیکن افسوس اور صد ہزار افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ دونوں خیالات، وساوس اور اوہامِ فاسدہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے

؎۱ محلّی ج ۶ ص ۱۵۸۔ تمام ائمہ مجتہدین کا بھی یہی مسلک ہے۔

Marfat.com

اور در حقیقت یہ نتیجہ ہے اس عام بے خبری کا جو اسلامی تعلیم کے متعلق مسلم فضا میں ابرِ محیط کی طرح چھائی ہوئی ہے اور یہ ثمرہ ہے اپنے حقائق سے یکسر نا آشنا رہتے ہوئے اس مرعوبیت کا جو مغربی تعلیم کی بدولت ہم پر طاری و ساری ہے۔

یہ دونوں خیالات، وسوسہ یا سفسطہ کیوں ہیں؟ اس لئے کہ ہم اس قسم کے مسائل پر بحث کرتے وقت اسلام کی اس بنیادی حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ عالمِ تکوین اور عالمِ تشریع میں کیا فرق ہے؟ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جس قانونِ الٰہی کو کائنات کی کامرانی کا واحد حل تجویز فرمایا ہے، ذی عقل کائناتِ عالم کو جس کے امتثال کی تکلیف دی ہے اور جس کی تعمیل کے لئے مکلف بنایا ہے، اس کا تعلق تکوینیات سے ہے یا تشریعیات سے؟ سو اگر ہم اس بنیادی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیتے تو بلاشبہ اس قسم کے وساوس اور اوہام کی صورت ہی پیدا نہ ہوتی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ خالقِ کائنات نے کائنات کے آغاز و انجام کا جو تکوینی نظام بنایا ہے اس کا تمام تر تعلق صرف اپنی ذاتِ احدیت ہی کے ساتھ رکھا ہے اور اس میں کسی دوسرے کے دخل کی مطلق گنجائش نہیں ہے اور نہ ہم کو یہ معلوم ہے کہ نظامِ تکوینی میں کسی شے کے لئے کیا ہے اور کیا نہیں اور نہ اس علم کا ہم کو مکلف بنایا گیا ہے اور اس کا تعلق سرتاسر "عالمِ تکوین" سے ..... ہے البتہ اس نے حضرتِ انسان (ثقلین) کو جبکہ عقل و شعور اور ادراک و تمیز عطا فرمائے ہیں تو اس عطاء و بخشش کے بعد اس کو یونہی بیکار اور معطل نہیں چھوڑ دیا بلکہ اشیاء کے حسن و قبح اور اپنی مرضیات و نامرضیات کی معرفت اور ہدایت و گمراہی اور حق و باطل میں امتیاز کے لئے نیز افراد کو اجتماعی سلک میں منسلک کرنے کے لئے ایک بہترین "نظام" عطا فرمایا اور اس میں اچھی اور بری دونوں راہوں کو واضح کر دیا "وھدینٰہ النجدین" اس نظام کا نام "نظامِ تشریعی" ہے اور کائنات میں "پہلے انسان" کے ساتھ ساتھ "یہ نظام" عالمِ تشریع" پر حاوی ہے اور انبیاء و رسل کے ذریعہ برابر دنیا انسانی پر کارفرما رہا ہے اور اس کی فلاح و بہبود کا ضامن و کفیل ہے۔ پس یہی وہ نظام ہے جس کا انسان مکلف ہے اور اسی کے

Marfat.com

امتثال کے لئے وہ مامور ہے اور یہی وہ نظام ہے کہ جب حدِ کمال کو پہنچا تو "قرآنِ عزیز" کی شکل میں جلوہ افروز ہوا۔

پس اگر یہ بنیادی حقیقت ہمارے پیشِ نظر رہے تو ہم بآسانی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارے دائرہ سے یہ باہر ہے کہ ہم "نظامِ تکوینی" سے بحث کریں بلکہ ہم صرف "نظامِ تشریعی" (قانونِ تشریع) ہی کے دائرہ میں محدود رہ کر بحث کر سکتے ہیں تو اب قرآنِ عزیز سے نقل شدہ نصوص کو ملاحظہ فرمائیے اور غور کیجئے کہ کیا ان نصوص کی مراد یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحتِ عامہ اور حکمتِ بالغہ کی بنا پر کائناتِ انسانی میں امارت و غربت کے تفاوتِ درجات کو خلق کیا ہی اس لئے مردِ مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس تفاوتِ درجات کو ترقی دینے کے لئے ایسا نظام قائم کرے کہ تمام ثروت و دولت امیروں کے ہاتھ میں آجائے اور کروروں انسان فقیر اور محتاج بن کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان آفریں کو جان سپرد کر دیں اور اس طرح "العیاذ باللہ" منشاءِ الٰہی کو پورا کریں؟

اور اگر ان آیاتِ قرآنی کا مطلب یہ نہیں ہے تو پھر اس کے سوائے دوسرا کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ درجاتِ معیشت میں فطری حد تک تفاوت کے باوجود حقِ معیشت میں تمام کائناتِ انسانی مساوی اور برابر کی شریک ہے اور کسی صاحبِ ثروت کی دولت و ثروت، غریبوں کی غربت میں اضافہ کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ خدا کی وہ امانت ہے جو اجتماعی نظام کے زیرِ فرمان غربا و مساکین کی غربت و مسکنت کو فنا کرنے کے لئے استعمال ہونی چاہیے گویا صاحبِ ثروت کی ثروت، غربا کی غربت کے لئے رحمت ثابت ہو نہ کہ زحمت۔

اور اگر اربابِ ثروت ایسے عادل سسٹم کو منظور نہ کریں اور اس پر عمل پیرا نہ ہوں تو پھر خدا کے نائب (خلیفہ) کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے "اجتماعی معاشی نظام" کے مطابق اربابِ ثروت کو قانوناً اس پر مجبور کرے اور اگر بیت المال کا مالیہ کافی نہ ہو اور اس سے بھی قلمروِ خلافت میں محرومِ المعیشت انسان موجود رہ جائیں تو اہلِ دولت کے سرمایہ سے بہ جبر حاصل کر کے

"حقِ معیشت کی مساوات" کو بروئے کار لائے خواہ وہ اہلِ دولت اپنے مال میں سے تمام "عائد شدہ مالی فرائض و حقوق" ادا کر چکے ہوں۔

الحاصل۔ قرآنی نصوص اور ان کی موئید احادیث رسول اور ان سے مستنبط فقہی احکام یہ واضح کرتے ہیں کہ "حقِ معیشت کی مساوات" کا یہ نظریہ منشاءِ الٰہی کے خلاف نہیں بلکہ عین منشاءِ الٰہی کے مطابق ہے اور یہ جدید نظریہ نہیں ہے کہ مارکسزم کی حمایت یا اس سے مرعوبیت کی بنا پر احکامِ اسلامی کی انوکھی تعبیر کے ذریعہ وجود میں آیا ہو بلکہ اسلام کا وہ بنیادی اور اساسی "حکم" ہے جو اپنے وجود سے آج تک غیر متبدل اور غیر متزلزل رہا ہے۔ اور اگر ہم نے اس کو سمجھنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی یا دوسرے انسانوں کے اختراعی معاشی نظاموں سے مرعوب ہو کر ہم نے "اسلامی معاشی نظام" کو یکسر بھلا دیا تو اس میں اپنا قصور ہے نہ کہ اسلامی نظام کے بیان کرنے والے اور اس کی اصل حقیقت سے روشناس کرانے والے کا۔ اور یہ بھی سخت گمراہی ہے کہ ہم یہ یقین کر بیٹھے ہیں کہ غربت و امارت کا یہ غیر فطری تفاوت اور جابرانہ امتیاز جو آج ہم کو کائنات پر چھایا ہوا نظر آتا ہے خدا کا بنایا ہوا ہے بلکہ یہ "فاسد نظامہائے معاشی" کے ثمرات و نتائج ہیں اور خدا کی مرضی یہ ہے کہ اس قسم کے تمام نظامہائے فاسد کو یک قلم سوختہ ہو جانا چاہیے۔

**درجاتِ معیشت** (۲) اگرچہ حقِ معیشت میں سب مساوی ہیں لیکن درجاتِ معیشت میں مساوی نہیں ہیں اور معیشت میں درجات کا تفاوت ایک حد تک فطری ہے یعنی یہ ضروری نہیں کہ سب کے لئے سامانِ معیشت ایک ہی طرح کا ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ ہو سب کے لئے مگر درجات کا یہ تفاوت ایسے اعتدال پر قائم رہے کہ کسی حالت میں بھی وہ لوگوں کے درمیان وجہ ظلم نہ بن سکے یعنی تفاوتِ درجات تو ہو لیکن نہ ایسا کہ "معیشت" انسانوں کو دو طبقوں میں اس طرح تقسیم کر دے کہ ایک کی ترقی دوسروں کے فقر و افلاس کا سبب بنے اور دوسرا پہلے کے معاشی اغراض کا آلۂ کار بن کر رہ جائے۔ قرآنِ عزیز نے اس تفاوتِ درجات کو

Marfat.com

اس طرح بیان کیا ہے۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (زخرف) "دنیوی زندگی میں ہم نے لوگوں کی معیشت ان کے درمیان تقسیم کردی ہے اور اس کو اس طرح کردیا کہ بعض کو دوسرے بعض پر درجۂ معیشت میں بلندی حاصل ہو"

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ۔ (رعد) "اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں فراخی دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگی ڈالتا ہے"

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ اٰتٰكُمْ (انعام) اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا اور بعض کو بعض پر مرتبے دئے تاکہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے"

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۔ (نحل) "خدائے تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جس کسی کو زیادہ روزی دی ہے وہ اپنی روزی کو اپنے زیر دستوں کو لوٹا دیں کہ اس روزی میں سب برابر ہو جائیں۔ پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کے صریح منکر نہیں ہو رہے ہیں" [1]

گویا رزق میں تفاوتِ درجات کی مصلحت ایک خاص قسم کی آزمائش پر مبنی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایک جانب غنی کو صاحبِ ثروت بنا کر اس سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی ثروت کو تنہا اپنی ملکیت نہ سمجھے بلکہ "انفرادی ملکیت کے باوجود" یہ یقین رکھے کہ وہ جس قدر زیادہ کمائیگا اسی قدر اس کی دولت پر اجتماعی حقوق زیادہ عائد ہوں گے اس لئے کہ وہ صرف اپنے لئے ہی نہیں کماتا بلکہ جماعت کے دوسرے افراد کے لئے بھی کماتا ہے۔

نیز یہ ذہن نشین رہے کہ درجات کا یہ تفاوت جماعت کے دوسرے افراد کو

[1] روح المعانی، فتح القدیر، البحر المحیط تفسیر سورۂ نحل۔

محروم المعیشت بنانے اور ذاتی اغراض کی خاطر معاشی دستبرد کرنے کے لئے نہیں ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہ خدا کی نعمت (عطاءِ ثروت) کا جاحد (منکر) ہے (افبنعمۃ اللہ یجحدون؟) کیونکہ یہاں دولت وسرمایہ کا مقصد زیادہ سے زیادہ نفع بازی نہیں ہے بلکہ انفرادی حاجات و ضروریات کے ساتھ ساتھ اجتماعی حاجات وضروریات کی تکمیل ہے۔

اور دوسری جانب غیر متمول سے یہ توقع کرتا ہے کہ وہ متموّل افرادِ ملت کے تموّل کو دیکھکر خدا کے ساتھ کفران اور ناشکر گذاری نہ اختیار کرے اور نہ حسد وبغض کو دل میں جگہ دے بلکہ طمانیتِ قلب کے ساتھ اپنی مختصر فارغ البالی اور خوشحالی پر شاکر رہے[1]۔ اور یا پھر عملی جدوجہد میں آگے بڑھکر اپنی استعداد وصلاحیت کے مطابق ان تمام حقوقِ معیشت سے متمتع ہو اور غناء و دولت حاصل کرے جن کو تمام مخلوقِ خدا کے لئے عام اور مساوی کر دیا گیا۔ اور دوسرے افرادِ ملت کے حقوق اور ان کی ذمہ داریوں کو اپنے حاصل کردہ مال پر اسی طرح عائد کرے جس طرح قانونِ اسلامی نے دوسرے ارباب دولت پر عائد کئے ہیں۔

**احتکار واکتناز کی حرمت**

(۳) دولت اور سرمایہ داری کے وہ اصول قطعاً ناقابلِ تسلیم ہیں جن میں احتکار اور اکتناز کی کوئی صورت بھی بن سکے اور ان سے دولت وکنز پھیلنے اور تقسیم ہونے کی بجائے سمٹ کر خاص حلقوں اور مخصوص طبقوں میں محدود ہوجائے اور اس طرح عام انسانی زندگی کو مفلوک الحال بنادے۔ اکتناز واحتکار کی حرمت اور انفاق کے وجوب کے لئے ذیل کی آیات قابلِ توجہ ہیں۔"

| | |
|---|---|
| وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ | اور جو لوگ خزانہ بنا کر رکھتے ہیں سونے اور چاندی کو |
| الْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ | اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو ان کو |
| اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَوْمَ | دردناک عذاب کی خوشخبری دیدو جس روز کہ اس مال |
| يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى | پر جہنم کی آگ دھکائی جائے گی پھر اس سے داغی |

[1] لفظ فارغ البالی اس لئے کہا گیا کہ اسلامی نظام حکومت میں کسی فرد کا محروم المعیشت رہنا ناجائز ہے۔

Marfat.com

بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَ — جائیں گی ان کی پیشانیاں، پہلو، اور ان کی پیٹھ (اور
ظُهُورُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ — کہا جائیگا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے واسطے گاڑ
فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ (توبہ) — رکھا تھا اور چکھو مزہ اپنے گاڑنے کا۔"

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ — "فقرار، مساکین، قرابت داروں اور یتیموں وغیرہ پر اللہ نے
الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ۔ — جو خرچ کرنے کا یہ طریقہ بتایا ہے اس لئے ہے تاکہ ایسا نہ ہو
(حشر) — کہ مال و دولت صرف دولتمندوں ہی میں محدود ہو کر رہ جائے"

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ — "صدقات اور کسی کے لئے نہیں ہیں صرف فقیروں کے لئے
وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ — اور مسکینوں کے لئے اور ان کے لئے جو صدقات کی وصول
عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ — کرنے پر مامور ہیں اور ان کے لئے جن کے دلوں میں کلمۂ حق
وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ — کی الفت پیدا کرنی ہے اور ان کے لئے جن کی گردنیں
وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ — (غلامی سے) آزاد کرانی ہیں اور قرضداروں کے لئے جو کہ
السَّبِيلِ، فَرِيضَةً مِنَ — قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں اور اللہ کی راہ میں صرف
اللّٰهِ۔ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ — کرنے کے لئے (یعنی مجاہدین اور اعلاء کلمۃ اللہ میں مصروف
حَكِيمٌ۔ — رہنے والوں کے لئے) اور مسافروں کے لئے یہ اللہ کی
جانب سے ٹھیرائی ہوئی بات ہے اور اللہ سب کچھ
(توبہ) — جاننے والا حکمت والا ہے۔"

وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ (بقرہ) — "اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔"

وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ — "اور ہم نے ان کی جانب (انبیاء علیہم السلام کی جانب)
وَإِقَامَ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءَ الزَّكٰوةِ — وحی کی نیک کاموں کے کرنے کی اور نماز قائم کرنے کی
وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ۔ (انبیاء) — اور زکوٰۃ دینے کی اور وہ ہمارے عبادت گذار تھے۔"

وَأَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ — "اور جو ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس سے پہلے ہی خرچ

Marfat.com

اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (منافقون) کرلو کہ تم میں سے کسی کے پاس موت آموجود ہو۔"

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَلَا "اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں سے

تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ۔ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو (یعنی انفاق فی سبیل اللہ

(بقرہ) سے رُکنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے)۔

ان آیات میں ادائے زکوٰۃ وصدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے اور قرآنِ کریم میں ایک بہت بڑا ذخیرہ ان ہی احکام کی ترغیب وترہیب، ان سے متعلق احکام اور تفصیلات پر مبنی ہے اور ان سب کی روح یہ ہے کہ دولت وثروت جمع وذخیرہ کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف وخرچ کے لئے ہے اور اس کا مصرف ذاتی وانفرادی تعیش کی بجائے انفرادی و اجتماعی ضروریات کی کفالت ہے۔

اسی لئے ان آیات کی تفسیر میں "جمہور" کا مسلک یہ ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ اور دوسرے مالی فرائض ادا نہ کئے گئے ہوں تو وہ مال احتکار واکتناز کی فہرست میں شامل اور "کنز" سے متعلق وعید کا مصداق ہے۔ اور اسی قسم کی دولت وثروت کا نام "سرمایہ داری" ہے اور یہ حرام اور باطل اور تباہ کر دینے کے قابل ہے۔

اپنی ضروریات اور اہل وعیال کی حاجاتِ اصلیہ[1] اور مالی فرائض وواجبات کی ادا کے بعد بھی دولت باقی بچے تو اس کا پس انداز کرنا اگرچہ جائز ہے مگر خلافِ اولیٰ ہے کیونکہ اب اس مال پر اجتماعی حقوق عائد ہو چکے ہیں اور اب اس کو اجتماعی حاجات میں صرف ہونا چاہیئے۔

جمہور کے خلاف حضرت ابوذر غفاری رضؓ اور بعض علماءِ اسلام اس کو بھی جمع کرکے[2]

---

[1] مصارف کے موقعہ پر ہم نے جگہ جگہ لفظِ حاجات کے ساتھ "اصلیہ" کا اضافہ کیا ہے یہ اس لئے کہ وہ تمام اخراجات ومصارف نظامِ اسلامی میں غیر معتبر اور باطل ہیں جو اس کی نگاہ میں ممنوع یا حرام ہیں۔

[2] کان من مذهب ابی ذر رضی الله عنه تحریم ادخار ما زاد علی نفقة العیال وکان یفتی بذلك ویحثهم علیه ویامرهم به (تفسیر ابن کثیر سورۂ توبہ) ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ کا مذہب یہ تھا کہ اہل وعیال کے نفقہ سے زیادہ روپیہ جمع رکھنا قطعاً حرام ہے وہ اسی کا فتویٰ دیتے، اسی کی تبلیغ کرتے اور اسی کا سب کو حکم دیتے

Marfat.com

رکھنا حرام بتاتے ہیں۔

اور ان آیاتِ زکوٰۃ و صدقات اور منع اکتناز و احتکار کے علاوہ آیاتِ میراث اور قانونِ وراثت بھی اسی حکمت پر مبنی ہے کہ دولت و ثروت "جمع و ذخیرہ" کے لئے نہیں ہے بلکہ تقسیم اور پھیلنے کے لئے ہے تاکہ اس کا افادہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو سکے۔

**فاسد نظامِ معیشت کا انسداد اور سرمایہ و محنت میں عادلانہ توازن**

(۴) خرید و فروخت اور لین دین کے معاملات میں کوئی ایسا معاملہ جائز نہیں ہے جس سے فاسد نظامِ معیشت بروئے کار آئے یا اس کو کسی قسم کی بھی اعانت پہنچے یا محنت اور معیشت کے لئے جائز جدوجہد بے حقیقت ہو کر رہ جائے اور اس طرح محنت اور سرمایہ کے درمیان اعتدال اور توازن باقی نہ رہے۔ اسی لئے اس نے ربوا (سود) کے ہر قسم کے تجارتی کاروبار، قمار (جوا) کی تمام ظاہر و خفی اقسام و اصناف[1] احتکار و اکتناز کی تمام اشکال اور اسی طرح کے عقودِ فاسدہ کی دوسری تمام صورتوں کو ناجائز اور مردود قرار دیا اور معاملات کے کسی شعبہ میں بھی "فاسد معاشیات" کو دخیل اور بروئے کار نہیں آنے دیا۔ اور دوسرے شعبوں کی طرح معاملات کے اس شعبہ میں بھی عدل و انصاف ہی کو اساس و بنیاد قرار دیا ہے، چنانچہ حسبِ ذیل تصریحات اس کی شاہد ہیں۔

| | |
|---|---|
| اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ (بقرہ) | "اللہ نے خرید و فروخت کے معاملات کو حلال کیا ہے اور سودی کاروبار کو حرام کر دیا ہے۔" |
| يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ (بقرہ) | "اللہ تعالیٰ سودی کاروبار کو مٹاتا اور صدقات و خیرات کو ترقی دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکر گذار گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔" |
| اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ | "بیشک شراب، جوا، بت اور پانسے ناپاک ہیں کارِ شیطان ہیں پس ان سے بچو" |

[1] و [2] تفصیل آگے آئے گی۔

الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ (مائدہ)

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا "خرابی ہے کمی کرنے والوں کے لئے ان لوگوں
عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا کے لئے کہ جب ماپ کرلیں تو لوگوں سے تو پورا
كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ پورا بھرلیں اور جب ان کو ماپ کر یا تول کر
يُخْسِرُوْنَ (مطففین) دیں تو گھٹا کر دیں"

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ (ہود) "اور تول کر دو برابر وزن کے ساتھ"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا "اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل
اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ (ناجائز طریقہ) سے نہ کھاؤ ہاں اگر آپس کی رضامندی
اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ سے تجارت ہو تو اس طرح کھا سکتے ہو (گویا ہر شخص
مِّنْكُمْ (نساء) اپنے حصہ کے مطابق اپنا حق لے)"

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں اسی اساسی اصول کی روشنی میں "باب ابتغاء الرزق" کے عنوان سے حسب ذیل نہایت پرشوکت اور مدلل مضمون تحریر فرماتے ہیں۔

یہ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا اور زمین میں ان کی معاشی حیات کے لئے سب کچھ سامان فراہم کر دیا اور ان سب کو سب کے لئے مباح اور عام کر دیا، تو ان سے متمتع ہونے میں مخلوقات کے درمیان مزاحمت اور مناقشت شروع ہو گئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جب کوئی شخص سبقت اور پہل کر کے کسی شے کو اپنے قبضہ میں کر لے یا مورث کے قبضہ کی وجہ سے اس کی وراثت میں آجائے یا ان کے علاوہ اسے دوسرے طریقوں سے اس کا قبضہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز طریقے قرار پا چکے ہیں تو ایسی صورت میں اب کسی دوسرے شخص کو اس کی مقبوضہ شے میں مزاحمت کا حق نہیں ہے۔

البتہ دوسرے کی مقبوضہ شے کو حاصل کرنے کا جائز طریقہ یہ ہے کہ یا خرید و فروخت اور لین دین کے ذریعہ تبادلہ کی شکل پیدا کرے یا معتبر طریقوں سے باہمی رضامندی کا

Marfat.com

معاملہ اس طرح انجام پا جائے کہ ہر دو جانب میں اس کے متعلق صحیح علم ہو اور اس معاملہ میں نہ التباس اور دھوکے کا دخل ہو اور نہ خلط ملط کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔

نیز جبکہ انسان مدنی الطبع واقع ہوئے ہیں تو ان کی معاشی زندگی باہمی تعاون و اشتراک کے بغیر ناممکن ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے تعاون اور باہمی اشتراکِ عمل کو واجب کر دیا اور یہ بھی لازم قرار دیا کہ کسی فرد کو بھی ایسے امور سے کنارہ کش ہونیکا حق حاصل نہیں ہے جو تمدن میں دخیل ہیں مگر یہ کہ کسی شخص کو بعض مجبور کن حالات ایسا کرنے پر مجبور کر دیں۔

نیز اسبابِ معیشت کے "اسباب" بننے میں اصل الاصول یہ ہے کہ اموالِ مباح میں سے کسی شے کو اپنے قبضہ میں لیا جائے یا اُن اموالِ مباح کے وسیلہ سے جو کہ مالی ترقی کا ذریعہ بنا کرتے ہیں اپنے مقبوضہ اور مشخصہ مال کو ترقی دی جائے۔ مثلاً چرائی کے ذریعہ سے چوپایوں کی افزائش نسل یا زمین کی درستی اور پانی کی سیرابی کے ذریعہ سے زراعت و کاشتکاری۔

لیکن مالِ مباح کو اپنے لئے خاص کرنے یا دوسرے مباح اموال کو اپنے مال کی ترقی کا ذریعہ بنانے میں شرطِ اولین یہ ہے کہ یہ تصرفات اس طرح عمل میں نہ آنے پائیں کہ ایک فرد دوسرے فرد کے لئے معاشی ذرائع کی تنگی اور ضیق کا باعث بن جائے اور اس طرح تمدن کو فاسد اور برباد کر دے (یعنی جبکہ حلال وسائلِ معاش سب کے لئے یکساں طور پر مباح اصل ہیں تو اب کسی شخص کو اپنی شخصی معاش کے لئے اسی قدر اس میں تصرف اور دعویٰ ملکیت جائز ہے کہ اس کا یہ عمل دوسروں کی معاشی زندگی کی پریشانی کا باعث نہ بن جائے اور اس کی دولتمندی دوسروں کے افلاس اور فقر و فاقہ کا سبب نہ ثابت ہو)

پھر یہ بات بھی پیشِ نظر رہنا ضروری ہے کہ اگر معاشی معاملات میں لوگوں کے

Marfat.com

درمیان باہمی تعاون اور اشتراک عمل کے ذریعہ مالی ترقی و نشو و نمو بروئے کار نہ آئے تو تمدن کا صالح اور صحیح رہنا دشوار سے دشوار تر ہو جائے گا۔ مثلاً ایک چاہتا ہے کہ وہ تجارتی مال کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں لیجائے اور ایک معیّن مدت کے لئے وہ اس ایاب و ذہاب کی گارنٹی چاہتا ہے (یعنی تجارت کو ذریعۂ معاش بناتا ہے) یا مثلاً ایک دوسرا شخص اپنی عملی جد و جہد کے ذریعہ دوسروں کے مال کی دلالی کرتا ہے۔ (یعنی محنت کو ذریعۂ معاش بناتا ہے) یا ایک تیسرا شخص اپنی نئی نئی پسندیدہ ایجادات کے ذریعہ دوسروں کے مال کو بیش قیمت اور بہتر بناتا ہے (یعنی صنعت و حرفت کو وسیلۂ معاش بناتا ہے) اور اس طرح دوسرے جائز طریقے اختیار کرتا ہے (تو ان سب صورتوں میں تعاون کے بغیر معاشی زندگی میں استواری پیدا نہیں ہو سکتی۔

بہرحال ان تمام معاملات میں صحیح تعاون و اشتراک عمل ضروری اور واجب ہے اور اگر یہ مالی ترقی ایسے طریقہ سے کی جائے کہ اس میں سرے سے تعاون کا کوئی دخل ہی نہ ہو جیسا کہ قمار (جوا) کا کاروبار یا ایسے طریقے سے عمل میں آئے کہ بظاہر تو تعاون نظر آتا ہو لیکن حقیقت میں وہ زبردستی کا تعاون ہو حقیقی تعاون نہ ہو جیسا کہ مثلاً ربوا (سود) کا کاروبار۔ اس لئے کہ یہ بات بہت صاف ہے کہ ایک مفلس اور نادار اپنی معاشی پریشانیوں کی وجہ سے اپنے ذمہ ایسی ذمہ داریوں کو لے لینے کے لئے مجبور و مضطر ہو جاتا ہے جن کو پورا کرنے کی اپنے میں طاقت نہیں پاتا اور اس کی اس قسم کی رضامندی ہرگز رضامندی نہیں کہلائی جاسکتی پس اس طرح کے کاروبار نہ پسندیدہ اور جائز معاملات کہلائے جاسکتے ہیں اور نہ ان کو معاشیات کے اسباب صالحہ کہا جاسکتا ہے اور بلاشبہ اس قسم کے تمام معاملات حکمتِ تمدن کی نگاہ میں باطل اور ظلم ہیں[1]

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت سے صرف اس آخری اصول ہی پر روشنی نہیں پڑتی

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۰۲

Marfat.com

بلکہ اصولِ چہارگانہ کی ایک جامع اور مبسوط تفصیل سامنے آجاتی ہے یعنی

(الف) معیشت میں فطری تفاوتِ درجات کے باوجود تمام مخلوق یکساں اور برابر ہے[1] اور خدا نے تمام معاشی وسائل میں زمین اور پیداوارِ زمین کو سب کے لئے مباح الاصل پیدا کیاہے اور تعیین وتشخیص جائز قبضہ سے ہی وجود میں آتی ہے۔

(ب) کسی فرد کو ان اموالِ مباح میں اسی قدر اور اسی طریق سے قبضہ وتصرف جائز ہے کہ اس سے دوسرے فرد کے لئے معاشی ضیق کے اسباب پیدا نہ ہو جائیں۔

(ج) نیز معاشی معاملات میں "باہمی تعاون واشتراکِ عمل" واجب اور ضروری ہے۔

(د) اور یہ تعاون ایسے صحیح اور صالح طریقوں پر مبنی ہونا چاہئے کہ اس سے نظامِ تمدن میں ابتری نہ پھیل جائے یعنی ان کے ذریعہ معاشی معاملات میں ایک دوسرے کو مدد ملے نہ یہ کہ ایک کا فائدہ دوسرے کی مضرت پر موقوف ہو کر رہ جائے۔

(ہ) اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ کائنات میں ایک "صالح معاشی نظام" موجود ہو جو خدا تعالےٰ کے حکم اور منشار کو پورا کرتا ہو۔

(و) پس اس "صالح معاشی نظام" میں وہ تمام معاملات ناجائز اور حرام ہیں جن میں باہمی تعاون کا مطلق دخل نہ ہو بلکہ ایک فرد کی تباہی اور مضرت پر دوسرے فرد کی مالی منفعت کا مدار ہو جیسا کہ مثلاً قمار (جوا) خواہ وہ غیر مہذب طریقوں سے عمل میں آئے یا سٹہ اور لاٹری وغیرہ جدید مہذب طریقہ ہائے تجارت کے ذریعہ سے۔

(ز) اور وہ معاملات بھی ناجائز اور حرام ہیں جن میں بظاہر اگرچہ باہمی رضا اور تعاون نظر آتا ہو لیکن اس کی تہ میں زبردستی کے سوا اور کچھ نہ ہو جیسا کہ مثلاً ربوا (سودی لین دین) اور ایسے تمام اجارات ومعاملات جن میں ایک جانب سرمایہ دار کا سرمایہ ہے اور دوسری جانب ایک مفلس ونادار کی اضطراری ضرورت اور سرمایہ دار، مفلس کے افلاس اور اس کی

---

[1] یعنی حقِ معیشت میں برابر ہے۔

اضطراری حاجت سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اجارہ، رہن اور دوسرے معاملاتِ لین دین میں اس سے ایسی شرائط منظور کرا لیتا ہے جو انصاف اور عدل کی نگاہ میں کسی طرح جائز نہیں تھیں مگر مفلس کے افلاس اور ضرورتمند کی ضرورت نے ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا۔

(ح) پس اس قسم کے تمام معاملات اگرچہ باہمی رضامندی سے بھی طے پا جائیں تب بھی اسلام اور خدائے کائنات کے نزدیک باطل اور ظلم ہیں اور "صالح معاشی نظام" میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں خواہ ان کے ظاہری فائدے کتنے ہی خوشگوار کیوں نہ ہوں، اس لئے کہ اس قسم کے کاروبار کا آخری نتیجہ عوام کی فلاکت و افلاس اور ایک مخصوص طبقہ کی مالی اجارہ داری کے سوائے اور کچھ نہیں ہے۔ اس لئے یہاں مہاجنی سود کا کاروبار بھی ملعون ہے اور سودی بینکوں کا سسٹم بھی مذموم و مطرود، اور یہاں متاجروں کے وہ تمام طریقہ ہائے تجارت بھی حرام ہیں جن میں اجیر کے جائز اور عادلانہ اجرت وحقوق کی حق تلفی ہو اور اس کے اضطرار اور پریشان حالی سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہو اور اجیر کی وہ خیانت بھی ناجائز جس سے صاحبِ سرمایہ کو ناحق نقصان پہنچانے کی سعی کی جاتی ہو۔

بہرحال "معاشی نظام سے متعلق" ان آیات میں قرآنِ عزیز نے جن نصوص قطعیہ کو بیان کیا ہے اور معجزانہ بلاغت اور حکیمانہ اسلوب کے ساتھ راہنمائی فرمائی ہے "اسلام کا معاشی نظام" ان ہی نوامیس الٰہی کی شرح و تفسیر ہے۔ پس آئندہ صفحات میں جو کچھ بھی سپردِ قلم ہوگا وہ صرف ان ہی حقائق کی تفصیلات ہوں گی کہ یہی درحقیقت "صالح معاشی نظام" کے لئے بہترین دلیلِ راہ ہیں اور اس کے وجود کے ضامن اور کفیل۔

اب ان تفصیلات سے یہ بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ "معاشی نظام" کا جو اساسی مقصد ہے اس کو کامیاب بنانے کے لئے "اسلام کے اقتصادی نظام" کے علاوہ دوسری کوئی راہ نہیں ہے یہاں مارکسزم (اشتمالیت) کی طرح مذہبی انارکی بھی نہیں ہے اور طبقاتی جنگ بھی موجود نہیں

Marfat.com

بلکہ ایک عالمگیر اخوت و ہمدردی کا غیر فانی اعلان ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کی طرح دولت و وسائلِ دولت کو سمیٹ کر مخصوص طبقہ کے حوالہ کرنا بھی حرام قرار دیا گیا ہے تاکہ باطل اور ظلم کی بنیادیں کسی حالت میں بھی قدم نہ جما سکیں اور دنیا ئے انسانی کے کسی ایک فرد کو بھی اپنی معاشی حیات میں انسانوں کے ہاتھوں ضیق اور تنگی پیدا نہ ہو۔

اب یہ ہمارا کام ہے کہ معاشیات کی علمی کاوشوں اور فنی بحثوں سے مرعوب ہو کر اس جال میں پھنس جائیں جس نے اور سب کچھ تو کیا مگر انسانی دنیا کو امن و سلامتی اور عام خوشحالی و رفاہیت سے کبھی روشناس نہ ہونے دیا۔ اور اس طرح اپنی بدبختی پر اپنے ہاتھ سے مہر لگا لی۔ اور یا اس سادہ مگر امن و سلامتی کے شاہکار "نظام" کو اپنا قائد بنالیں جس نے اپنی علمی زندگی کی عمر اگرچہ کم پائی اور خلافتِ راشدہ کے بعد شاہانِ اسلام نے اپنے ذاتی اقتدار کی خاطر جس کو کبھی بروئے کار نہ آنے دیا۔ تاہم جس قدر بھی عمر پائی اس میں معاشی نظام کی غرض و غایت کو ایسے بے نظیر پروگرام کے ساتھ منصۂ شہود پر جلوہ گر کیا کہ دوست اور دشمن دونوں آج تک اس کی ہمہ گیر اخوت و پیامِ مساوات اور عام معاشی خوش حالی اور رفاہیت کے معترف ہیں۔

Marfat.com

# انفرادی معیشت

معیشت اور اسبابِ معیشت کا تعلق انسان کی انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کی زندگی سے وابستہ ہے اور چونکہ جماعت "جسم" کی حیثیت رکھتی ہے اور فرد، اس جسم کے ایک عضو کی اس لئے اجتماعی اور انفرادی شعبہ ہائے حیات کے مابین لازم و ملزوم کا رشتہ قائم ہے اور ایک کا اثر دوسرے پر پڑنا ناگزیر ہے تاہم دونوں شعبوں کی تفصیلات جدا جدا قابلِ بحث ہیں اور ان میں سے قدرتی ترتیب کے لحاظ سے پہلا نمبر انفرادی معیشت کو زیرِ بحث لانے کا ہے۔

"اسلام کے معاشی نظام" میں فرد سے متعلق احکامِ معیشت کیا ہیں؟ سو عمیق نظر ڈالنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں تین چیزیں فطری طور پر سامنے آتی ہیں (۱) کیا کمائیں (۲) کیا خرچ کریں (۳) کس پر خرچ کریں؟ یعنی وہ کون سی آمدنی ہے جس کو جائز آمدنی کہا جا سکتا ہے؟ اور اس آمدنی میں سے خرچ کیا کرنا چاہیئے؟ اور کس پر خرچ کرنا چاہیئے؟ چنانچہ اسلام نے ان تینوں فطری سوالات کو حل کرنے کے لئے "انفرادی معیشت" کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

پہلے حصہ میں انسان کو جدوجہد کی ترغیب اور کسبِ معاش کے لئے حرکت کی دعوت دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ انسان کو اپنی معاش خود اپنے ہاتھوں کی محنت سے کمانا چاہیئے کیونکہ جمود اور ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانے کی زندگی موت کے مرادف اور اس کو حیات کہنا بے معنی ہے اور نہ اس طریقِ زندگی کو "توکل" کی زندگی کہا جا سکتا ہے۔ اور باقی تین حصوں میں ان ہی سوالات کو حل کیا گیا ہے جو معیشت کے مسئلہ میں فطری طور پر سامنے آتے ہیں۔

**کسبِ معیشت کے لئے ترغیبات** | انفرادی مسائلِ معیشت میں سب سے پہلی منزل "کسبِ معیشت" اور "ابتغاءِ رزق" کی منزل ہے۔ قرآنِ عزیز کہتا ہے کہ ہر انسان کو اپنی استعداد کے مطابق

Marfat.com

معیشت کے لئے جدوجہد کرنا ضروری ہے۔ دنیا میدانِ عمل ہے۔ یہاں جمود وخمود موت کے مرادف ہے۔ اس کارگاہِ ہستی میں خدائے تعالیٰ نے سامانِ رزق کے ذخیرے جمع کردئے ہیں مگر تلاش وسعی شرط ہے۔

| | |
|---|---|
| فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (جمعہ) | "پس جب نماز پوری ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل (رزق) کو تلاش کرو۔" |
| إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ (عنکبوت) | "جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں ہیں سو تم تلاش کرو اللہ کے پاس سے روزی۔" |
| وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (مزمل) | "اور کتنے اور لوگ ہیں جو پھرتے ہیں ملک میں اللہ کے فضل (روزی) کو تلاش کرتے۔" |
| قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ [1] | "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حلال معیشت کا طلب کرنا اللہ کے فریضۂ عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔" |
| قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلیتم الفجر فلا تنوموا عن طلب ارزاقکم [2] | "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنے رزق کی جدوجہد کے بغیر نیند (آرام) کا نام نہ لو۔" |
| قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من الذنوب ذنوب لا یکفرھا الا الھم فی طلب المعیشۃ [3] | "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض گناہوں میں ایسے گناہ ہیں جن کا کفارہ صرف طلبِ معیشت کی فکر اور جدوجہد میں کاوش ہی سے ہوسکتا ہے۔" |
| عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ | "حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم اپنی |

[1] کنز العمال ج ۲ [2] ایضاً۔ [3] طبرانی فی الاوسط ونعیم فی الحلیہ۔

اطلبوا الرزق فی خبایا الارض[۱]۔ روزی کو زمین کے پوشیدہ خزانوں میں تلاش کرو۔"

قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ "حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا

لا یقعد احدکم عن طلب الرزق[۲] تم میں سے کوئی شخص بھی طلبِ رزق کی جدوجہد میں پست ہو کر نہ بیٹھ جائے۔"

سید مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

ای لابد للعبد من حرکۃ و مباشرۃ بسبب من اسباب تحصل بہ طریق الوصول الی الرزق[۳] "یعنی ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جائز اسباب معیشت میں سے کسی سبب اور وسیلہ کو ضرور اختیار کرے کہ جس سے وہ رزق کو حاصل کر سکے۔"

**کسبِ معاش کے اساسی اصول**

ان آیات و احادیث اور احکامِ اسلامی کے پیشِ نظر جب ایک شخص کسبِ معاش کے لئے قدم اٹھائے تو کیا اس کو یہ آزادی حاصل ہے کہ اپنی معیشت کے حصول میں جو طریقہ بھی چاہے اختیار کرے؟ نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ اس انفرادی جدوجہد میں اس کو چند ایسے اصول کا پابند بنایا گیا ہے جو "نظامِ معیشت" کو فاسد ہونے سے بچاتے اور صاحبِ معیشت کی زندگی کو معاشی رفاہیت کے ساتھ دینی اور اخلاقی رفعت عطا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی انفرادی معیشت میں ہمیشہ دو اصول پیشِ نظر رکھے ایک یہ کہ جو حاصل کیا جائے وہ "حلال" ہو اور دوسرے یہ کہ جن طریقوں سے حاصل کیا جائے وہ "طیب" ہوں۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔ (بقرہ) "اے لوگو! جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے حلال طیب کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ بلاشبہ وہ تمہارے لئے کھلا ہوا دشمن ہے"

---

[۱] کنز العمال ج ۲ [۲] احیاء العلوم ج ۲ ص ۵۷ [۳] اتحاف السادہ ج ۵ ص ۴۱۷۔

Marfat.com

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا۔ (مائدہ) "پس اللہ نے جو کچھ تم کو رزق دیا ہے اس میں سے حلال، طیب کھاؤ۔"

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (المومنون) "اے پیغمبرا تم کھاؤ پاک چیزوں سے اور عمل کرو نیک بلاشبہ جو تم عمل کرتے ہو میں اس کا جاننے والا ہوں۔"

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ۔ (اعراف) "اور (نبی امی) حلال رکھتے ہیں تمہارے لئے پاک چیزیں اور حرام کرتے ہیں خبیث چیزیں۔"

ان آیات میں "حلال" اور "طیب" ہر دو اصول کا ذکر کرتے ہوئے سخت تاکید کی گئی ہے کہ "شیطان کے قدموں کی پیروی" نہیں کرنی چاہئے۔ مراد یہ ہے کہ کھانے، پینے، پہننے اور اشیاء کے استعمال کرنے میں نیز تمام وسائل آمدنی میں "نظام معیشت" کی روح یہ ہے کہ ایک "مسلم" کو ایسی تمام اشیاء سے بچنا چاہئے جن کی ترکیب ان عناصر سے کی گئی ہو جو جسمانی امراض کا مبدء بنتے اور اس کو فاسد کرنے میں "سمیت" کا کام کرتے ہوں اور یا قوائے حیوانی کو برانگیختہ کرکے اور ان کو اعتدالِ طبعی سے نکال کر امراضِ روحانی اور اخلاقی کا باعث ہوتے ہوں اور ان اشیاء سے بھی احتراز ضروری ہے جو غرور، خودنمائی، بیجا تعیش اور جابرانہ نخوت کا سبب بن کر مساوات، اخوت اور مواساۃ باہمی کے رشتوں کو قطع کرتے اور خود غرضی، ظلم اور بد اخلاقی کی جانب دعوت دیتے ہوں۔ پس اگر ہمارا کسب واکتساب ان نجس اوصاف سے پاک ہے تو وہ "حلال" ہے۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جو شے اپنی معیشت کے لئے حاصل کی گئی ہے وہ اپنی ذات میں بھی اور حصول کے طریقوں میں بھی نفس کو پاک رکھتی اور خبائث نفس سے بچاتی ہو، نیز اس سے دوسرے افرادِ امت کے لئے معاشی ضیق نہ پیدا ہوتی ہو اور ظلم و سرکشی اور معاشی دستبرد کے وہ جرائم نہ پھیلتے ہوں کہ جن سے مذموم سرمایہ داری فروغ پاتی اور عام انسانی

Marfat.com

دنیا کو فلاکت و مسکنت کے قعرِ ہلاکت میں ڈالتی ہو، پس اگر آمدنی اور وسائلِ آمدنی میں اُن امور کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے تو اس کو اسلامی نقطۂ نظر سے "طیب" کہا جاتا ہے چنانچہ سلف و خلف نے "حلالاً طیباً" میں "طیب" کی جو تفسیریں کی ہیں علامہ رشید رضا نے تفسیر المنار میں ان کا یہ قدرِ مشترک نکالا ہے۔

"طیّب سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو اس لئے کہ نصِ قرآنی نے جن اشیاء کو حرام کیا ہے ان کی حرمت تو ذاتی ہے اور اس لئے مضطر کے علاوہ کسی حالت میں کسی کے لئے ان کا استعمال درست نہیں اور ان کے علاوہ جن اشیاء کی حرمت اس شئے کی حقیقت اور ذات میں نہیں پائی جاتی بلکہ باہر کے اسباب سے حرمت آتی ہے ان کی ممانعت "طیب" کہکر کر دی گئی۔"

پس جو شئے ناحق لی گئی اور صحیح طریق کار سے حاصل نہیں کی گئی بلکہ ربا، رشوت، قمار، ظلم، غصب، دھوکا، خیانت اور چوری جیسے ناپاک ذرائع سے حاصل کی گئی وہ بھی حرام ہے اس لئے کہ "طیب" نہیں ہے۔ پس ہر "خبیث" شئے حرام ہے خواہ وہ خبث باہر کے اسباب و ذرائع سے اس میں آیا ہو اور خواہ اس کے اندر موجود ہو جیسا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سڑ کر بو آجانا اور امراضِ جسمانی کا سبب بننا) [1]

قرآنِ عزیز اور احادیثِ نبوی نے "حلال" اور "طیب" کے خلاف "حرام" اور "خبیث" کی بعض اصناف بھی تفصیل کے ساتھ شمار کرائی ہیں اور بعض کو صرف اصولی طور پر بیان کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَ — تم پر حرام کر دیا گیا مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو (یعنی اللہ کے سوا کسی غیر کے نام پر چھوڑا گیا ہو)، اور گلا مروڑا ہوا اور

---

[1] المنار عربی ج ۱ ص ۸۷۔ (و ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۳)۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| الْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَ | تھپر یا لاٹھی سے مارا ہوا اور اوپر سے گر کر مرا ہوا اور دوسرے |
| النَّطِيْحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ | جانور کے سینگ سے زخم کھا کر مرا ہوا، اور درندہ کا |
| إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى | پھاڑا ہوا" مگر یہ کہ تم نے اس کو زندگی ہی میں ذبح |
| النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوْا | کر لیا ہو" اور جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور تم پر |
| بِالْأَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۔ | حرام کر دیا گیا کہ تم پانسوں کے ذریعہ حصے بانٹو یہ سب |
| (مائدہ) | تمہارے لئے فسق (گناہ) ہیں۔" |
| إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَ | بلاشبہ شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاکی |
| الْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ | ہیں، کار شیطان سے ہیں۔ پس ان سے بچو |
| فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (مائدہ) | تاکہ تم فلاح پاؤ |
| نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مردوں کو) منع |
| عن لبس الحرير والديباج | فرمایا ریشمی لباس سے اور دیبا اور قز (موٹے |
| وعن لبس القسي والمياثر | ریشم) کے لباس سے اور ریشمی گدوں پر بیٹھنے |
| والارجوان الخ [1] | سے اور ارغوانی رنگ سے۔" |
| قال رسول الله صلى الله عليه وسلم | "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا |
| من لبس ثوب شهرة في الدنيا | "جس شخص نے دنیا میں فخر و غرور کا لباس پہنا |
| البسه الله ثوب مذلة يوم | اللہ تعالیٰ اس کو قیامت میں ذلت کا لباس |
| القيامة [2] | پہنائیں گے۔" |
| عن النبي صلى الله عليه وسلم | "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مسلمانو |
| قال لا تشربوا في آنية الذهب | (مردوں اور عورتوں) کو جائز نہیں ہے کہ سونے |
| والفضة الخ [3] | اور چاندی کے برتنوں کا استعمال کرو۔ |

[1] بخاری کتاب اللباس [2] رزین وابوداؤد۔ [3] رواہ الخمسۃ التاج الجامع ج ۳ ص ۱۳۲۔

| | |
|---|---|
| عن حذیفۃ قال نہانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نشرب فی اٰنیۃ الذھب والفضۃ وان ناکل فیھا وعن لبس الحریر والدیباج وان نجلس علیہ [1] | حضرت حذیفہ فرماتے ہیں ہم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ہم سونے اور چاندی کے برتن میں پئیں یا کھائیں اور منع فرمایا ریشم اور دیبا پہنے اور اس کے بچھونوں پر بیٹھنے سے۔ |
| ایما عبد نبت لحمہ من السحت والربا فالنار اولی بہ ؎ | جس انسان کا گوشت پوست ظلم اور سود سے بنا ہے تو اس جسم کے لئے جہنم کی آگ زیادہ بہتر ہے" |

بہرحال "کسبِ معاش" میں اسلامی نظامِ معیشت یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ حاصل کردہ شے "حلال" ہو "حرام" نہ ہو اور "طیب" ہو "خبیث" نہ ہو اور حلال وطیب اور حرام و خبیث کے معنی و مفہوم کی توضیح و تشریح بھی بیان کردی گئی تاکہ ان اصول کے سمجھنے اور پیشِ نظر رکھنے میں کسی قسم کی دقت اور گنجلک پیدا نہ ہو۔

پس اگر ایک شخص ان تمام اساسی امور کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی معاشی زندگی میں جدوجہد کرکے "وسائلِ معاش" بہم پہنچاتا ہے تو بے شبہ اسلامی نظامِ معیشت میں اس کی یہ کمائی "معیشتِ صالحہ" کے نام سے موسوم ہے۔

**مصارف کے بنیادی اصول**

کسبِ معاش کے بعد دوسرا مسئلہ صرف وخرچ کا ہے اور اس باب میں تین مسائل زیرِ بحث ہیں ایک یہ کہ کیا خرچ کیا جائے؟ دوسرا یہ کہ کسقدر خرچ کیا جائے؟ اور تیسرا یہ کہ کن پر خرچ کیا جائے؟

کیا خرچ کیا جائے؟ اس کا جواب تو ابھی کسبِ معاش کی بحث میں دیا جاچکا یعنی ایک شخص نے "حلال" اور "طیب" سے جو کچھ کمایا ہے وہی اس کا سرمایۂ معیشت ہے اور وہی اس قابل ہے کہ زندگی کی نشو ونما میں کام آئے۔

اور کسقدر خرچ کیا جائے؟ اس دوسرے سوال کا جواب قرآنِ عزیز نے جو کچھ دیا ہے

---

[1] بخاری کتاب الادنی

وہ دو حصوں پر تقسیم ہے ایک کا تعلق انفرادی زندگی سے ہے۔ اس کے متعلق ارشاد ہے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا (انعام) "کھاؤ اور پیو اور اعتدال سے تجاوز نہ کرو"

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا - اِنَّ "اور فضول خرچی ہرگز نہ کرو، بے شبہ اخراجات

الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ میں) حد سے تجاوز کرنے والے شیطانوں کے

الشَّيٰطِيْنِ ۔ (بنی اسرائیل) بھائی (ہم پلہ) ہیں۔

ان ہر دو آیات میں اپنی جائز اور حلال کمائی کے صرف کرنے کو دو شرطوں کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے ایک یہ کہ "اسراف" نہ ہو اور دوسری یہ کہ "تبذیر" نہ ہو علامہ ماوردی "اسراف" اور "تبذیر" کے باہمی فرق پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کمیت یعنی مقدار خرچ میں حد سے تجاوز کرنا "اسراف" ہے اور یہ ثبوت ہے ان عائد شدہ حقوق کی مقدار سے جہالت کا جو اس کے ذمہ ہیں اور کیفیت یعنی مواقع صرف و خرچ میں حد سے تجاوز کا نام "تبذیر" ہے اور یہ شہادت ہے ان مواقع صرف سے نادان بننے کی جو صحیح اور حق مواقع ہیں [۱]

اور مولانا شبیر احمد عثمانی فوائد القرآن میں "تبذیر" کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"اور خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت اڑاؤ، فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کیا جائے یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کردے جو آگے چل کر تفویت حقوق (عائد شدہ) اور ارتکاب حرام کا سبب بنے۔ [۲]

اور صاحب روح المعانی آیت "كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا" کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"لا تطغوا فیہ" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جو رزق عطا فرمایا ہے اس میں سرکشی نہ کرو یعنی ناشکری نہ کرو اور مال کو اسراف، غرور اور خدا کے احکام کی

---

[۱] روح المعانی ج ۱۵ ص ۵۹ [۲] فوائد القرآن سورہ بنی اسرائیل ص ۳۶۸ [۳]

Marfat.com

خلاف ورزی اور حقوقِ واجبہ کے تلف کا ذریعہ نہ بناؤ" [1]

الحاصل۔صرف وخرچ میں اسراف اور تبذیر معیشتِ فاسدہ کی علامات ہیں اس لئے "اقتصاد" اور میانہ روی اختیار کرنا ضروری ہے مثلاً عام حالات میں یہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ خرچ آمدنی سے بڑھ جائے اور پھر حاجت کے وقت دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے بلکہ حتی الامکان اس کی سعی کرنی چاہئے کہ ان تمام اجتماعی حقوق کی ادا کے ساتھ ساتھ" جو غنی ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس پر عائد کئے ہیں" اپنی اور اہل وعیال کی حاجات و ضروریات کے لئے کچھ پس انداز ہو۔نیز یہ بھی نہیں ہونا چاہئے کہ بخل اور تقتیر کو کام میں لائے اور خود اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے عطارِ الٰہی کے باوجود معیشت کو تنگ کرے۔چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| الاقتصاد فی النفقۃ نصف المعیشۃ [2] | "(آمد وصرف میں) میانہ روی معاشی زندگی کی خوشگواری کا نصف حصہ ہے" |
| قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) امسك علیك بعض مالك فھو خیرلك قلت قال امسك سھمی الذی بخیبر [3] | "حضرت کعبؓ فرماتے ہیں (جب میں نے اپنے کل مال کو صدقہ کر دینے کا ارادہ کیا تو) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مال میں سے کچھ بچالو یہ تمہارے حق میں بہتر رہیگا تب میں نے عرض کیا کہ خیبر (کی زمین) میں جو میرا حصہ ہے وہ میں نے بچالیا ہے۔ |
| (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ان تدع ورثتك اغنیاء خیرمن ان تدعھم عالۃ یتکففون الناس | (ایک مالدار شخص کے اس سوال پر کہ میں اپنا کل مال خدا کی راہ میں بذریعہ وصیت دے ڈالنا چاہتا ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے ورثاء کو صاحب مال چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ وہ محتاج رہ جائیں اور بھیک مانگتے پھریں |

[1] روح المعانی سورہ طٰہٰ ج ۶ اص ۲۱۶۔ [2] کنز العمال عن ابن عمرؓ [3] بخاری باب الصدقات۔

Marfat.com

فی ایدیھم الخ[1] (اس لئے تہائی مال میں وصیت کر دینا کافی ہے)۔

اور حافظ عماد الدین بن کثیر اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے جب "انفاق" (خرچ کرنے) کا حکم دیا تو "اسراف" سے منع فرمادیا اور میانہ روی کی تلقین فرمائی جیسا کہ دوسری آیت میں بہت صراحت کے ساتھ اس کا حکم فرمایا ہے ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا (الآیہ) اور (ایمان والے) وہ لوگ ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل اختیار کرتے ہیں"

پھر "تبذیر" سے نفرت دلاتے ہوئے مبذر کو شیطان کا ہمسر بتایا اور اسی قسم کی اور بھی آیات ممانعتِ تبذیر میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں، حق کے خلاف ہر قسم کے صرف و خرچ کا نام "تبذیر" ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے "حق کی خاطر" سب کچھ خرچ کر ڈالا تو یہ "اسراف" نہیں ہے اور اگر اپنا تھوڑا سا مال بھی "ناحق" صرف کر دیا تو یہ "تبذیر" ہے۔ اور قتادہؓ کہتے ہیں "تبذیر" نام ہے مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، ناحق اور فساد کے مواقع میں صرف کرنے کا۔

اور امام احمدؒ بروایت ہاشمؒ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بنی تمیم کا ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بہت مالدار ہوں اور میرے اہل و عیال بھی ہیں اور مہمانداری بھی خاصی ہوتی رہتی ہے تو آپ مجھے یہ بتائیے کہ میں کس طرح خرچ کروں، اور اس معاملہ میں کیا کروں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مال سے پہلے زکوٰۃ نکال اگر وہ زکوٰۃ کی مقدار کو پہنچتا ہے اس لئے کہ زکوٰۃ مال کو خباثت سے پاک کر دیتی ہے اور پھر اقربا کے ساتھ مالی صلۂ رحمی کر اور سائل، پردیسی اور مسکین کے

---

[1] بخاری کتاب الوصایا۔

Marfat.com

حقوق کی نگاہ داشت کرو اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اس تمام تفصیل کو جامع
اور مختصر الفاظ میں فرما دیجئے (کہ میں اس کو دستور زندگی بنا لوں) تب آپ نے یہ آیت پڑھکر سنا دی

فَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۔ پس ادا کرو قرابت والوں کو ان کا حق اور مساکین کا اور مسافر کا اور ناحق ہرگز خرچ نہ کرو۔

سائل نے یہ سن کر عرض کیا کہ بس یہ میرے لئے کافی ہے [۵۱]

اور امام رازیؒ آیت " وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۔ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

" اسراف " اور " تقتیر " کے متعلق مفسرین نے مختلف وجوہ بیان کی ہیں ان میں سے قوی تر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ معیشت کے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرتے ہیں نہ بیجا غلو کرتے ہیں اور نہ بے محل بخل برتتے ہیں۔ اسی لئے قرآن عزیز میں دوسری جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح مخاطب کیا گیا ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ الآیہ (بنی اسرائیل) اور اپنے ہاتھ کو نہ اپنی گردن کے ساتھ ہی باندھ لو (یعنی بخل نہ کرو) اور نہ بالکل ہی کھول دو (یعنی اسراف نہ کرو) "

اور آیہ " کان بین ذلك قواما " میں " قوام " سے اعتدال اور میانہ راہ مراد ہے۔
یعنی میانہ روی ان کا شعار ہے۔" [۵۲]

اور سید محمود آلوسیؒ روح المعانی میں اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

والظاهر ان المراد بالانفاق ما يعم انفاقهم على انفسهم وانفاقهم على غيرها والقوام اور ظاہر یہ ہے کہ " انفاق " سے اس جگہ عام ہے خواہ وہ ان کی اپنی ذات پر ہو اور خواہ دوسروں پر اور قوام (توسط) ان سب صورتوں میں خیر ہے

---

[۵۱] تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۶۳ [۵۲] ایضاً ج ۶ ص ۳۵۶

| | |
|---|---|
| اور امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابو درداء سے روایت | فی کل ذالک خیر وقد اخرج |
| کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی | احمد والطبرانی عن ابی الدرداء |
| شخص کی دانائی و فرزانگی میں سے یہ بات بھی ہے کہ | عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من |
| وہ اپنی معیشت میں نرمی (اعتدال) اختیار کرے۔ | فقہ الرجل رفقہ فی معیشتہ[1] |

ان تمام حوالجات کا حاصل یہ ہے کہ نصوصِ قرآنی اور حدیثی "معیشت" میں صرف وخرچ کے متعلق یہ چند باتیں بنیادی طور پر ضروری قرار دیتی ہیں۔

(۱) صرفِ مال میں نہ "اسراف" درست ہے نہ "تبذیر" اور نہ "تقتیر" اور تینوں الفاظ کا مفہوم اسلامی اصطلاح کے مطابق مراد ہے نہ کہ صرف لغوی معنی کے مطابق۔

(۲) میانہ روی (اقتصاد) ہی معیشت کی عادلانہ راہ ہے اور صالح اجتماعی نظامِ معیشت کے لئے ایک ذریعہ۔

(۳) "فرد" چونکہ جسم جماعت کا ایک عضو ہے اس لئے اس کی انفرادی آمدنی پر اجتماعی معیشت کے حقوق بھی عائد ہیں اور جس قدر وہ کماتا ہے اسی نسبت سے یہ حقوق اس پر زیادہ ہوتے جاتے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں اس کا نام "انفاق فی سبیل اللہ" ہے۔

(۴) انفرادی معیشت میں اپنی اور اپنے اہل وعیال کی قوت لایموت اور ساترِ عورت لباس اور ضرورتِ رہائش کے مطابق مکان تمام حقوق سے مقدم اور فرضِ اولین ہے اور اس کے بعد وہ تفاصیل ہیں جو گذشتہ صفحات میں زیر بحث آچکی ہیں اور جن کی اجمالی فہرست یہ ہے

(الف) اگر وہ صاحبِ نصاب ہے تو سب سے پہلے صدقاتِ واجبہ (زکوٰۃ وغیرہ) کا ادا کرنا اس کے ذمہ فرض ہے گویا اس صورت میں اجتماعی حق، انفرادی حق پر مقدم ہے۔

(ب) صدقاتِ واجبہ کی ادا کے باوجود "انفرادی مال" پر کچھ اور بھی اجتماعی حقوق عائد ہیں۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ارشاد ہے "وفی المال حقٌ سوی الزکوۃ" مثلاً

[1] تفسیر کبیر جلد ۱۹ ص ۴۲۔

Marfat.com

اگر بیت المال کا خزانہ ہر شخص کی انفرادی معیشت کے لئے پورا نہ ہوسکے تو "خلیفہ" بہ جبر اہلِ دولت سے مال حاصل کر کے اس کمی کو پورا کر سکتا ہے اگرچہ وہ اربابِ دولت، صدقاتِ واجبہ کی ادا سے سبکدوش ہو چکے ہوں۔

(ج) عام انسانی حالات میں صدقاتِ نافلہ یعنی "حقوقِ ثانوی" ایسی حالت میں ادا کئے جائیں کہ اپنے اور اہل و عیال کے لئے مال کا ایک حصہ محفوظ رہے تاکہ وہ "مفلس و قلاش" ہو کر نہ رہ جائیں۔ اس کی تعبیر یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ اس کو مستقبل کے لئے اپنے اور اہل و عیال کے لئے کچھ پس انداز رکھنا مناسب ہے۔ چنانچہ حدیث "خیر الصدقة عن ظهر غنیً" اسی جانب مشیر ہے۔

(د) خاص حالاتِ انسانی میں "ایثار علی النفس" اولیٰ اور افضل ہے یعنی اگر انسانی نفوس، ضبطِ نفس اور صبر کے درجۂ کمال پر فائز ہیں تو "انفاق فی سبیل اللہ" میں تمام مال کو صرف کر دینا محبوب ہے چنانچہ آیت "یؤثرون علیٰ انفسهم ولو کان بهم خصاصة" ان کو اگر ذاتی حاجت بھی ہوتی ہے تب بھی وہ (صحابہ رضی اللہ عنہم) دوسروں کو خود پر ترجیح دیتے ہیں" اور حدیث ابوذر غفاریؓ "افضل الصدقة جهدٌ من مقلٍ" سب سے بہترین صدقہ اس شخص کا ہے جو قلیل المال ہو کر مال کو خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالتا ہے" اور صدیقِ اکبرؓ کا ایک موقعہ پر تمام مال کو خدا کی راہ میں پیش کر دینا" اس ہی مسئلہ کی جانب راہنمائی کرتے ہیں۔[1]

اور اگر اس شرح کے دائرہ کو زیادہ تنگ کرنا ہو تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ انفرادی معیشت میں "اقتصاد" (میانہ روی) مطلوب ہے اور "اکتناز" (اجتماعی حقوق کو نظر انداز کر کے دولت کو خزانہ کرنا) اور "احتکار" (ناجائز وسائلِ معیشت سے مال اکٹھا کرنا) حرام اور مردود ہے۔ اور انفرادی دولت، جماعتی دولت کے لئے ایک ذریعہ ہے نہ کہ اس کے لئے سنگِ راہ۔

---

[1] مالی انفرادی حقوق اور اجتماعی حقوق کے بارہ میں جو آیات اور احادیث صحیحہ وارد ہیں ان سب کے درمیان تعارض و تناقض کو رفع کر کے بہترین تطبیق کی شکل وہی نکلتی ہے جو ان دفعات میں مذکور ہے تفصیل کے لئے فتح الباری ج ۳ ص ۲۲۹ و ۲۳۰ قابلِ مراجعت ہے۔

"صرفِ مال" کا دوسرا حصہ اجتماعی معیشت سے متعلق ہے جس کی تفصیل عنقریب آنیوالی ہے اس لئے اس بحث کا بہت کچھ تعلق اگرچہ حکومت اور فرائضِ حکومت سے وابستہ ہے تاہم فرد چونکہ جماعت ہی کا ایک حصہ ہے اس لئے بلا تکلف یہ مسئلہ انفرادی معیشت میں بھی زیرِ بحث آیا اور اجمالی صورت میں مذکور ہوا چنانچہ قرآنِ عزیز نے افرادِ ملت کو جگہ جگہ اس جانب توجہ دلائی ہے اور نظامِ معیشت میں اس کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور زکوٰۃ اور وراثت کے احکام کے علاوہ "انفاق" کے نام سے بہت زیادہ اس کو نمایاں کیا ہے۔ ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ | اور قرابت والے اور مسکین اور مسافر |
| وَابْنَ السَّبِيْلِ۔ (بنی اسرائیل) | کو ان کا حق دو۔ |
| وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (اعراف) | اور کھیتی کٹنے کے وقت اس کا حق ادا کرو |

امام شعبیؒ کہتے ہیں کہ یہ "حق" زکوٰۃ مفروضہ (عشر) کے علاوہ ہے۔

| | |
|---|---|
| يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ | اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ آپ سے پوچھتے ہیں |
| قُلِ الْعَفْوَ۔ (بقرہ) | کہ کیا خرچ کریں؟ کہدیجئے کہ حاجت سے زائد مال" |
| يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَا | "وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں؟ کہدیجئے |
| اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ | مال میں سے جو کچھ بھی خرچ کرو پس والدین کے لئے ہو |
| الْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَ | اور قرابت والوں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور |
| ابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ | مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے۔ اور جو نیکی |
| فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (بقرہ) | بھی تم کرو بے شبہ اللہ جاننے والا اخبردار ہے۔" |

پہلی آیت میں "عفو" کے معنی بعض معاصر اہلِ علم نے یہ لئے ہیں کہ راس المال خرچ نہ کرو بلکہ اس کا منافع خرچ کرو" مگر یہ معنی کسی طرح صحیح نہیں ہیں اس لئے کہ یہاں سوال میں اس خرچ کا ذکر ہے جو "انفاق فی سبیل اللہ" سے تعلق رکھتا ہے اور دوسری آیت میں مقدار خرچ بتانے کی بجائے کن پر خرچ کیا جائے؟ اس کی تفصیل دی گئی ہے۔ پس یہ دونوں آیات

Marfat.com

یہی رہنمائی کرتی ہیں کہ یہاں نہ سوال کا ہی یہ منشا رہے جو کہ معاصر موصوف نے سمجھا ہے اور نہ جواب سے ہی یہ منشا مستنبط ہوتا ہے بلکہ اس کا صاف اور سادہ مطلب یہ ہے کہ سائل پوچھتا ہے کہ ہم کو انفاق فی سبیل اللہ کی جو ترغیب دی جا رہی ہے تو اس سلسلہ میں کس قدر خرچ کریں جواب دیا جاتا ہے کہ ضروری حاجات سے زائد اگر ہے تو اس پر انفاق کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور دوسری آیت میں اسی سوال کا ذکر کرتے ہوئے یہ تعلیم دی گئی کہ بار بار خرچ کی نوعیت کا سوال غیر ضروری ہے کیونکہ تم کو ابھی بتایا جا چکا ہے اس لئے اب سوال یہ کرنا چاہیئے کہ کن پر خرچ کریں؟ اور اس کا یہ جواب ہے کہ والدین، اقربا، مساکین وغیرہ پر خرچ کرو۔

جمہور مفسرین کا یہی مسلک ہے پس معاصر موصوف نے جو معنی بیان فرمائے ہیں وہ نہ منصوص اور منطوق ہیں اور نہ مستنبط و مستخرج کیونکہ یہاں اس کے استنباط کی گنجائش ہی نہیں ہے اور کیسے ہو سکتی ہے جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین اور جلیل القدر صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی عملی زندگی اس کے خلاف نظر آتی ہے اور وہ اس حکم کے قطعاً پابند نہیں نظر آتے بلکہ بڑے بڑے متمول صحابہؓ کے مصارف کا معمول بھی اس تحدید کے دائرہ سے خارج ثابت ہوتا ہے "کہ وہ رأس المال کو محفوظ رکھتے اور صرف اس کے نفع ہی پر مصارف کا بار ڈالتے ہوں" البتہ بعض وہ صحابہؓ و تابعینؒ جو تجارت پیشہ تھے ان کا یہ معمول اسی طرح رہا ہوگا جس طرح دوسرے تاجروں کا رہتا ہے یعنی ان کا یہ عمل تجارت کے طبعی اصول کے مطابق ہوگا نہ کہ اس لئے کہ وہ قرآن عزیز کی زیر بحث آیت کے معنی یہ سمجھتے اور اس کو منصوص یا مستنبط حکم کی حیثیت میں یقین کرتے تھے۔

علاوہ ازیں رأس المال کو محفوظ رکھتے ہوئے صرف نفع پر مصارف کا بار ڈالنا اگرچہ "اقتصاد" کی ایک بہتر عملی شکل ہے لیکن وہ ملازمت، صنعت و حرفت، اجارہ، کاشتکاری زمینداری، ہر ایک شعبۂ معیشت میں عملی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ پھر ایسا حکم کس طرح عام ہو سکتا، اور معیشت کے تمام شعبوں میں کیسے نافذ العمل قرار پا سکتا ہے؟

Marfat.com

ان آیات کے علاوہ وہ آیات بھی قابلِ لحاظ ہیں جن میں قرآنِ عزیز نے "مومنین" کی امتیازی خصوصیات شمار کراتے ہوئے ان کی عبادت گذاری اور پرہیزگاری کے اوصاف کے ساتھ ساتھ "انفاق فی سبیل اللہ" کا بھی ذکر کیا ہے اور تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ ان مقامات میں "زکوٰۃِ مفروضہ" مراد نہیں ہے۔ مثلاً سورۂ الذاریات میں ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ | اور صبح کے وقت وہ (مومن) اللہ سے معافی طلب |
| وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ | کرتے ہیں اور ان کے مالوں میں حق ہے مانگنے والوں |
| وَالْمَحْرُوْمِ ۔ (الذاریات) | کا اور معاشی زندگی سے ہارے ہوؤں کا۔ |

اور سورۂ المعارج میں ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ | اور وہ جو اپنی نمازوں پر قائم ہیں اور وہ جن کے |
| وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ | مال میں حصہ مقرر ہے سائل کے لئے اور (معاشی |
| لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (المعارج) | زندگی سے) ہارے ہوئے کے لئے۔ |

Marfat.com

# اجتماعی نظامِ معیشت

حیاتِ اجتماعی | اجتماعی حیات کی قدر و قیمت تو ایک امرِ مسلّم ہے مگر اسلام اس کی اہمیت کا راز یہ بتاتا ہے کہ صالح نظامِ اجتماعی اس لئے ضروری ہے کہ وہ افرادِ امت کی صلاح و خیر کا بہترین ذریعہ ہے اور "فرد" کی انفرادیت کا صحیح نشوونما اور اس کے شعبہ ہائے زندگی کی تکمیل "اجتماعی نظام" کے بغیر ناممل ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیجئے کہ ایک انسان اس وقت تک معراجِ انسانیت کو نہیں حاصل کرسکتا جب تک وہ اپنے ان حقوق و فرائض کو ٹھیک ٹھیک نہ ادا کردے جو خدائے تعالیٰ کی مخلوق ہونے اور جماعت کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور یہ حقوق و فرائض اس وقت تک انجام نہیں پاسکتے جب تک کوئی "صحیح نظامِ اجتماعی" موجود نہ ہو۔ اسی لئے قرآنِ عزیز میں جگہ جگہ انفرادی تخاطب کے بجائے اجتماعی خطاب کو ترجیح دی گئی ہے۔ مثلاً وہ جب عمومی خطاب کرتا ہے تو کہتا ہے "ایھا الناس" (اے لوگو) اور اگر مسلمانوں کو خصوصی خطاب سے مخاطب کرتا ہے تو کہتا ہے "یا ایھا الذین اٰمنوا" (اے ایمان والو) اور اسی طرح "اقیموا الصلوٰۃ" (تم سب نماز کو قائم کرو) "اٰتو الزکوٰۃ" (زکوٰۃ ادا کرو) "وللہ علی الناس حج البیت" (اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے بیت اللہ کا حج کرنا) "فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ" (پس تم سب میں سے جو بھی اس مہینہ میں موجود ہو وہ رمضان کا روزہ رکھے) "لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" (اپنے اموال کو آپس میں باطل طریقہ سے مت کھاؤ) "لاتاکلوا الربوٰا" (تم سود نہ کھاؤ) ان تمام مقامات میں جمع کا صیغہ بول کر جماعتی خطاب ہی کو اختیار کیا گیا ہے اور ان تمام آیات سے بھی زیادہ واضح اور اس حقیقت کی آئینہ دار یہ آیات ہیں۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ - (آل عمران) | تم جو انسانوں کی فلاح کے لئے عالم وجود میں لائے گئے ہو، بہترین امت ہو، تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے ہو۔ |
| أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (نساء) | "تم سب اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسولؐ کی اور تم میں سے جو صاحبِ امر ہو اس کی اطاعت کرو" |
| وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔ (آل عمران) | اور تم سب ایک ساتھ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو اور پراگندہ نہ ہو جاؤ۔" |

ان تمام آیات کی روح یہی ہے کہ فرد کی انفرادی زندگی کی تکمیل بغیر اجتماعی نظم کے ناممکن ہے اور اس کی سعادت و فلاح کا انحصار نظمِ اجتماعی کی سعادت و فلاح پر موقوف، یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بصراحت یہ فرمادیا "لا رھبانیۃ فی الاسلام" (اسلام میں جوگیانہ زندگی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے)۔

پھر جبکہ نظامِ اجتماعی کے مختلف شعبوں میں سے وہ شعبہ کہ "باسبابِ ظاہر" جس پر انسان کی جسمانی حیات اور اس کی بقار کا انحصار ہے معاشیات کا شعبہ ہے اور جبکہ یہ شعبہ بھی مثل دیگر شعبہ ہائے زندگی کے انسان کی دینی اور دنیوی دونوں قسم کی عملی جد و جہد میں بڑی حد تک دخیل ہے تو بے شبہ یہ شعبہ بھی اجتماعی زندگی کا ایک اہم جزء ہے اور اس لئے عقل و فطرت بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ انسانوں کے اجتماعی نظام کی سعادت و فلاح کا بہت کچھ مدار اس کے صالح اور بہتر ہونے پر ہے۔

نیز یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ "اجتماعی نظامِ معاشی" اور "نظامِ حکومت" کے درمیان چولی دامن کا سا تعلق ہے۔ کیونکہ کسی بھی اقتصادی نظام کے صالح اور فاسد ہونے کا حال اس سے وابستہ سوسائٹی کے نظام اور نظامِ حکومت سے بخوبی آشکارا ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر کسی جماعت یا سوسائٹی میں مذموم سرمایہ دارانہ روح کارفرما ہے تو اس کے نظامِ حکومت میں ایسا معاشی نظام عالمِ وجود میں آئیگا جس کے ذریعہ سرمایہ دارانہ اصولوں کی سربلندی، حوصلہ افزائی

اور قانونی ذرائع سے ان اصولوں کے لئے ہمہ قسم کی سہولت کار، وجود پذیر ہو سکے۔

اور اگر جماعتی زندگی میں اشتراکِ عمومی (مارکسزم) کا نظریہ جاری و ساری ہے تو بلاشبہ اس نظامِ حکومت میں وہ معاشی نظام منصۂ شہود پر آئے گا جس میں آمدنی و ذرائعِ آمدنی میں انفرادی ملکیت کا سدِ باب کیا گیا ہو اور اگر کسی سوسائٹی کے نظامِ اجتماعی میں صرف حیاتِ دنیا اور حصولِ لذاتِ دنیا ہی زندگی کا مقصدِ وحید قرار پا گیا ہو تو اس کے نظامِ حکومت میں "معاشی نظام" کا سنگِ بنیاد ایسے فلسفہ پر مبنی ہو گا جس میں "خدا" "مذہب" اور "معاد" کے لئے کوئی گنجائش نہ ہو اور بلاشبہ اس معاشی نظام میں طبقاتی جنگ ایک ضروری شے قرار پائے گی۔

اور اگر جماعت کے نظمِ اجتماعی کی نہاد، معاش و معاد دونوں سے وابستہ ہے بلکہ وہ صالح معاشی نظام کی ضرورت ہی اس نظریہ کے ماتحت سمجھتی ہے "کہ اس کے بغیر انسان نہ خدا کا سچا فرمانبردار بن سکتا ہے اور نہ مخلوقِ خدا کا ہمدرد، اور نہ ایسی حالت میں وہ "وحدتِ عام" کا داعی ہو سکتا ہے" تو یقیناً اس کے نظامِ حکومت میں ایسا معاشی نظام بروئے کار آئے گا جو فلسفیانہ موشگافیوں، خوبصورت معاشی نظریوں، اور عملی نظام میں بڑے بڑے دفاتر اور محکموں، اور بجٹ، اور اعداد و شمار کی فراوانیوں، کی بجائے اپنے اندر مخلوقِ خدا کی عام خوشحالی، باہمی اخوت و ہمدردی، طبقاتی کشمکش سے گلوخلاصی، اور اخلاقِ کریمانہ کی سربلندی رکھتا اور ان کا کفیل و ضامن بنتا ہو۔

پس اسلام نے جس اجتماعی نظام کی بنیاد ڈالی ہے وہ ایسے اصولوں پر مبنی ہے جس میں حکومت، سیاست اور معیشت کو ایک طرف خدا پرستی اور مذہب کے ساتھ جوڑا گیا اور دوسری جانب معاشیات میں اس روح کو داخل کیا گیا جس سے عام خوشحالی، عام اخوت و ہمدردی، اور مساوات و مواساۃِ باہمی، کارفرما ہو جائے۔ اس نے کہا کہ تمام کائناتِ ذی روح حقِ معیشت میں مساوی ہے اور وہ تمام معاشی طریقے ناجائز و مردود ہیں جن کی بدولت

Marfat.com

مذموم سرمایہ داری نشوونما پاتی ہے یعنی ایسے طریقے جو دولت کو مخصوص طبقوں میں سمیٹ کر جمع کر دیتے اور عامۂ مخلوقِ خدا کے افلاس اور فقر و فاقہ کے موجب بنتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ دیجئے کہ اس نے "اکتناز" و "احتکار" کو حرام قرار دے کر ان تمام ذرائع کا سدِباب کر دیا جو حقِ معیشت کی مساوات میں رخنہ انداز ہو سکیں۔

نیز اس نے اعلان کیا کہ درجاتِ معیشت میں فطری تفاوت اور انفرادی ملکیت کا انکار بھی غلط اصول پر مبنی ہے کیونکہ قانونِ قدرت (فطرتِ الٰہی) کی جانب سے اس کارگاہِ ہستی میں جو تنوع پایا جاتا، پھر قوائے علم و عمل میں جو تفاوت نظر آتا ہے اس کا میدانِ معیشت کی جد و جہد پر اثر انداز ہونا بلاشبہ فطری اور قدرتی امر ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کے ثمرات و نتائج میں بھی تفاوت نہ ہو۔ پس یہی وہ تفاوت اور تنوع ہے جو شعبۂ معیشت میں "تفاوتِ درجات" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

"تفاوتِ درجات" کا انکار اس لئے بھی غیر فطری شعور ہے کہ یہ کائناتِ انسان کے قوائے عمل میں بڑی حد تک تعطل اور جمود و خمود پیدا کر دینے کا باعث بن جاتا ہے۔

رہا یہ خطرہ کہ ایسی صورت میں پھر تفاوتِ درجات کے مذموم اور غیر فطری نظام کے بروئے کار آ جانے کا اندیشہ بلکہ قوی امکان پیدا ہو جاتا ہے اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اگر فطری درجاتِ تفاوت کے تسلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی نظامِ معاشی کی تمام حدود و قیود کار فرما رہیں تو ناممکن اور محال ہے کہ غیر فطری تفاوت اور غربت و امارت کا مذموم سماجی تنوع کسی حالت میں بھی وجود پذیر ہو سکے۔ چنانچہ آنے والی تفصیلات سے بخوبی اس کا اندازہ ہو جائیگا۔ اور اس اجمال کی تفصیل اور اس کی حقیقت کی وضاحت "انشاء اللہ" بہت جلد آئندہ صفحات میں معاشی نظام کی شرح سے معلوم ہو جائیگی۔

بہرحال اسلام نے عام خوشحالی اور حقِ معیشت کی عام مساوات کو اپنے نظامِ معاشی میں "ریڑھ کی ہڈی" تسلیم کیا ہے اور ایک "صالح معاشی نظام" کو بروئے کار لانے میں جماعتی

نظام اور نظامِ حکومت (خلافت) کو ایسے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا ہے جو متذکرہ صدر اصولوں کی بنیادیں استوار کرتا اور عالمِ انسانی کو باہم معاشی دستبرد اور رقابت کے فتنہ سے بچاتا اور عالمگیر اخوت و ہمدردی کو قائم کرتا ہے۔

یہی وہ نظام ہے جو خلافتِ راشدہ کے دور میں کارفرما رہا اور تاریخ ماضی شاہد ہے کہ اپنی عملی افادیت اور معاشی مقصد کے حصول میں اس دور کا اسلامی معاشی نظام، کائنات کے جدید و قدیم نظامہائے معاشی کے مقابلہ میں عام مرفۃ الحالی اور عام اخوت و ہمدردی کے لئے زیادہ کامیاب ثابت ہوا۔

اور اگر روم و ایران کے اختلاط نے خود مسلم حکمرانوں کو شاہنشاہیت، قیصریت، اور کسرویت کی حرص و آز میں مبتلا اور اسلامی نظامِ حکومت (خلافت) کو خود اپنے ہاتھوں تباہ و برباد نہ کیا ہوتا تو یقیناً دنیا کی تاریخ کا رُخ آج دوسرا ہوتا اور ناقدین کو اس نکتہ چینی کا کبھی موقعہ میسر نہ آتا "کہ اگر اسلام کا معاشی نظام ممکن العمل ہوتا تو اس کا دورِ حیات اسقدر قلیل نہ ہوتا" انھیں کیا معلوم کہ اسلام کے "نظریاتِ معاشی" علمی اور تجربیاتی زندگی میں تمام معاشی نظریات سے زیادہ بلند اور کامیاب ثابت ہوئے لیکن بمصداق ؎

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مسلم حکمرانوں نے اپنی ذاتی حکمرانی کے لالچ میں اس بہترین نظام کو خود اپنے ہاتھوں برباد کر ڈالا۔ کیونکہ وہ یہ برداشت نہ کر سکے کہ خلافت، تنفیذِ قوانینِ الٰہی کے لئے صرف "نیابت" اور "خدمتِ خلق" کی حیثیت میں ظاہر ہو اور وہ ذاتی اقتدارِ اعلیٰ اور شخصی حکومت و صولت کی شکل اختیار نہ کر سکے۔ چنانچہ انھوں نے ایک عرصہ تک اگرچہ نام خلافت ہی کا استعمال کیا مگر ہمیشہ اس کے پردہ میں شاہنشاہی اور سلطانی کو مسند آرا بنائے رکھا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

**نظامِ حکومت** الحاصل اسلام نے جب حریتِ انسانی کا علم بلند کیا تو سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ اس کے اجتماعی نظام میں حکومت، کارفرمائی اور وضع قانونِ اساسی کا معاملہ دنیا کے

Marfat.com

کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ اس کا حقیقی موسس صرف خدائے واحد ہے اور وہی واضع قوانین ہے اور "خلیفہ" اس کے اساسی قانون کی روشنی میں "نیابت" اور "تنفیذ" کی خدمت انجام دیتا ہے۔[۱]

اِنِ الحُکمُ اِلَّا للّٰہ (یوسف) — حکم خدا کے سوا کسی کا حق نہیں ہے۔

مَالِکَ المُلکِ تُؤتِی المُلکَ مَن تَشَآءُ — وہ (خدا) ملک کا مالک ہے جس کو چاہتا ہے دیدیتا

وَتَنزِعُ المُلکَ مِمَّن تَشَآءُ (آل عمران) — ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔

اِنَّ الاَرضَ لِلّٰہِ یُورِثُھَا مَن — بلاشبہ زمین اللہ کے لئے ہی ہے وہ اپنے بندوں

یَّشَآءُ مِن عِبَادِہٖ وَالعَاقِبَۃُ — میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو وارث کر دیتا ہے

لِلمُتَّقِینَ (اعراف) — اور انجام متقیوں کے لئے ہی ہے۔

مَلِکِ النَّاسِ اِلٰہِ النَّاسِ (الناس) — وہ (خدا) انسانوں کا پادشاہ (ہی) انسانوں کا خدا ہے

اَلَا لَہُ الحُکمُ (انعام) — خبردار رہو "حکم" اسی "خدا" کا ہے۔

حیثیتِ امیر | اسی لئے اس نے "حکومت علیٰ منہاج النبوۃ" کے صاحب اقتدار (نائب) کے لئے شاہنشاہ، ڈکٹیٹر اور صدر جمہوریہ اور نیابت کے لئے شاہنشاہیت، ڈکٹیٹر شپ اور جمہوریت[۲] کی تعبیر نہیں کی بلکہ "خلیفہ" اور "خلافت" کے عنوان کو اختیار کیا تاکہ ابتدائی تخیل میں ہی یہ واضح رہے کہ یہاں "نیابتِ الٰہی" اور "خدمتِ خلق" کے علاوہ شخصی اور پارٹی اقتدار کا کوئی مقام نہیں بن سکتا چنانچہ حضرتِ آدمؑ کے لئے ارشادِ ربانی ہے۔

اِنِّی جَاعِلٌ فِی الاَرضِ خَلِیفَۃً (بقرہ) — میں زمین پر اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں۔

---

[۱] حدیث "السلطان ظل اللہ فی الارض" کی تسلیم صحت کے بعد اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر سلطانِ اسلام "خلیفہ" کا طرزِ حکومت منہاج نبوت کے عین مطابق اور نیابتِ فقہ کا صحیح نمونہ ہے تو بلاشبہ وہ "اللہ کا سایہ" ہے۔ ورنہ سلطان بمعنی مطلق العنان شخصی حکمران کے لئے اسلامی نظام حکومت میں قطعاً کوئی جگہ نہیں ہے۔ [۲] اس جگہ جمہوریت کی نفی اس معنی میں ہے جس کا مظاہرہ آج کل امریکہ انگلستان اور بعض دوسرے ممالکِ یورپ میں نظر آتا ہے۔

Marfat.com

اور حضرت داؤدؑ کے لئے ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ۔ (ص) | اے داؤدؑ ہم نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے۔ |
| کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وسیکون بعدی خلفاء فیکثرون قالوا فما تأمرنا؟ قال اوفوا بیعۃ الاول فالاول۔ [1] | بنی اسرائیل کی سیاست (تدبیر امور) ان کے انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ میں تھی، جب کسی نبی کا انتقال ہوتا تو اس کی جگہ دوسرے نبی جانشین ہو جاتے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور عنقریب میرے بعد خلفاء (خلیفہ ہائے خلافت) ہوں گے اور زیادہ ہوں گے صحابہ نے پوچھا کہ آپ ان کے متعلق ہم کو کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جمہور نے جس کو اول چن لیا ہے اس کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ |

بیشک اسلام کے نظامِ حکومت میں خلیفہ کی شخصیت نمایاں ہے مگر ذاتی اور پارٹی کے اقتدار کی خاطر نہیں بلکہ قلمروِ خلافت کے ہر فرد کی خدمت کے لئے، بلاشبہ اس میں جمہوریت کا عنصر روشن ہے لیکن جمہور کے حقوق کی حفاظت کے لئے نہ کہ وضع قوانین وطرزِ حکومت میں مخالف اور موافق جماعت قائم کرنے اور اقلیت واکثریت کی بحث جاری رکھنے کے لئے۔

اس لئے اسلام کا طرزِ حکومت (خلافت) قدیم وجدید طریقہ ہائے حکومت میں سے کسی کے ساتھ تعبیر نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ ان سب سے الگ ایک ایسا روشن نظام ہے جس میں عدل وانصاف کی یکسانیت اور افرادِ امت کی خدمت اصل بنیاد واساس ہے۔ وہ ایک ایسا "شوروی نظام" ہے جس میں "خلیفہ" راہِ حق کا راہنما بھی ہے اور خدمتِ خلق کا خادم بھی، وہ نیابتِ الٰہی کے منصب سے اگرچہ تمام افرادِ امت کا والی ہے لیکن اس کے عزل ونصب میں افرادِ امت

[1] بخاری ومسلم۔

Marfat.com

ذلیل و سہیم ہیں اور وہ مہمات امور میں "شوریٰ" کا پابند ہے اور اہل الرائے کی مشاورت ہی اس کا "عزم" ہے۔ غرض اسلام نے "خلافت" کا ایک ایسا نقشہ پیش کیا ہے جس میں امیر و مامور اور خلیفہ اور جماعت کے درمیان ایک لمحہ کے لئے بھی حاکم و محکوم کا علاقہ قائم نہیں ہونے پاتا اور عدل و انصاف میں مساواتِ عام کو اساس بنا کر جماعتی اور شخصی اقتدار کی جنگ کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ حسب ذیل آثار سے امیرِ اسلام کی حیثیت کے متعلق ایک جھلک معلوم ہو سکتی ہے۔

| | |
|---|---|
| عن الحسن قال کتب عمر الی ابی موسیٰ ان الاعمال مؤداۃ الی الامیر ما ادی الامیر الی اللہ عز و جل۔ ؎۱ | حسنؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو ایک خط لکھا جس میں مذکور تھا "بلاشبہ رعایا کے اعمال اس وقت تک امیر کی طرف رجوع رہیں گے جب تک امیر خدا کی طرف رجوع رہیگا اور نیابت الٰہی کی ذمہ داری کو ادا کرتا رہے گا۔" |
| قال انس بن مالك عن معاذ بن جبل قال یا رسول اللہ أرأیت ان کان علینا امراء لا یستنون سنتك ولا یأخذون بأمرك فما تأمرنا فی امرھم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا طاعۃ لمن لم یطع اللہ. رواہ احمد ؎۲ | حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ یہ فرمائیں کہ اگر ہم پر ایسے امیر مسلط ہو جائیں جو نہ آپ کی سنت پر عمل کرتے ہوں اور نہ آپ کے ارشادات کی پرواہ کرتے ہوں تو ان کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا تو مخلوق پر اس امیر کی اطاعت باقی نہیں رہتی۔ |
| قال علی بن ابیطالب علیہ السلام کلمات اصاب فیھن الحق، قال | حضرت علیؓ فرماتے ہیں چند کلمات ہیں جن میں حق کہا گیا ہے۔ فرمانے لگے امام پر واجب ہے کہ قرآن عزیز |

؎۱ کتاب الاموال ص ۵ ۔ ؎۲ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۲۵۔

Marfat.com

یحق علی الامام ان یحکم بما انزل اللہ — کے مطابق فیصلے دے اور امانت کو شعار بنائے
وان یودی الامانۃ فاذا فعل ذلک — پس اگر اس نے ایسا کرلیا تو لوگوں پر واجب ہے
فحق علی الناس ان یسمعوا لہ و — کہ اس کی سنیں اور اطاعت کریں اور اگر وہ کسی
یطیعوا ویجیبوہ اذا دعاھم[1] — امر کے متعلق بلائے تو اس کو قبول کریں ورنہ نہیں۔"
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت
ما من امتی احد ولی عن امر — میں سے اگر کوئی شخص لوگوں کے معاملات کا والی بنا
الناس شیئا لم یحفظھم بما — اور اس نے ان کے معاملات کی اس طرح حفاظت
حفظ بہ نفسہ واھلہ الا لم یجد — نہ کی جس طرح اپنی اور اپنے اہل وعیال کی حفاظت
رائحۃ الجنۃ۔[2] — کرتا ہے تو جنت کی بو بھی نہ پا سکے گا۔

**التزام جماعت واطاعتِ امیر**

پس اگر خلیفہ، امیر یا امام، نیابتِ الٰہی کے بنیادی اصولوں کا پابند ہے تو پھر اسلام نے جمہور کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ نیابتِ الٰہی کے حامل "خلیفہ" کی پیروی کریں کیونکہ یہ پیروی اس کی شخصیت کی پیروی نہیں ہے بلکہ درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کی پیروی ہے۔ اور اس مسئلہ کو اس درجہ اہم قرار دیا ہے کہ مسلمانوں کے ہر قسم کے جماعتی نظم اور روزمرہ کی زندگی میں بھی "امارت" کے مسئلہ کو دخیل اور کارفرما بنایا ہے چنانچہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی ان حقائق کے لئے شاہدِ عدل ہیں۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ — "اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو
وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (نساء) — اور حاکموں (امیر) کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہوں۔"
اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا — "اور اللہ کی پیروی کرو اور اس کے رسول کی اور
تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ — آپس میں جھگڑا نہ کرو، ایسا کروگے تو تمہاری قوت
رِیْحُکُمْ (الانفال) — سست پڑ جائے گی اور ہوا اکھڑ جائے گی۔"

---

[1] کتاب الاموال ص ۵ و ۶ [2] طبرانی معجم صغیر واوسط منقول از مجمع الزوائد ج ۵

Marfat.com

وَلَاتَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَ هُمُ الْبَيِّنَاتُ۔ (آل عمران)

اوران لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جن کا یہ حال ہے کہ ان کے پاس خدا کی بینات آئیں مگر ان کے بعد بھی وہ ٹکڑے ٹکڑے ہی رہے۔

عن ابی ہریرۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت بنواسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لانبی بعدی وسیکون بعدی خلفاء (الحدیث) [۱]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیا انجام دیتے تھے جب ایک نبی کا انتقال ہوجاتا تو دوسرا نبی پہلے کا قائم مقام آجاتا۔ اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، اور قریب ہے (کہ میرے بعد مسلمانوں کی سیاست) خلفا انجام دیں گے۔

لایحل لثلاثۃ یکون فی الفلاۃ من الارض الا امروا علیھم احدھم [۲]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی اگر چٹیل میدان میں بھی موجود ہوں تو ان کے لئے بغیر اس بات کے کہ اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں زندگی گذارنا جائز نہیں ہے۔

عن ابی ہریرۃ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من خرج من الطاعۃ وفارق الجماعۃ فمات میتۃ جاھلیہ [۳]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہی فرماتے تھے جو شخص اطاعت (امیر) سے باہر ہوگیا اور جماعت سے علیحدہ ہوگیا اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔

لااسلام الا بجماعۃ ولا جماعۃ الا بامارۃ ولا امارۃ الا بطاعۃ [۴]

فاروق اعظمؓ نے فرمایا: اسلام بغیر جماعت کے نہیں ہے اور جماعت امارت کے بغیر نہیں اور امارت بغیر طاعت وپیروی کے نہیں ہے۔

---

[۱] بخاری وترمذی باب الخلافہ۔ [۲] مسند احمد ومشکوۃ باب الامارہ [۳] مسلم ج ۲ ص ۱۲۸۔ [۴] جامع لابن عبدالبر ص ۶۲

عن عروة قال خطب ابو بكر رضي الله عنه فحمد الله واثنى عليه ثم قال اما بعد فاني وليت امركم ولست بخيركم ولكنه نزل القرآن وسن النبي صلى الله عليه وسلم وعلمنا فعلمنا وان اقواكم عندي الضعيف حتى آخذ له بحقه وان اضعفكم عندي القوي حتى آخذ منه الحق۔ ايها الناس انما انا متبع ولست بمبتدع فان انا احسنت فاعينوني وان انا زغت فقوموني اقول قولي هذا واستغفر الله لي ولكم [1]

حضرت عروہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ نے خطبہ دیا، اول اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا "بعد حمد وصلوٰۃ: میں تمہارا امیر بنا دیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، لیکن قرآنِ عزیز نازل ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت (حدیث) کو بیان فرمایا ہم نے ان کو سیکھا اور ان پر عمل کیا اور بلاشبہ تمہارے زبردست میرے لئے اس وقت تک کمزور ہیں جب تک میں ان سے ان پر واجب شدہ حق نہ لیلوں، اور بلاشبہ تمہارے زبردست میرے پاس اس وقت تک زبردست ہیں جب تک کہ میں ان کا غصب شدہ حق واپس نہ لیلوں، اے لوگو! میں (احکامِ اسلام کا) پیرو ہوں، کسی بدعت کا موجد نہیں ہوں پس اگر میں نیکی کی زندگی اختیار کروں تو میری مدد کرو اور اگر کجی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردو، میں یہی باتیں کہتا ہوں اور اپنے اور تمہارے لئے خدا سے مغفرت چاہتا ہوں

عن سلمان قال ان الخليفة هو الذي يقضي بكتاب الله ويشفق على الرعية شفقة الرجل على اهله فقال كعب الاحبار صدق [2]

حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ صحیح معنی میں "خلیفہ" وہی ہے جو کتاب اللہ (قرآن) کے مطابق فیصلہ کرے اور رعیت پر اس طرح شفقت کرے جس طرح ایک شخص اپنے اہل وعیال پر شفقت کرتا ہے۔ کعب الاحبارؓ نے یہ سنا تو کہا، سلمانؓ نے سچ کہا۔

[1] کتاب الاموال لابی عبید ص ۴ و ۵ ۔ [2] کتاب الاموال ص ۵ ۔

شوریٰ اور جس طرح "امتِ مسلمہ" پر لزومِ جماعت اور اطاعتِ امیر کو ضروری قرار دیا، اسی طرح امیر (خلیفہ) پر یہ واجب کیا کہ وہ مہماتِ امور میں اہلِ حل وعقد سے مشورہ کرے اور حسبِ اقتضاءِ معاملات جمہور سے بھی مشورہ کرنا اپنے اہم فرائض میں سمجھے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشادِ ربانی ہے۔

| | |
|---|---|
| وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا | اور ان (صحابہؓ) سے معاملات میں مشورہ کرو |
| عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ۔ | اور جب کسی بات پر تمہارا عزم قائم ہو جائے تو |
| (آل عمران) | پھر صرف اللہ پر بھروسہ رکھو۔ |

علماءِ اسلام کہتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اولوالعزم پیغمبر کے لئے کہ اُن پر شب وروز وحی نازل ہوتی رہتی تھی اور اس لئے مشورہ کے محتاج نہیں تھے؛ مشورہ حاصل کرنے کا حکم نازل ہوا تو خلفاءِ اسلام کے لئے تو یہ امر بلاشبہ وجوب کا درجہ رکھتا ہے اور اسی لئے حکومتِ اسلامی کو "شوروی طرزِ حکومت" کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| لاغنی لولی الامر عن المشاورۃ | امیر (خلیفہ) کو مشورہ کے بغیر چارہ نہیں ہے اس لئے |
| فان اللہ امر بھا نبیہ صلی اللہ | اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو |
| علیہ وسلم فغیرہ صلی اللہ علیہ | دیا ہے تو پھر آپ کی ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے |
| وسلم اولی بالمشورہ ؎۱ | سوا دوسرے تو بہت زیادہ مشورہ کے محتاج ہیں۔ |

اور جب "امیر" مشورہ کرلے تو پھر وہ اہل الرائے کے مشورہ کا پابند ہے اس لئے کہ وہ مشورہ ہی دراصل اس کا وہ "عزم" ہے جس کا ذکر قرآنِ عزیز نے کیا ہے اور اس مسئلہ میں یہ نصِ صریح قطعی اور فیصلہ کن ہے۔

| | |
|---|---|
| عن علیؓ قال سئل رسول اللہ | حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ |
| صلی اللہ علیہ وسلم عن العزم | صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ آیتِ قرآنی میں عزم |

؎۱ السیاسۃ الشرعیہ ص ۵۷۔

فقال مشاورۃ اھل الرائی ثم اتباعھم[1] — سے کیا مراد ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ امیر کا اہل الرائے سے مشورہ کرنا اور پھر ان کے مشورہ کا پابند ہونا ہی عزم ہے۔

اور دوسری جگہ ارشادِ الٰہی ہے۔

وامرھم شوریٰ بینھم (شوریٰ) — اور ان کے (مسلمانوں کے) معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔

اور ان آیات کی وضاحت جس طرح حضرت علیؓ کی حدیث سے ہو چکی ہے اسی طرح حسبِ ذیل آثار و احادیث بھی اس حقیقت کو بخوبی روشن کرتے ہیں کہ اسلام کی نظر میں "خلافت" اور "شوریٰ" کے درمیان کیا نسبت ہے؟

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوکنت مستخلفاً احداً عن غیر مشورۃ لاستخلفت ابن ام عبد[2] — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میں کسی شخص کو بغیر مشورہ کے خلیفہ بناتا تو عبداللہ بن مسعودؓ کو بناتا۔

عن عمر بن الخطاب قال لا خلافۃ الا عن مشورۃ[3] — حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کہ خلافت بغیر مشورہ کے "خلافت" نہیں ہے۔

غزوۂ احد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور معمّر و جلیل القدر صحابہؓ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے مگر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور نوجوانوں کی رائے یہ ہوئی کہ باہر نکل کر جنگ کی جائے۔ جب آپ نے یہ دیکھا کہ اکثریت باہر نکل کر جنگ کرنے کے حق میں ہے تو اسی کے مطابق "عزمِ جنگ" کیا اور مسلح ہونے کے لئے حجرۂ مبارک میں تشریف لے گئے۔ اس دوران میں معمّر صحابہ نے نوجوانوں کو عار دلائی کہ تم نے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عندیہ کا لحاظ کئے بغیر ذاتِ اقدس کو تکلیف میں ڈالا، یہ سن کر نوجوان متاثر ہوئے اور معذرت کرنے کے لئے حجرہ کے سامنے جمع ہو گئے آپ جب باہر تشریف لائے اور نوجوانوں کی معذرت کو

---

[1] تفسیر ابن کثیر و در منثور عن ابن مردویہ بسند حسن [2] مستدرک حاکم [3] کنز العمال۔

سُنا تو فرمایا کہ "عزم" کے بعد اب نبی کی شان نہیں ہے کہ مقصد حاصل کئے بغیر غیر مسلح ہو جائے، چلو اب مدینہ سے باہر ہی میدانِ جنگ قائم ہوگا۔ [1]

عراق و شام کی فتح پر خلیفۃ المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہوئی کہ ان ملکوں کی زمین کو مجاہدین و غانمین میں تقسیم نہیں ہونا چاہئے بلکہ خلافت (اسٹیٹ) کی ملکیت میں رہنی چاہئے تاکہ ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کی ضروریات اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں اس کی آمدنی خرچ ہوتی رہے مگر بعض صحابہ نے جب اس سے اختلاف کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ حل وعقد سے مشورہ کیا اور جب ان میں بھی بات طے نہ ہو سکی اور اختلاف ہنوز باقی رہا تب آپ نے مسجد نبوی میں "اجلاسِ عام" طلب فرمایا۔ اور جمہور کے جمع ہونے پر حمد وثنا کے بعد خطبہ دیا جس کے حسب ذیل جملے قابلِ غور ہیں اور ان سے یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلام کے نظامِ حکومت میں "امیر" کی امارت اور "خلیفہ" کی خلافت کی کیا حیثیت ہے۔

| | |
|---|---|
| انی لم ازعجکم الا لان تشرکوا | میں نے تم کو خواہ مخواہ تکلیف نہیں دی بلکہ اس لئے |
| فی امانتی فیما حملت من | جمع کیا ہے کہ آپ بھی میری اس امانت میں شرکت |
| امورکم فانی واحد کاحدکم | کریں جو ان امور سے متعلق ہے جس کا بوجھ آپ نے |
| وانتم الیوم تقرون بالحق | میرے کاندھوں پر ڈالا ہے بلاشبہ میں بھی تمہاری ہی |
| خالفنی من خالفنی ووافقنی | طرح ایک فرد ہوں اور تم آج حق کا اعلان کروگے |
| من وافقنی ولست ارید | جس کو مجھ سے اختلاف ہو وہ صاف صاف اپنی |
| ان تتبعوا ھذا الذی | رائے ظاہر کرے اور جس کو واقعی اتفاق ہے وہ اتفاق |
| ھوای معکم من اللہ | ظاہر کرے میں ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ میری رائے |
| کتاب ینطق بالحق۔ فواللہ | اور خواہش کی پیروی کریں اس لئے کہ تمہارے پاس |
| لئن کنت نطقت بامر | خدا تعالیٰ کی دی ہوئی کتاب (قرآن) ہے جو حق کیلئے |

[1] فتح الباری ج ۷ باب غزوۂ احد۔

Marfat.com

ارید ما ارید بہ ناطق ہے بخدا میں اگر کوئی بات کہتا ہوں تو میرا ارادہ

الا الحق ۔ ؎ اس گفتار میں حق کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

نیز اسلام کے نظامِ حکومت میں "خلیفہ" کا مقام "خلافت" کے ادارے فرائض کے علاوہ ہر ایک شعبہ ہائے زندگی میں "قانونِ اسلام" یعنی عدل و آئین کی نظر میں دوسروں کے مقابلہ میں کوئی برتری نہیں رکھتا اور اس حیثیت میں امیر و ماموراور راعی و رعایا سب مساوی ہیں۔ چنانچہ مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص ؓ کے بیٹے عبداللہ بن عمرو ؓ نے ایک مصری کو کوڑے سے پیٹا، اس نے حضرت عمر ؓ کے پاس جا شکایت کی۔ حضرت عمر ؓ نے حضرت عمرو بن العاص ؓ کو ان کے بیٹے سمیت مدینہ بلوایا اور ان کی موجودگی میں مصری کو حکم دیا کہ وہ عبداللہ بن عمرو سے اپنا بدلہ لے، عمرو بن العاص ؓ دیکھ رہے تھے اور ان کا بیٹا مصری کے ہاتھ سے پٹ رہا تھا۔ اس کے بعد حضرت عمر ؓ نے فرمایا۔

مذ کم تعبدتم الناس وقد تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا حالانکہ

ولدتھم امھاتھم احرارًا ؎ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا ہے۔

حضرت عمرو بن العاص نے عرض کیا۔

یا امیر المؤمنین لم اعلم اے امیر المومنین۔ اس واقعہ کی مجھے مطلق خبر

ولم یأتنی ؎ نہیں ہوئی اور نہ یہ مصری میرے پاس آیا۔

ایک مرتبہ حضرت عمر ؓ نے اپنے تمام عمال (گورنروں) کو موسمِ حج میں بلایا اور پھر تمام لوگوں کو جمع کر کے تقریر فرمائی کہ میں نے ان "عمال" کو اس لئے بلایا ہے کہ یہ تمہاری جان تمہارے مال اور تمہاری آبرو کے محافظ ہیں نہ کہ مصیبت و تکلیف پہنچانے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اس لئے ان میں سے اگر کسی نے بھی کوئی ظلم کیا ہو اور کوئی دادرسی کا خواہاں ہے تو کھڑا ہو کر کہے تاکہ دادرسی کی جائے۔ یہ سن کر صرف ایک شخص کھڑا ہوا کہ فلاں عامل (گورنر) نے بلاوجہ میرے

؎ کتاب الخراج ص ۲۵۔ ؎ و ؎ حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۔

سو کوڑے مارے اور مجھ کو ستایا۔ تحقیقِ حال کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے شخص تو برسرِ عام اس گورنر کے کوڑے لگا اور اس سے اپنا انتقام لے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ گورنرِ مصر نے یہ دیکھا تو کہا کہ آپ ایسا نہ کریں ورنہ عاملین میں عام بد دلی پیدا ہو جائے گی اور آئندہ کے لئے یہ دستور بن جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| الا اُقیدہ منہ وقد رأیتُ | میں کس لئے اس سے بدلہ دلا کر انصاف نہ کروں جبکہ |
| رسول اللہ صلی اللہ علیہ | میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ وہ |
| وسلم یقید من نفسہ۔ | اپنی ذاتِ اقدس کو بھی بدلہ کے لئے پیش فرما دیتے تھے |
| قم فاستقد ؎۱ | اے شخص کھڑا ہو اور اپنا بدلہ لے۔ |

تب حضرت عمرو بن العاصؓ نے عرض کیا آپ اجازت دیں تو میں اس مظلوم سے بات کر لوں حضرت عمرؓ نے اجازت دیدی تو عمرو بن العاصؓ نے اس شخص کو اس بات پر راضی کر لیا کہ ایک کوڑے کے بدلہ میں دو دینار قبول کرے اور اس طرح دو سو دینار دیت دیکر عامل کو چھٹکارا دلایا۔؎۲

اس روایت میں حضرت عمرؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ غزوۂ بدر میں آپ ایک تیر سے مجاہدین کی صفیں سیدھی کر رہے تھے۔ سواد بن غزیہؓ صف سے کچھ الگ تھے آپ نے چوکا دیکر فرمایا سواد! برابر کھڑے ہو۔

| | |
|---|---|
| فقال یا رسول اللہ اوجعتنی | سواد نے کہا یا رسول اللہ آپ نے مجھ کو تکلیف دی حالانکہ |
| وقد بعثک اللہ بالحق والعدل | اللہ نے آپ کو حق و انصاف کے لئے مبعوث کیا ہے پس |
| فاقدنی فکشف رسول اللہ | آپ اجازت دیجئے کہ میں آپ سے بدلہ لوں رسول اللہ |
| صلی اللہ علیہ وسلم عن بطنہ | صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً اپنا بطنِ مبارک کھولدیا |
| فقال استقد قال فاعتنقہ | اور فرمایا سواد! اپنا بدلہ ضرور لو۔ سواد فوراً آپ کے گلے |
| فقبل بطنہ ؎۳ | سے چمٹ گئے اور بطنِ مبارک کو چوم لیا۔ |

؎۱ و ؎۲ کتاب الخراج ص ۱۱۶۔ ؎۳ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۷۱۔

Marfat.com

عدل وانصاف میں مساوات سے متعلق اسلامی خلافت کے سینکڑوں واقعات میں سے نمونہ کے طور پر صرف یہ دو واقعے نقل کئے گئے ہیں اب معاشی شعبۂ حیات کے چند واقعات بھی ملاحظہ ہوں۔

| | |
|---|---|
| عن عائشۃ قالت لما | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ابوبکر |
| استخلف ابوبکر قال لقد | رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو انھوں نے خطبہ میں کہا |
| علم قومی ان حرفتی لم تکن | یہ بات میری قوم بخوبی جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے |
| تعجز عن مؤنۃ اھلہ و | اہل وعیال کی کفالت سے عاجز نہیں ہے مگر اب میں |
| شغلت بامر المسلمین | مسلمانوں کے معاملات (خلافت) میں مشغول کردیا |
| فیاکل آل ابوبکر عن ھذا | گیا ہوں۔ لہٰذا اب ابوبکرؓ کے اہل وعیال کی |
| المال ویحترف للمسلمین | "قوت لایموت" بیت المال سے ملیگی۔ اور |
| فیہ [1] | ابوبکرؓ مسلمانوں کی خدمت انجام دیگا۔" |
| وکان عمر یرزق العامل | "اور حضرت عمرؓ (ہر گورنر کو) اس کی ضروریات اور |
| بحسب حاجتہ وبلدہ [2] | شہر کے حالات کے پیش نظر مشاہرہ دیا کرتے تھے۔" |
| جمع عمر المسلمین لاول عھدہ | "حضرت عمرؓ نے اپنے ابتدائی عہد میں مسلمانوں کو جمع کیا |
| وقال ما یحل للوالی من ھذا | اور فرمایا؛ خلیفہ کے لئے اس (بیت المال) سے کس قدر |
| المال فقالوا جمیعا اما الخاصتہ | لینا حلال ہے۔ سب نے باتفاق کہا اس کو صرف اپنی |
| فقوتہ وقوت عیالہ لا وکس | ضروریات اور اپنے عیال کی ضروریات کے لئے |
| ولا شطط وکسوتھم وکسوتہ | قوت لایموت لینا چاہیے جس میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی |
| للشتاء والصیف ودابتان | نہ ہونے پائے اور اپنے لئے اور عیال کے لئے سردی اور |
| الی جھادہ وحوائجہ و | گرمی کے کپڑے اور جہاد، روزانہ کی ضرورت، نماز |

[1] کتاب الاموال لابی عبید ص ۲۶۶۔ [2] الاسلام والحضارۃ العربیہ ج ۲ ص ۱۳۱۔

Marfat.com

وصلوته وحجه وعمرته — حج اور عمرہ کے لئے دو سواری کے جانور اور مالِ غنیمت

والقسم بالسویه [۱] — وغیرہ میں سب مسلمانوں کے برابر اس کا حصہ ہے اور بس"

قال عمر انما انا ومالکم — "حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھکو تمہارے مال (بیت المال)

کولی الیتیم ان استغنیت — میں اتنا ہی حق ہے جس قدر کہ یتیم کے ولی کو یتیم

استعففت وان افتقرت — کے مال میں۔ اگر میں رفاہیت میں ہوں گا تو کچھ

اکلت بالمعروف۔ — نہ لوں گا اور اگر حاجتمند ہوں گا تو دستور کے

[۲] — مطابق کھانے کے لئے لوں گا۔

اور یہی حضرت عمرؓ عام خوشحالی کیلئے یہ جذبات رکھتے اور ان کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے تھے۔

اما والله لئن بقیت لارامل — قسم بخدا۔ اگر میں زندہ رہا تو اہلِ عراق کی بیوہ

اهل العراق لادعنهم لا — عورتوں کو ایسا کر جاؤں گا کہ میرے بعد وہ کسی

یفتقرون الی امیر بعدی [۳] — امیر کے پاس حاجتمند بن کر پیش نہ ہوں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہونے سے پہلے بڑے شاہانہ انداز میں رہتے تھے لیکن جب خلیفہ بنائے گئے تو یہ حالت تھی۔

ثم رأیته بعد ان ولی الخلافة — پھر میں نے خلافت کے بعد اُن (عمر بن عبدالعزیزؒ)

یمشی مشیة الرهبان [۴] — دیکھا تو ان کی حالت راہبوں کی سی ہو گئی۔

یعنی موٹا پہنتے تھے اور موٹا کھاتے تھے اور یہ طبعًانہ تھا بلکہ خلافتِ راشدہ کے خصوصی امتیاز کے پیشِ نظر تھا

جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنائے گئے تو حضرت علیؓ نے ان سے کہا۔

ان اردت ان تلحق صاحبك — اگر تم چاہتے ہو کہ تم کو اپنے صاحب (ابوبکرؓ) کی رفاقت

فارقع القمیص ونکس الازار — نصیب ہو تو کرتے پر پیوند ہوں، ازار خستہ ہو،

واخصف النعل وارقع — جوتیوں پر پیوند ہوں، موزے پھٹے پرانے ہوں،

[۱] و [۲] الاسلام والحضارة العربیه ج ۲ ص ۱۲۸۔ [۳] کتاب الخراج ص ۲۷، [۴] ایضاً ص ۱۷۔

الخف وقصر الامل — امیدیں کوتاہ ہو جائیں اور کھانا پیٹ بھر کر
وکل دون الشبع ؎ — نہ کھایا جائے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ جمعہ میں تاخیر سے تشریف لائے اور آکر یہ عذر پیش کیا کہ میرے پاس ایک جوڑا کپڑوں کا ہے اس کو دھو کر خشک کرنے میں دیر ہوگئی۔ حضرت قتادہ اور حسن (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عمرؓ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ ان کے قمیص میں بارہ پیوند تھے اور اکثر پیوند چمڑے کے تھے ؎

جب حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی تو آپ نے منبر پر چڑھ کر بعد حمد و صلوٰۃ یہ تقریر فرمائی

ایھا الناس فانی قد ولیت — لوگو! میں تم پر والی مقرر کیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے
علیکم ولست بخیرکم فان — بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری
احسنت فاعینونی وان اسأت — مدد کرو اور اگر برائی کی طرف جاؤں تو مجھے سیدھا
فقومونی الصدق امانۃ — کرو، سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے،
والکذب خیانۃ والضعیف فیکم — انشاءاللہ تمہارا کمزور بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک
قوی عندی حتی ارجع علیہ حقہ — کہ میں اس کا حق دلا دوں اور تمہارا قوی بھی
انشاء اللہ والقوی فیکم الضعیف — کمزور ہے تاآنکہ میں اس سے دوسروں کا حق واپس
حتی اخذ الحق منہ انشاء اللہ — دلا دوں، جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے
لایدع قوم الجھاد فی سبیل اللہ — اس کو اللہ تعالیٰ خوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری
الاخذلھم اللہ بالذل ولا — عام ہو جاتی ہے اللہ اس کی مصیبت کو بھی عام کر دیتا
تشیع الفاحشۃ فی قوم الاعمھم — ہے۔ اگر میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت
اللہ بالبلاء اطیعونی ما اطعت — کروں تو تم بھی میری اطاعت کرو لیکن جب میں خدا
اللہ ورسولہ فاذا عصیت — اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر بھی میری

؎ کتاب الخراج ص ۱۵۔ ؎ کنز العمال باب فضائل الفاروقؓ و تاریخ ابن کثیر ج ،ص ۱۳۴۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| الله ورسوله فلا طاعة لی علیکم | اطاعت نہیں۔ اچھا اب نماز کے لئے |
| قوموا الی صلوتکم رحمکم الله [1] | کھڑے ہو، خدا تم پر رحم فرمائے۔ |

اور بعض روایات میں اس طرح منقول ہے۔

| | |
|---|---|
| الا وانکم ان کلفتمونی ان | واضح ہو کہ اگر تم مجھے اس پر مجبور کرو کہ میں تمہارے |
| اعمل فیکم بمثل عمل رسول الله | معاملات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح انجام |
| صلی الله علیه وسلم لم اقم | دوں تو میں اس قابل نہیں کہ آپ کی شلیت کا |
| به الا وانما انا بشر ولست | حق ادا کر سکوں، اس لئے کہ میں تمہاری ہی طرح |
| بخیر من احد کم فراعونی | کا ایک انسان ہوں اور تم میں سے ایک معمولی فرد |
| فاذا رائیتمونی استقمت | سے بھی بہتر نہیں ہوں پس تم میری نگہبانی کرو، پس |
| فاتبعونی واذا رائیتمونی | اگر میں راستی اختیار کروں تو میری پیروی کرو اور |
| زغت فقومونی الخ [2] | اگر مجھے کج رو پاؤ تو سیدھا کر دو۔ |

ابو رواحہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے عمال کو ایک مرتبہ یہ تحریر فرمایا۔

"تمام لوگوں کو اپنے نزدیک برابر سمجھو، ان میں قریب اور بعید انصاف اور حق کے معاملہ میں سب یکساں ہیں۔ رشوت لینے اور اپنی خواہش کے تابع احکام دینے سے بچو اور اگر غصہ میں کسی سے جائز مواخذہ کرو تو حق پر قائم رہو، اور دن کی ایک ساعت میں بھی حق کے خلاف نہ ہونے پائے۔ [3]

حضرت عمرؓ کا رعایا کی زندگی کو خوشحال بنانے اور ان کے ہر قسم کے حقوق کی حفاظت کرنے کی انتہائی خواہش کے سلسلہ میں راتوں کو تفتیشِ حالات کے لئے گشت کرنا ایک مشہور تاریخی حقیقت ہے لیکن حضرت عمرؓ اس کو بھی کافی نہیں سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے۔

اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ شب کا گشت تمام قلمرو میں پورے سال کیا کرونگا کیونکہ میں

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ص ۴۲۷ و ۴۲۸ [2] البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۰۱ [3] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۲۹۸

Marfat.com

یہ جانتا ہوں کہ ہر قسم کی کوشش کے باوجود لوگوں کی بعض حاجات یقیناً پوری ہونے سے رہ جاتی ہوں گی۔ کیونکہ وہ مجھ تک پہنچ نہیں سکتے اور عمال شاید ان کو مجھ تک نہ پہنچاتے ہوں۔ اور اس لئے دو مہینے مصر کا دورہ کروں گا۔ دو مہینے بحرین کا اور اسی طرح کوفہ و بصرہ وغیرہ کا۔[1]

ایک مرتبہ صدیقِ اکبرؓ کی زوجۂ محترمہ نے کسی شیریں چیز کے کھانے کی خواہش کی۔ صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا میرے پاس اس قدر گنجائش نہیں ہے کہ تمہاری یہ خواہش پوری کی جاسکے۔ زوجۂ محترمہ نے عرض کیا۔ اجازت دیجئے کہ بیت المال سے جو وظیفہ ہم کو ملتا ہے اس میں سے چند روز تک کچھ پس انداز کرکے خود کو "حلوا" کی خریداری کے قابل بنالیں۔ صدیقِ اکبرؓ نے اجازت دیدی، جب ایک عرصۂ دراز تک پس انداز کرتے رہنے کے بعد انھوں نے ایک حقیر رقم پس انداز کرکے صدیقِ اکبرؓ کو خبر دی تو آپ نے وہ رقم اُن سے منگائی اور بیت المال میں داخل کردی اور فرمایا۔

| | |
|---|---|
| هذا يفضل عن قوتنا | معلوم ہوا کہ ہم اپنی قوت لایموت سے اس قدر زائد |
| واسقط نفقته بمقدار | لے رہے ہیں اور یہ کہکر اس روز سے بقدر اس کے |
| ما نقصت كل يوم وغرمه | آزوقہ میں سے کم کردیا اور گذشتہ کے ہر دن کا حساب |
| لبيت المال من ملك | لگاکر مقدارِ زائد کو اپنی ذاتی ملکیت میں سے بطورِ |
| كان له۔[2] | تاوان بیت المال کو ادا کردیا۔ |

صدیقِ اکبرؓ جب خلیفہ بنائے گئے تو ایک روز وہ اپنے ہاتھ پر چند چادریں ڈالے ہوئے بازار جارہے تھے، راہ میں حضرت عمرؓ ملے۔ انھوں نے کہا کہ "اولی الامر" بننے کے بعد یہ تجارتی کاروبار کیسا؟ صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا کہ آخر میں اہل وعیال کی معاش کی کیا سبیل کروں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ چلئے ابوعبیدہؓ آپ کی ضروریات دیکھکر بیت المال سے وظیفہ کی مقدار متعین کردیں گے، چنانچہ دونوں حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس پہنچے۔ انھوں نے فرمایا کہ میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ آپ کو ایک

[1] طبری عن الحسن۔ [2] اشہر مشاہیر الاسلام ج ا ص ۹۳۔

Marfat.com

عام مہاجر کو جو وظیفہ ملتا ہے وہی دیا جائے نہ زیادہ نہ کم اور گرمی جاڑے کے کپڑے۔

| | |
|---|---|
| ففرضا لہ کل یوم نصف | پس دونوں (عمرؓ و ابو عبیدہ) نے ابو بکرؓ کے لئے |
| شاۃ وما کساہ فی الراس | روزانہ خوراک میں آدھی بکری اور اس قدر لباس کہ |
| والبطن۔ ؎۵۲ | سر اور پیٹ کو ڈھک سکے مقرر کر دیا۔ |

ابن سعدؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ دوپہر کے وقت مسجد نبوی کے صحن میں کچی اینٹ کا تکیہ سر کے نیچے رکھے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ میں نے گھر جا کر اپنے والد سے دریافت کیا کہ ایسا حسین و جمیل شخص اس حالت میں کون تھا جو مسجد میں لیٹا ہوا تھا، والد نے کہا یہ امیر المومنین عثمانؓ ہیں ؎۵۳

ابو الفرات کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ نے کسی بات پر غصہ میں اپنے غلام کا کان پکڑ کر مروڑ دیا مگر فوراً ہی بعد غلام سے کہا کہ مجھ سے غلطی ہوئی تو بھی میرا کان پکڑ کر مروڑ تاکہ بدلہ پورا ہو جائے۔ باصرار کہنے پر غلام نے معمولی طور پر کان کو ہاتھ لگا دیا فرمایا نہیں خوب زور کے ساتھ مروڑ اور پھر فرمایا

| | |
|---|---|
| یا حبذا قصاص فی الدنیا | وہ بدلہ کس قدر اچھا ہے کہ دنیا میں ہی لے لیا جائے اور |
| لا قصاص فی الآخرہ ؎۵۳ | آخرت میں اس کا وبال (بدلہ) نہ بھگتنا پڑے۔ |

ایک مرتبہ اپنے عمال (گورنروں) کو تحریر فرمایا۔

| | |
|---|---|
| اما بعد فان اللہ امر الائمۃ | بعد حمد و صلوٰۃ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے امام یا امیر کو |
| ان یکونوا رعاۃ ولم یتقدم | یہ حکم فرمایا ہے کہ وہ قوم کے نگہبان اور چرواہے ہوں |
| الیھم ان یکونوا جباۃ الخ | اور اس نے ان کو اس لئے امیر نہیں بنایا کہ وہ قوم کو |
| ؎۵۴ | ٹیکسوں کے بوجھ سے دبا دیں۔ |

؎۵۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۱۳۷ و اشہر مشاہیر الاسلام ج ا ص ۹۳ ؎۵۲ ابن کثیر ج ۷ ص ۲۱۳
؎۵۳ اشہر مشاہیر الاسلام ج ۴ ص ۹۰۴ ؎۵۴ ایضاً ج ۴ ص ۷۵۱۔

Marfat.com

اور ابن عبد البر نے استیعاب میں نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن ابی ہذیل کہتے ہیں میں نے حضرت علیؓ کو خلافت کے زمانہ میں اس حال میں دیکھا ہے کہ ان کے بدن پر ایک موٹا کرتا تھا جو پرانا بھی تھا اور ایک روایت میں یہی کہتے ہیں کہ میں نے کوفہ کی مسجد میں حضرت علیؓ کو دیکھا کہ وہ موٹی چادروں میں تقویٰ، صدق گفتاری، حسن معاملت وغیرہ کی تلقین فرماتے پھرتے تھے۔ [۵۱]

اور ابو نعیم نے حلیہ میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ بیت المال میں سونا چاندی بہت زیادہ آیا اور بیت المال پُر ہو گیا تب آپ نے اس سب کو مستحقین میں تقسیم کر دیا اور جب کچھ نہ رہا تو جھاڑو دلا کر وہاں دو رکعت نماز ادا کی اور فرمایا یہ اس لئے کیا کہ یہ زمین قیامت میں میری شہادت دے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا لوگو! میں نے تمہارے مال فے میں سے کچھ بھی نہیں لیا۔ صرف یہ ایک شیشی ضرور لی ہے جو در اصل میرے آزاد شدہ غلام دہقان کے حصہ میں آئی تھی اور اس نے مجھکو ہدیہ کر دی ہے [۵۲]

"امارت" و "خلافت" کا یہی تصور اور اس کی عملی ذمہ داریوں کا یہی نقشہ ہے جس کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات عالیہ میں یہ واضح فرما دیا ہے کہ جو شخص اس ذمہ داری کا اہل نہ ہو اور وہ اپنی زندگی کو تج کر پبلک خدمت کے لئے وقف نہ ہو سکے وہ محض "اقتدار" کی خاطر اس کو قبول نہ کرے ورنہ خدا کے سامنے ذلیل و رسوا ہونا پڑے گا۔

| | |
|---|---|
| حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے | عن ابی ذر قلت یا رسول اللہ |
| ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں | الا تستعملنی قال انک |
| عرض کیا کہ مجھے آپ عامل (گورنر) کیوں نہیں بنا دیتے | ضعیف وانها امانة و |
| فرمایا تم کمزور ہو اور یہ امانت ہے اور بلاشبہ یہ قیامت | انها یوم القیمة خزی و |
| کے دن رسوائی اور ندامت کا باعث ہوگی مگر یہ کہ کوئی | ندامة الا من اخذها |

[۵۱] حیات ابی طالب ص ۱۱۰ - [۵۲] ایضاً۔

Marfat.com

بحقها وادی الذی علیه فیها ۵۱

اس کے حقوق وفرائض کے ساتھ اس کو لے اور ٹھیک ٹھیک ان حقوق وفرائض کو انجام دے"۔

عن عبدالرحمن بن سمرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا عبدالرحمن بن سمرة لاتسأل الامارة فانك ان اعطیتها عن غیر مسئلة اعنت علیها وان اعطیتها عن مسئلة وُکلت الیها ۵۲

حضرت عبداللہ بن سمرۃؓ فرماتے ہیں، مجھ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اے عبدالرحمن! تم کبھی "امارت" کی خواہش نہ کرنا اس لئے کہ اگر تم کو بغیر خواہش اور طلب کے "امیر" بنا دیا گیا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہاری مدد اور اعانت کی جائے گی اور اگر تمہارے سوال پر تم کو امارت دی گئی تو اس کا سارا بوجھ تم ہی پر ڈال دیا جائے گا (یعنی خدا کی مدد سے محروم ہو جاؤ گے)"۔

عن ابی هریرة قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انکم ستحرصون علی الامارة وستکون ندامة یوم القیمة ۵۳

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ وقت قریب ہے کہ بلاشبہ تم امارت (خلافت) پر متمکن ہونے کے لالچی بن جاؤ گے اور یقیناً وہ قیامت کے دن تمہارے لئے ندامت کا باعث ہوگی۔

اور اسی مقدس تعلیم کا یہ نتیجہ تھا کہ خلفاءِ راشدینؓ "خلافت" کے حقوق وفرائض کو بدرجۂ اتم انجام دینے کے باوجود بھی یہی محسوس کرتے رہے کہ ہم اس اہم خدمت سے پوری طرح عہدہ برآ نہ ہو سکے اور اس لئے خدا تعالیٰ کے یہاں جوابدہی کے خوف سے لرزہ براندام نظر آیا کئے۔

سیوطیؒ نقل کرتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عامر کہتے ہیں حضرت عمرؓ فریضۂ خلافت کی اہمیت اور ذمہ داری کو جب زیادہ محسوس فرماتے تو زمین سے مٹی اٹھا لیتے اور فرماتے۔

"اے کاش میں مٹی ہوتا بلکہ کچھ بھی نہ ہوتا اور میری ماں مجھ کو نہ جنتی"۔ ۵۴

۵۱ مسلم کتاب الزکوٰۃ۔ ۵۲ بخاری ومسلم باب الامارۃ۔ ۵۳ بخاری ومسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ۔
۵۴ کنز العمال ج ۶ باب فضائل الفاروق رضؓ۔

اور آخر وقت میں جب لوگوں نے آپ کی خلافت کے زمانہ کے مناقب بیان کر کے ان کو آخرت کے اجر کی بشارتیں سنائیں تو فرمانے لگے۔

ولوددت انی نجوت من هذا الامر كفافاً لا لی ولا علی [۱] — اور میں تو یہی محبوب رکھتا ہوں کہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کے یہاں اس امر خلافت کے مواخذہ سے برابر سرابر نجات پا جاؤں نہ مجھ سے مواخذہ ہو اور نہ انعام ملے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ساری رات مصلّی پر بیٹھے روتے رہے صبح کو زوجۂ محترمہ نے اس غیر معمولی رنج و غم کا حال دریافت کیا تو فرمایا۔

میرا حال یہ ہے کہ اسود و احمر تمام امتِ مسلمہ کا میں والی ہوں تو میں سوچتا ہوں کہ دور دور اقطاع و امصار میں ایسے ناتواں مسافر ہوں گے جو قناعت اور تنگ حالی کی وجہ سے برباد ہو رہے ہوں گے بہت سے محتاج فقیر بہت سے مجبور قیدی اور اسی طرح بہت سے کمزور ناتواں ہوں گے۔

فعلمت ان الله تعالیٰ سائلنی عنهم وان محمدا حجیجی منهم فخفت ان لا یثبت لی عند الله عذر ولا یقوم لی مع محمد صلی الله علیه وآله وسلم حجة فخفت علی نفسی الخ [۲] — پس مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارہ میں مجھ سے ضرور سوال کریگا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جانب سے ضرور مجھ سے جھگڑیں گے سو میں ڈر رہا ہوں کہ اس وقت اللہ کے حضور میں کوئی عذر پیش نہ کر سکوں گا اور نہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے کوئی حجت لا سکوں گا تو یہ رنج و غم اسی خوف کی وجہ سے ہے۔

الحاصل یہ ہے "اسلامی حکومت" کا وہ مختصر خاکہ جو خلافت اور نیابتِ الٰہیہ کے نام سے قائم ہوئی اور جماعت کے نظامِ اجتماعی کے مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی حقوق و فرائض میں راعی اور رعیت یا امیر اور مامور غرض جماعت کے ہر فرد کو "مساواتِ عدلی" کی ترازو میں

---

[۱] شہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۲۷۷ [۲] کتاب الخراج ص ۱۷۔

وزن کرتی ہے اور اسی ماحول میں ایسے اقتصادی اور معاشی نظام کو بروئے کار لاتی ہے جو صالح ہونے کی بدولت جماعت کے ہر فرد کے خوش حال ہونے اور مطمئن زندگی بسر کرنے میں ہر قسم کی مدد دیتا ہے۔

اور اس کے برعکس اُس نظامِ حکومت کو اسلام "ملعون" قرار دیتا ہے جو انسانوں کے درمیان اس لئے بروئے کار لایا جائے کہ اس کے ذریعہ صرف شخصِ واحد یا کسی پارٹی اور جماعت کی جابرانہ اغراض کو پورا کیا جاتا ہو اور اس کی وجہ سے خدا کی مخلوق کے مابین اخوت و مواسات اور باہمی ہمدردی کے بجائے ظالم اور مظلوم کا تعلق قائم ہوتا اور ایک دوسرے کے خلاف معاشی دستبرد یا جماعتی رقابت و طبقاتی جنگ کے نمایاں ہونے میں مدد ملتی ہو۔ چنانچہ اسی قسم کے نظامِ حکومت کے متعلق قرآنِ عزیز نے اس طرح ذکر کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ | بلاشبہ فرعون نے (خدا کی) زمین میں اُدھم مچا رکھا ہے اور |
| وَجَعَلَ اَھْلَھَا شِیَعًا | اس کے (مصر کے) باشندوں میں پھوٹ ڈال کر اس نے |
| یَسْتَضْعِفُ طَآئِفَۃً مِّنْھُمْ | پارٹیاں بنا دی ہیں، ان میں سے ایک گروہ (بنی اسرائیل) |
| یُذَبِّحُ اَبْنَآءَھُمْ وَیَسْتَحْیٖ | کو کمزور کرتا رہتا ہے ان کے لڑکوں کو ذبح کرتا اور ان کی |
| نِسَآءَھُمْ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ | لڑکیوں کو (باندیاں بنانے کے لئے) زندہ رکھتا ہے بیشک |
| وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ | وہ مفسدوں میں سے ہے اور ہم نے ارادہ کرلیا ہے |
| اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَ | کہ جو زمین (مصر) میں کمزور ہیں ان پر احسان کریں اور |
| نَجْعَلَھُمْ اَئِمَّۃً وَّنَجْعَلَھُمُ | ان کو قوموں کا پیشوا بنائیں اور (اپنی زمین کا) ان کو |
| الْوٰرِثِیْنَ۔ (القصص) | وارث بنائیں۔ |

فرعونی اور طاغوتی طریقِ حکومت کا یہی سب سے بڑا نمایاں امتیاز ہے جو حکومتِ ربانی کے مقابلہ میں اپنے اسلحۂ شر و فساد سے مسلح ہو کر سامنے آتا اور وہ بادشاہ، ڈکٹیٹر یا صدرِ جمہوریہ اور یا کسی پارٹی اور جماعت کے جابرانہ اقتدار کی ترقی کے لئے ایسے قوانین بناتا ہے کہ جس سے

نظم و حکومت کے مختلف عناصر میں پھوٹ ڈالی جائے اور کسی کو کمزور اور کسی کو قوی بنا کر جماعتی رقابت پیدا کی جائے تاکہ اخوتِ عام اور ہمہ گیر مواسات کبھی بروئے کار نہ آسکیں اور خدا کی یہ تمام مخلوق ایک کنبہ اور ایک برادری نہ بن سکے۔ اسی لئے نائبینِ خلافت ہمیشہ عمالِ خلافت کو تنبیہ کرتے رہتے تھے کہ ایسا نہ ہو حکومتِ حقہ (خلافت) حکومتِ طاغوتی کی شکل اختیار کرلے۔

وکتب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ الی ابی موسیٰ: اما بعد فان اسعد الرعاۃ عند اللہ من سعدت بہ رعیتہ وان اشقی الرعاۃ من شقیت بہ رعیتہ وایاک ان ترتع فترتع عمالک ۔ ۱

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ کو لکھا: بعد حمد و صلوٰۃ یہ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر والی وہ ہے جس کی رعایا خوشحال ہو اس کے ساتھ ہو اور سب سے بدبخت والی وہ ہے جس کی رعایا بدحال اور پریشان بال ہو تجھکو بھی اس سے بچنا چاہئے تاکہ تیرے کارندے (ماتحت افسر) بھی ظلم و کجی نہ کرسکیں۔

اور اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اس قسم کے ارشادات گرامی سے مذکورۂ بالا حقیقت کو واضح فرماتے رہے۔

کلکم بنو آدم وآدم خلق من تراب ۔ ۲

تم سب انسان اولادِ آدم ہو، اور آدم کو خدا نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

الخلق کلہم عیال اللہ فاحبہم الی اللہ انفعہم لعیالہ ۳

تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے پس اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اس کے کنبہ کے حق میں مفید ہو۔

بہرحال اسلام نے نظامِ حکومت کا جو نقشہ تیار کیا ہے اس میں نہ مذموم سرمایہ داری کا گذر ہو سکتا ہے اور نہ طبقاتی جنگ کا امکان ہے۔ اس کا معاشی نظام نہ افراد کے انفرادی حقوق کو سلب کر کے تعطل و جمود پیدا کرتا ہے اور نہ افراد کو جماعتی زندگی سے کاٹ کر بالکل آزاد چھوڑتا ہے اور بلاشبہ اس کا معاشی نظام نفع بازی کی بنیادوں پر نہیں بلکہ انسانوں کی

۱ سیرت عمر بن الخطاب ۲ تفسیر ابن کثیر سورہ حجرات و مجمع الزوائد باب البر والصلۃ ۳ جامع صغیر ج ۱ بحوالہ طبرانی

Marfat.com

حاجت روائی کی اساس پر قائم ہے۔ اس کی معیشت کا دستر خوان فاتح و مفتوح، آزاد و غلام اسود و احمر اور مسلم و کافر سب کے لئے وسیع ہے وہ زیر دستوں پر ارباب قوت کو مسلط نہیں ہونے دیتا اور ارباب دولت کو حصولِ دولت میں اس طرح آزاد نہیں چھوڑتا کہ وہ غریبوں کو اپنا آلۂ کار بنا لیں، وہ سب کو بخشتا ہے اور کسی کو محروم نہیں کرتا اور مزدور و کاشتکار ہی نہیں بلکہ ہر زیر دست کو بلند کرتا اور جماعت کے ہر فرد کے درمیان اخوتِ عام اور عالمگیر مواسات کا رشتہ قائم کرتا ہے۔

مولانا ابو الکلام نے کیا خوب لکھا ہے۔

"اسلام نے سوسائٹی کا جو نقشہ بنایا ہے اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بن جائیں تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا ہو جائے گا جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑ پتی ہوں گے نہ مفلس و محتاج طبقے ایک طرح کی درمیانی حالت غالب افراد پر طاری ہو جائے گی۔" [1]

غرض اس کا معاشی نظام عام خوشحالی اور رفاہیت و طمانیت کا کفیل اور ذمہ دار ہے اور یہی "کفالت" معاشی نظام کی ضرورت کا "حاصل" ہے۔

اس لئے اب ہمارا فرض ہے کہ اسلام کے "معاشی نظام" کی تفاصیل کو نقل کریں اور بتائیں کہ اس نے اس سلسلہ میں جو نقشہ تیار کیا ہے وہ کیا ہے اور گذشتہ اوراق میں اجمالاً جو کچھ کہا گیا تفصیلی احکام اس کی تصدیق کرتے ہیں یا نہیں؟

[1] ترجمان القرآن ج ۲۔

Marfat.com

# اجتماعی معاشی نظام

اسلام نے "اجتماعی معاشی نظام" کا جو خاکہ پیش کیا ہے اگرچہ اس کا تعلق بہر صورت حکومت (خلافت) کے ساتھ ہے اور خلافت ہی کا اس پر کنٹرول ہے تاہم اپنی تفصیلات کے اعتبار سے اس کو دو حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک وہ حصہ جس کا تعلق براہِ راست "خلافت" کے ساتھ ہے اور دوسرا وہ حصہ جو پبلک اور جماعت کے اعمال کے واسطہ سے "خلافت" سے متعلق ہے۔

جس حصہ کا تعلق براہِ راست خلافت سے ہے اس کے عنوان یہ ہیں۔

(۱) "بیت المال کا قیام" یعنی ایک ایسے مالی مرکز کا قیام جو حکومت کے معاشی نظام اور نظامِ حکومت کی مالی ضروریات کا کفیل ہو چنانچہ معاشی نظام کے سلسلہ میں اعداد و شمار کا نظم، وظائف، وسائلِ معیشت کی توسیع و احکام اور ہر فرد کے حقِ معیشت کی کفالت اسی شعبہ سے متعلق ہے۔

(۲) "زمین سے متعلق احکام" یعنی مفتوحہ علاقوں میں "زمین" کو "خلافت کی مِلک" رکھنے، یا افرادِ امت میں تقسیم کر دینے، نیز زمین کی ملکیتِ انفرادی میں حکومت کی مداخلت و عدم مداخلت کے اختیارات کی تفصیل، چنانچہ زمینداری سسٹم کے متعلق اسلامی رجحانات اور زمیندار و کاشتکار کے حقوق و فرائض کی تقسیم جیسے مسائل اسی شعبہ سے متعلق ہیں۔

(۳) "جملہ شعبہ ہائے مال پر کنٹرول" یعنی انفرادی ملکیت کو صحیح تسلیم کر لینے کے باوجود حکومت "خلافت" کے اختیاراتِ امتیازی کے معاملات۔ چنانچہ انفرادی ملکیت کی تحدید اور مالی شعبوں میں حکومت کی مداخلت و عدم مداخلت کے مسائل اسی شعبہ سے وابستہ ہیں۔

Marfat.com

اور جس حصہ کا تعلق جماعت اور پبلک کے واسطہ سے حکومت (خلافت) سے ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) "انفاق کا وجوب" زکوٰۃ وصدقات (یعنی ذاتی ملکیت پر ٹیکس) وراثت (یعنی تقسیم دولت کا قانون) اور وقف اسی شعبہ سے متعلق ہیں۔

(۲) "اکتناز واحتکار کی حرمت" سود، قمار اور مذموم سرمایہ داری کا انسداد، تجارتی بدعنوانیوں کی بندش اور عقود واجاراتِ فاسدہ کا انکار اسی شعبہ کی شاخیں ہیں۔

(۳) "حلال وطیب کسبِ معیشت" یعنی جائز تجارت اور صنعت وحرفت کی ترغیب، جائز وسائل وذرائع معاشی میں افرادِ امت کے لئے سہولتیں، اور زمین سے متعلق انفرادی ملکیت کی خاص صورتیں، اسی شعبہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

معاشی نظام کے بیان کردہ ہر دو حصص اور ان کے متعلقات کو ایک سلک میں منسلک کرنے اور مسائلِ معاشی کو مناسب طریقہ پر بیان کرنے کے لئے اس طرح مرتب فہرست کی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

| حصہ اول کے شعبے | حصہ دوم کے شعبے |
|---|---|
| (۱) بیت المال کا قیام | (۱) صدقاتِ نافلہ |
| (۲) اعداد وشمار کا انتظام | (۲) اوقاف |
| (۳) وظائف کا تقرر | (۳) ہبہ |
| (۴) وسائلِ معیشت کی توسیع | (۴) وصیت |
| (۵) انفرادی ملکیت کی تحدید۔ | (۵) قرضِ حسنہ |
| (۶) سرمایہ ومحنت میں توازن کے اصول | (۶) عاریت |
| (۷) زمین سے متعلق خصوصی احکام | (۷) امانت |

Marfat.com

# حصّہ اوّل کے شعبے

## بیت المال

سرکاری خزانہ یا مالی مرکز

اسلام کے معاشی نظام کو بروئے کار لانے کے لئے حکومتِ ربانی (خلافتِ اسلامی) کے لئے خزانۂ سرکاری کا وجود ضروری ہے اور اس خزانہ کے محفوظ مقام کو "بیت المال" کہتے ہیں۔ اور اگرچہ کبھی کبھی بیت المال کا اطلاق وسعت کے ساتھ پورے مالی نظام پر بھی کر دیا جاتا ہے۔ تاہم عام اصطلاح کے مطابق مرکزی خزانہ کے محفوظ مقام ہی پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

مرکزی بیت المال کی صوبہ وار اور ضلع وار شاخیں بھی ہوتی ہیں اور ان سے مقامی ضروریات کی کفالت مرکز کے احکام کے مطابق انجام پاتی ہے۔ "بیت المال" قلمرو خلافت کی ان تمام آمدنیوں کا حامل ہوتا ہے جو اسلامی احکام کے مطابق خزانۂ سرکاری میں داخل ہونی چاہئیں اور اسی طرح وہ ان تمام مصارف کا بھی کفیل ہے جو حاجات و ضروریاتِ اجتماعی و انفرادی کے پورا کرنے کے لئے ضروری قرار دیئے جائیں۔ اسی لئے بیت المال "آمدنی" اور اس کے "مصارف" کے اصولوں کو اسلامی نظامِ حکومت میں متعین کر دیا گیا ہے البتہ ان کی تفصیلات اور اصول کے ماتحت جزئیات کا انطباق خلیفہ اور اس کی مجلسِ شوریٰ کے ہاتھ میں ہے۔

اصولی طور پر ان مدات کی فہرست اس طرح دی جا سکتی ہے۔

| مداتِ آمدنی | مداتِ صرف |
|---|---|
| (۱) عُشر | (۱) رفاہِ عامہ |
| (۲) خراج | (۲) وظائفِ تعلیمی و فوجی و انفرادی۔ |
| (۳) جزیہ | (۳) مصارفِ ثمانیہ |
| (۴) زکوٰۃ | (۴) شعبہ ہائے حکومت کے مصارف |

Marfat.com

(۵) صدقات

(۶) فیٔ

(۷) خُمس

(۸) ضرائب

(۹) (کرار الارض)

(۱۰) عشور

(۱۱) وقف

(۱۲) اموالِ فاضلہ

یعنی مسلمانوں کی مملوکہ آراضی کے ایک بڑے حصہ کی سالانہ مالگذاری "عُشر" کہلاتی ہے اور ذمیوں کی آراضی کی سالانہ مالگذاری کا نام "خراج" ہے۔ اسی طرح سرکاری آراضی کی آمدنی "کرار الارض" (لگان) کے نام سے موسوم ہے اور مسلمانوں کے اموالِ نقود، اموالِ تجارت، اور بہائم کے ریوڑ پر عائد شدہ سالانہ مقررہ ٹیکس کو "زکوٰۃ" اور غیر مقررہ کو "صدقات" کہا جاتا ہے اور ذمیوں پر سالانہ مقررہ ٹیکس کو "جزیہ" کہتے ہیں، اور بغیر جنگ کئے حاصل شدہ مالِ غنیمت کو "فیٔ" کہا جاتا ہے، اور جنگ کے ذریعہ حاصل شدہ مالِ غنیمت کا مقررہ حصہ اور معدنیات اور پوشیدہ خزانہ (رکاز) کی مقررہ رقم "خمس" کے عنوان سے معنون ہے اور مستامن حربی یا ذمی یا مسلمان کے اموالِ تجارت کی درآمد و برآمد کے محصول (ڈیوٹی) کو "عشور" کہتے ہیں۔ اور رفاہِ عامہ اور وقتی ضروریات کے لئے عائد شدہ ٹیکسوں کا نام "ضرائب" ہے۔ اور سرکاری معدنیات اور متفرق آمدنی کو "اموالِ فاضلہ" کہا جاتا ہے۔ اور مذہبی اوقاف کی آمدنی "اموالِ وقف" سے موسوم ہے۔

اور یہ تمام مدات بیت المال کی آمدنی شمار ہوتی اور بیان کردہ انواعِ مصارف پر خرچ کی جاتی اور اس طرح اسلام کے معاشی نظام کا اہم جز قرار پاتی ہیں، لہٰذا ان

مدات کی مختصر مگر ضروری تفاصیل محتاج بیان ہیں تاکہ بیت المال کے آمد و صرف کی تشریح میں مدد مل سکے۔

**سوسائٹی کے افراد اور بیت المال**

بیت المال سے متعلق مدات کی تشریح سے قبل اس حقیقت کا جاننا ضروری ہے کہ اسلام کا "نظامِ اجتماعی" سوسائٹی کے جن افراد پر حاوی ہے ان کی تفصیلات کیا ہیں؟ اسلام کی بنیادی تعلیم پر اگر دور رس نظر ڈالئے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ وہ ایک ایسا مذہب نہیں ہے جو صرف چند روحانی اور اخلاقی عبادات کی تعلیم دے کر کسی شخص یا جماعت کو مرتاض اور زاہدِ شب زندہ دار بنا دینا چاہتا ہے نہیں۔ بلکہ وہ ایک ایسے انقلاب کا داعی ہے جو عبادات و اخلاق کی برتری کے ساتھ ساتھ نظامِ اجتماعی کے ہر شعبہ پر حاوی ہو۔ اور اس لئے اس نے حکومت، سیاست، معیشت، غرض زندگی کے ہر شعبہ میں ایک نئے قسم کا انقلاب برپا کر دیا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ "مذہب" سوسائٹی اور سماج کے بنائے ہوئے چند قوانین کا نام نہیں ہے کہ وہ حالات اور رجحانات کی تبدیلی کے ساتھ بدلتے رہیں، بلکہ وہ ایسے چند بنیادی اصول کے مجموعہ کا نام ہے جو خالقِ کائنات کے فرمودہ ہیں اور جنہیں تبدیلی کا مطلق امکان نہیں ہے مثلاً خدا کی ہستی اور توحیدِ خالص کا اقرار، رسالت، کتبِ سماوی، ملائکۃ اللہ، آخرت، حشر و نشر اور جزا و سزا پر اس کے بتائے ہوئے نظریہ کے مطابق ایمان و اعتقاد۔

اسی طرح وہ حکومت کے متعلق یہ اعلان کرتا ہے کہ کائناتِ انسانی میں کسی انسان یا انسانی جماعت کو براہِ راست یہ منصب حاصل نہیں کہ وہ حاکمیتِ مطلقہ کا دعویٰ کرے بلکہ خدا تعالےٰ جس طرح خالقِ کائنات ہے اسی طرح حاکم علی الاطلاق بھی ہے اور حکومت بلا شرکتِ غیر صرف اسی کے لئے ہے: "ان الحکم الا للہ"[ل] البتہ خلیفہ، امیر یا امام، خدا کی زمین

---

[ل] اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امیر یا خلیفہ "حاکم" نہیں ہوتا اور اس کا "حکم"، حکم نہیں ہے کیونکہ یہ عقیدہ غلط اور خوارج کی پیداوار ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اساسی اور بنیادی "وضع قوانین" صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں جن میں تغیر ناممکن اور خلیفہ و حاکم ان کی تنفیذ پر مامور ہے اور ان اساسی قوانین کی معرفت کا ذریعہ "قرآن" ہے۔

Marfat.com

میں اس کی حکومت کی نیابت انجام دیتا اور خدائے تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب کہلاتا ہے اور اسی لئے وضعِ قوانین کا مسئلہ اس کے اور جمہور کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ صرف خدائے تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے [1]

البتہ نیابت کے منصب کے پیش نظر اس کو اور اہلِ حل وعقد (مجلس شوریٰ) کو منصوص بنیادی قوانین کے ماتحت حالات وحوادث کو سامنے رکھکر استنباط واجتہاد کا حق ہے اس لئے کہ دراصل یہ قانون کی وضع نہیں ہے بلکہ اصول پر جزئیات وواقعات کا انطباق ہے

[1] یہ جو کہا گیا ہے کہ وضعِ قانون کا مسئلہ خلافت الٰہیہ میں صرف خدائے برتر اور اس کے واسطے سے رسول کے ہاتھ میں ہے اور اللہ اور رسولؐ کے علاوہ کسی شخص کو اس میں دخل نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام قوانین مذہب و سیاست ومعیشت کے اساسی اصول کا منبع قرآنِ عزیز اور احادیثِ رسول ہیں اور "خلیفہ" کو اس بارہ میں قوتِ تنفیذ کے علاوہ واضع قانون کی حیثیت کسی طرح حاصل نہیں ہے چہ جائیکہ دوسرے کسی شخص کو۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زمانہ کے نت نئے مقتضیات اور متغیر کوائف وحالات کے باوجود خلیفہ یا اربابِ حل وعقد ان کے حل کے لئے کوئی اقدام نہیں کر سکتے ضرور کر سکتے ہیں ورنہ تو "اجتہاد" اور استنباط کا دروازہ مسدود ہو جاتا حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ "اسلام" میں قیاس صحیح اور اجتہاد کو بہت اہم جگہ حاصل ہے۔

اور اس کا صحیح طریق کار یہ ہے کہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کہ اصول اور اساسی قوانین میں ادنیٰ سا بھی تغیر نہیں ہو سکتا۔ ان ہی قوانین کی روشنی میں ایسی جزئیات وتفصیلات اور ایسے احکام استخراج واستنباط کئے جائیں جو ایک جانب تو ان اساسی اصول کے ماتحت ہوں اور دوسری جانب مقتضیاتِ وقت اور حادثات کا بہترین حل کرتے ہوں۔

چنانچہ اسلامی علوم میں "علم الفقہ" اسی نظریہ کا عملی نشان ہے۔ اور اگر اسلام کے بیان کردہ شرائط کے مطابق "خلیفہ" کا انتخاب ہوا ہے تو اس کو اور اس کے اہلِ حل وعقد (مجلسِ شوریٰ) کو یہ حق "اجتہاد" "استنباط" ہر وقت حاصل ہے بشرطیکہ وہ اس حکم ربانی کو پیشِ نظر رکھیں۔

| | |
|---|---|
| وان تنازعتم فی شئ | اور اگر تم جھگڑ بیٹھو کسی معاملہ میں تو پھر اس کو رجوع |
| فردوہ الی اللہ و | کرو اللہ اور اس کے رسول کی جانب (یعنی |
| الرسول (توبہ) | قرآن وحدیث کو حَکَم بناؤ)۔ |

Marfat.com

قرآنِ عزیز میں ایسے ہی مواقع کے لئے ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ | اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور جو |
| وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ | تم میں سے صاحبِ حکم و اختیار ہوں ان کی پس اگر ایسا ہو |
| مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ | کہ کسی معاملہ میں باہم جھگڑ پڑو (یعنی اختلاف و نزاع |
| فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ | پیدا ہو جائے) تو چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول (قرآن |
| اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ | وحدیث) کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ پر اور آخرت کے |
| وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ | دن پر ایمان رکھتے ہو اس میں تمہارے لئے بہتری ہے |
| اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (نساء) | اور اسی میں انجامِ کار کی خوبی ہے۔ |
| وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ | اور جب ان لوگوں کے پاس امن کی یا خوف کی کوئی خبر |
| اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ | پہنچ جاتی ہے تو یہ اسے لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں اگر یہ اللہ |
| رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى | کے رسول کے سامنے اور ان لوگوں کے سامنے جو ان میں |
| اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ | صاحبِ حکم و اختیار ہیں پیش کرتے تو جو (اصحابِ علم و نظر) |
| يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (نساء) | بات کی تہ تک پہنچنے والے ہیں وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے۔ |

اور اسی طرح وہ معاشرت و معیشت کے اساسی اصول بیان کرتا ہے اور اعتقادات عبادات، معاملات، سیاسیات، عمرانیات اور معاشیات سے متعلق ان مجموعی اساسی اور بنیادی اصول کے نظامِ اجتماعی کا ہی نام "دینِ اسلام" ہے "وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ" جو فرد اور جماعت دونوں کی انفرادی اور اجتماعی راہنمائی کا تنہا کفیل ہے اور دنیا کے تمام نظامہائے اجتماعی سے الگ اپنی شاہراہِ مستقیم اور ایک انقلابِ عظیم کا داعی اور منادی ہے۔

سو جب یہ اپنے نقشہ کے تمام خانوں کو پورا کرتا ہوا دنیا کے سامنے آتا ہے تو بلاشبہ مذہب، حکومت، سیاست، معاشرت غرض ہر شعبۂ زندگی میں انسانوں کے بنائے ہوئے

Marfat.com

نظاموں سے الگ ایک نظام پیش کرتا ہے اور اگرچہ وہ بار بار یہ اعلان کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کا یہ پسندیدہ نظام "اسلام" کائناتِ انسانی کی رشد و ہدایت کے لئے کوئی انوکھا اور اجنبی نظام نہیں ہے بلکہ اس کی صداقت کی یہ آواز آدم (علیہ السلام) سے لیکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تک برابر کسی نہ کسی پیغمبر و رسول کے ذریعہ کائنات کو سنائی جاتی رہی ہے، اور آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پایۂ تکمیل کو پہنچ کر تمہارے سامنے موجود ہے" تاہم اس کے قبول و انکار میں دنیائے انسانی دو حصوں پر تقسیم ہو جاتی ہے۔

ایک جماعت اس نظام "اسلام" کے سامنے سرِ تسلیم خم اور اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو اس کے سپرد کر دیتی ہے اور اس کے انقیاد و اطاعت میں ہی اپنی فلاح و نجاح یقین کرتی ہے۔ اس جماعت کے افراد کو اسلام کی اصطلاح میں "مسلم"[1] کہتے ہیں۔

اور دوسری جماعت اس سے انحراف اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے انکار کر دیتی ہے اور اس جماعت کے افراد "کافر"[2] کہلاتے ہیں۔

پھر اسلام کا اجتماعی نظام جب اپنے اقتدارِ اعلیٰ (حکومت و خلافت) کی شکل میں کائنات کی رہنمائی کے لئے سامنے آتا ہے تو بے تعلقی کے باوجود غیر مسلم جماعت کا تعلق اس نظام کے ساتھ ان دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں ضرور قائم ہو جاتا ہے۔

یا یہ گروہ اسلام کے اقتدارِ اعلیٰ (حکومتِ اسلامی) کا مقابل ہو جاتا اور متوازی اقتدار قائم کر لیتا ہے اور یا پھر مذہبی نظام کے علاوہ اسلام کے سیاسی و معاشی نظام کو قبول کرتے ہوئے اس کے اقتدارِ اعلیٰ کے زیرِ نگیں آجاتا ہے اور اس کی سرپرستی کو تسلیم کر لیتا ہے۔

پس ان میں سے جو جماعت "خلافت کے متوازی نظام قائم رکھتی ہو وہ اگر اسلامی اقتدارِ اعلیٰ

---

[1] لفظِ مسلم "سلم" سے ماخوذ ہے جس کے معنی سپردگی اور اطاعت کے بھی ہیں اور صلح و آشتی کے بھی۔

[2] لفظِ کافر "کفر" سے ماخوذ ہے جس کے معنی انکار کے ہیں یعنی "منکر" اور چونکہ منکر ہر قسم کے انکار پر کہا جا سکتا ہے اس لئے اسلام کے نظام کے منکر کے لئے "کافر" کی اصطلاح قرار پائی۔

Marfat.com

(خلافت) سے ٹکراتی رہتی ہے تو وہ "حربی" کہلاتی ہے اور اس کے دائرۂ اقتدار کو "دارالاسلام" کے مقابلہ میں "دارالحرب" کہا جاتا ہے۔

اور ان میں سے جس جماعت نے اپنے متوازی نظام کے باوجود اسلام کے اقتدارِ اعلیٰ سے مقہور و مغلوب ہو کر کوئی معاہدہ یا صلح کا معاملہ کر لیا ہے تو وہ غیر مسلم ہونے کے باوجود "معاہد" اور "مسالم"[۱] کہلاتی ہے۔

اور "دارالحرب" کی ان دونوں جماعتوں کے اگر بعض افراد، تجارت یا اور بعض وقتی ضروریات کے لئے خلیفہ یا اس کے عُمّال کی اجازت سے "دارالاسلام" میں آتے اور چند روز قیام کرتے ہیں تو ان کو "مستامن"[۲] کہتے ہیں۔

اور جو جماعت اسلام کے اقتدارِ اعلیٰ سے شکست کھا کر یا کسی دوسرے عوارض کی بنا پر اپنے متوازی نظام کو چھوڑ کر اسلام کے سیاسی و معاشی نظام کو قبول کر لیتی اور اس کے اقتدارِ اعلیٰ کی سرپرستی منظور کر لیتی ہے وہ "ذمی"[۳] کہلاتی ہے۔

منکرینِ اسلام کی ان جماعتوں کے متعلق قرآنِ عزیز میں مستقل احکام ہیں جن کا تعلق زیادہ تر "نظامِ حکومت" کی بحث سے وابستہ ہے اس لئے یہاں صرف چند امتیازی اصول نقل کر دینا ہی کافی ہیں تاکہ ان جماعتوں کے درمیان فرق واضح ہو جائے۔

کافر جماعت اگر "حربی" ہے اور اسلامی اقتدار کے بقاء و تحفظ کے لئے مستقل خطرہ بنی ہوئی ہے یا اس کے ساتھ برسرِ جنگ ہے تو اس کے خلاف "جہاد" فرض ہے اور اس کے مفسدانہ اقتدار کو شکست و ریخت کر دینا ضروری ہے۔ اس جماعت کے لئے سورۂ توبہ میں یہ حکم ہے۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ (توبہ) پس مارو (حربی) مشرکوں کو جہاں کہیں پاؤ اور پکڑو اور گھیرو اور ان کی تاک میں ہر جگہ بیٹھو۔

---

[۱] مسالم، سِلم بمعنی صلح سے ماخوذ ہے اور صلح رکھنے والے کو کہتے ہیں۔ [۲] مستامن، امن چاہنے والا۔ [۳] مسلمانوں کی ذمہ داری میں آجانے والا۔

Marfat.com

اور حربی مستامن کے لئے یہ ارشاد ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ (توبہ)

اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ چاہے تو اس کو پناہ دیدے تاآنکہ سن لیں وہ اللہ کے کلام کو پھر پہنچادو اس کو اس کے امن کی جگہ۔

اور "معاہد و مسالم" کے متعلق یہ حکم ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ (انفال)

اور اگر وہ صلح کے لئے جھکیں تو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو بھی صلح کے لئے جھک جا پھر خدا پر بھروسہ رکھ بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ (توبہ)

مگر وہ مشرکین جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا اور جنہوں نے وفاء عہد میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کو مدد دی، ان کے ساتھ مدتِ معاہدہ کے ختم ہونے تک تم اپنے عہد پر قائم رہو۔

اور "ذمی" کے لئے یہ کہا گیا ہے۔

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ (توبہ)

ان سے برسرِ جنگ رہو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ دینے پر آجائیں (یعنی اگر ذمی ہونا قبول کرلیں تو پھر ان پر تلوار نہ اٹھائی جائے)۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے۔

لهم ذمة الله وذمة رسوله۔ [1]

ذمی ہوجانے کے بعد وہ (کافرین) اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری میں آگئے۔

اور حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ فرمایا۔

[1] کتاب الاموال لابی عُبید۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| انما قبلوا عقد الذمۃ لتکون | انھوں نے ذمی ہونا قبول ہی اس لئے کیا ہے کہ ان کے |
| اموالھم کاموالنا ودماؤھم | مال ہمارے مال کی طرح اور ان کی جانیں ہماری |
| کدمائنا الخ ۵۱ | جانوں کی طرح محفوظ ہو جائیں۔ |

ان آیات کے علاوہ غیر مسلموں کے ساتھ تعاون ومواساۃ اور عدم تعاون وعدم مواساۃ کے لئے فیصلہ کن سورۃ ممتحنہ کی یہ آیت ہے۔

| | |
|---|---|
| لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ | اللہ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا |
| یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ | برتاؤ کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے بارہ میں |
| مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا | نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اللہ تعالیٰ |
| اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ | انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ صرف |
| اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قَاتَلُوْکُمْ | ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو |
| فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ | منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارہ میں لڑتے ہوں |
| وَظٰھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ | اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور تمہارے |
| تَوَلَّوْھُمْ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ | نکالنے میں مدد کی ہو اور جو شخص ایسوں سے دوستی |
| ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ | کرے گا سو وہ گنہگار ہوں گے۔ |

حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانوی بیان القرآن میں آیت "لا یتخذ المومنون الکفرین" کے تحت میں فرماتے ہیں۔

کفار کے ساتھ تین قسم کے معاملے ہوتے ہیں موالات یعنی دوستی، مدارات یعنی ظاہری خوش خلقی، مواساۃ یعنی احسان ونفع رسانی۔ ان معاملات میں تفصیل یہ ہے کہ موالات (دلی دوستی) تو کسی حال میں جائز نہیں۔ . . . . اور مدارات تین حالتوں میں درست ہے ایک دفع ضرر کے واسطے دوسرے اس کافر کی مصلحت دینی یعنی توقع ہدایت کے واسطے

---

۵۱ برہان شرح مواہب الرحمٰن ج ۲ ص ۳۸۷ قلمی

Marfat.com

تیسرے اکرام ضیف کے لئے . . . . اور مواساۃ (تعاون) کا حکم یہ ہے کہ اہل حرب کے ساتھ ناجائز ہے اور غیر اہلِ حرب کے ساتھ جائز سورۂ ممتحنہ کی آیت لا ینھٰکم اللہ الی قولھم الظالمون میں اس کی تصریح ہے۔ [1]

الحاصل۔ اسلام کے معاشی نظام اور اس کے سرکاری خزانہ "بیت المال" کا کسی نہ کسی صورت میں ان جماعتوں کے افراد کے ساتھ گہرا تعلق، اور اس کی آمدنی اور خرچ کے ساتھ کسی نہ کسی طرح ان کی وابستگی ہے، اسی لئے بیت المال کی مداتِ آمد و صرف کی تشریح سے قبل ان کا تذکرہ ضروری ہوا۔

تشریح مدات دراصل پیشِ نظر مسئلہ مداتِ آمدنی کی تشریح تھا اور مسطورہ بالا مبحث اسی تقریب سے ذکر کیا گیا لہٰذا اب اصل مسئلہ قابلِ توجہ ہے۔

عشر اگر کوئی قوم مسلمان ہو جائے تو ان کی زراعتی زمین، عرب کی زمین، مجاہدین اور غانمین کے حصہ میں آئی ہوئی زمین، وہ افتادہ زمین جو کسی مسلمان نے آباد کی ہو، اور لاوارث ذمی کی موت پر مسلمان کے قبضہ میں آئی ہوئی زمین "عُشری زمین" کہلاتی ہے۔ اور "عُشر" اس حصۂ مقررہ کا نام ہے جو زکوٰۃ کی طرح زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا، اور پیداوار ہی میں سے لیا جاتا ہے پس اگر عشری زمین ندی، تالاب، یا دریا سے سیراب شدہ ہے یا بارانی ہے یعنی صرف بارش کے ذریعہ پیداوار ہوئی ہے تو اس زمین کی پیداوار سے دسواں حصہ لیا جاتا ہے اور اگر چاہی ہے یعنی کنویں کھود کر پانی دیا گیا ہے تو اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جاتا ہے [2]

"عُشر" کے وجوب کے لئے قرآنِ عزیز میں نصِ صریح وارد ہے "واٰتوا حقہ یوم حصادہ" اور تم ادا کرو (پیداوار) زمین کا حق اس کے کٹ جانے کے وقت اور حدیث صحیح میں اس کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے۔ [3]

---

[1] بیان القرآن ج ۲ ص ۱۱ و ۱۲۔ یعنی جو مسلمانوں سے جنگ کریں ان سے تعاون منع ہے اور جو ایسا نہ کریں ان کے ساتھ تعاون درست ہے۔ [2] کتاب الخراج ص ۶۹ و شامی ج ۲ ص ۶۷ و ۶۲ و ج ۳ ص ۳۵۰۔ [3] شامی ج ۲ ص ۶۲۔

| | |
|---|---|
| عن عبدالله عن النبی صلی اللہ | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس زمین کی |
| علیہ وسلم انہ قال فیما سقت | آبپاشی، بارش، چشموں یا ندیوں سے ہو اس کی |
| السماء والعیون او کان عثریا | پیداوار کا دسواں حصہ لیا جائے گا اور جس کی پانی |
| العشر وما سقی بالنضح نصف | کھینچ کر (یعنی کنوئیں کھود کر) آبپاشی کی گئی ہو، |
| العشر ؎۱ | اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جائے گا۔ |

حدیث میں بیان کردہ فرق کی بنیاد یہ ہے کہ اگر زمین کی آبپاشی میں ضروری محنت و اجرت کے صرف کے علاوہ زائد محنت و اجرت کا دخل نہیں ہے تو اس پیداوار پر اجتماعی ٹیکس زیادہ عائد ہونا چاہئے اور اگر زمین میں ضروری محنت اور بیج کے خرچ کے علاوہ آبپاشی میں بھی زائد محنت کرنی پڑے جیسا کہ مثلاً کنوئیں کھود کر پانی دینا، نہر کے پانی پر ٹیکس ادا کر کے پانی دینا۔ یا ٹیوب ویل پر محصول ادا کر کے آبپاشی کرنا تو ان صورتوں میں اجتماعی ٹیکس کی مقدار نصف رہ جاتی ہے اور دسویں حصۂ پیداوار کی بجائے اس کو بیسواں حصہ دینا پڑے گا۔ ؎۲

**خراج** | اور جن ممالک پر اسلام کا غلبہ ہو گیا اور خلیفہ نے وہاں کی زمینیں مفتوحین ہی کے قبضہ میں باقی رہنے دیں۔ اور جن غیر مسلموں سے صلح ہو گئی اور وہ حکومتِ اسلامی کے ذمہ اور عہد میں داخل ہو کر ذمی بن گئے، ان کی زمین "خراجی" کہلاتی ہیں اور "خلیفہ" ان زمینوں پر جو محصول (مالگذاری) مقرر کرتا ہے اس کو "خراج" کہا جاتا ہے۔ ؎۳

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ "خراج" دراصل "فئ" کی ہی ایک قسم ہے ؎۴۔ کیونکہ اگر معمولی جنگ کے بعد کفار مغلوب ہو کر صلح کر لیں تو وہ مال بھی "فئ" میں ہی شمار ہوتا ہے تو گویا جب غلبہ

---

؎۱ بخاری باب الزکوٰۃ۔ ؎۲ جیسا کہ عنقریب ذکر آئیگا۔ اسلامی نظام معاشی میں نہروں کے پانی پر موجودہ طریقے کے مطابق محصول نہیں لیا جاتا اس لئے عام کتب فقہ میں نہری زمین پر بھی دسواں حصہ "عشر" بیان کیا گیا ہے لیکن آج کے زمانہ میں نہری اور چاہی زمینوں کا ایک ہی حکم ہے۔ پس ابو داؤد کی روایت میں جو فی السماء والعیون و الانھار آیا ہے اس نہر سے ندیاں نالے مراد ہیں اور یا ایسی نہریں جن کے پانی پر محصول نہیں ہے۔
؎۳ کتاب الخراج ص ۶۹ و شامی ج ۳ ص ۳۵۲ و کتاب الاموال ص ۶۸ ؎۴ کتاب الخراج ص ۲۳۔

اسلام کے بعد خلیفہ نے صلح کے ساتھ کفار کی زمینوں کو غانمین میں تقسیم کرنے کی بجائے ان پر لگان (ٹیکس) مقرر کر کے ان ہی کے قبضہ میں رہنے دیا تو یہ ٹیکس بھی "فئی" ہی شمار ہوگا۔ پس اس صورت میں "خراج" کا وجود بھی قرآن عزیز کی اس نص کے تحت میں آجاتا ہے۔

| | |
|---|---|
| مَآ اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ | جو مال لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر بستیوں |
| الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی | والوں (کفار) سے سو وہ اللہ کے لئے اور رسول کے |
| الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَ | اور قرابت والوں کے لئے اور یتیموں محتاجوں، اور |
| ابْنِ السَّبِیْلِ كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةً | مسافروں کیلئے ہے تاکہ وہ تم میں کے دولتمندوں کے |
| بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ (حشر) | درمیان ہی دائرا اور محصور نہ رہے۔ |

**جزیہ** اہل کتاب اور مشرکین عجم[1] اگر مغلوب و مقہور ہو کر اسلامی اقتدار کو تسلیم کر لیں اور سالانہ تھوڑا سا ٹیکس ادا کر کے اس شرط پر اسلامی حکومت کے زیر اقتدار آجائیں کہ حکومت ان کے جان، مال اور آبرو کی محافظ ہے تو ایسے ٹیکس کو "جزیہ" کہتے ہیں۔

قرآن عزیز میں "جزیہ" کے متعلق یہ قانونی دفعہ بیان کی گئی ہے۔

| | |
|---|---|
| قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا | ان لوگوں سے جنگ کرو جو ایمان نہیں لاتے اللہ |
| بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا | پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں |
| حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ | اس کو جس کو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول |
| دِیْنَ الْحَقِّ۔ | نے اور نہ قبول کرتے ہیں دین حق کو۔ |
| مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ | (ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں یہاں تک |
| عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ (توبہ) | کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر۔ |

**زکوٰۃ** ساڑھے باون تولہ چاندی، ساڑھے سات تولہ سونا، مال تجارت، اور مکانوں کے

---

[1] مشرکین عرب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوگئے تھے یا اسلامی جہاد کے مقابلہ میں مارے جا چکے تھے اور بعد از آں جزیرۃ العرب میں اسلام کے علاوہ کسی مذہب کو روا نہیں رکھا گیا۔

تجارتی کاروبار پر اگر ایک سال پورا گذر جائے تو اس مال میں سے چالیسواں حصہ نکال کر خدا کی راہ میں دینا "زکوٰۃ" کہلاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کی جانب سے مسلمانوں پر یہ "ٹیکس" بہت اہم فریضہ ہے اور ارکانِ اسلام میں سے اہم رکن، چنانچہ قرآنِ عزیز میں ادائے زکوٰۃ اور فرضیتِ زکوٰۃ کے احکام کو بار بار دہرایا گیا ہے، کہیں ایمان باللہ کے ساتھ اس کا ذکر ہے، کہیں آخرت کے ذکر کے ساتھ اور کہیں مستقل اسی کو قانونی دفعہ بنایا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا | اور میری رحمت ہر شے پر حاوی ہے تو میں (اسکو) |
| لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ | ان لوگوں کے لئے لکھ لوں گا جو خدا سے ڈرتے |
| وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ. | اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان |
| (اعراف) | رکھتے ہیں۔ |
| وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (بقرہ) | اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ |
| وَوَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ | اور خرابی ہے مشرکوں کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے |
| وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ (حٰمٓ سجدہ) | اور آخرت کے (بھی) منکر ہیں۔ |
| وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ | اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے |
| اللهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ. | کے لئے دیتے ہو تو ایسے ہی لوگ اپنے مال کو |
| (الروم) | (آخرت میں) دوگنا کرنے والے ہیں۔ |

اگر چوپایوں کے ریوڑ چراگاہوں میں چر رہے ہوں تو ان چوپایوں پر بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور اسلامی شریعت نے ان کا نصاب جدا جدا مقرر کیا ہے جس کی تفصیل بخاری کتاب الزکوٰۃ کے اُس مکتوبِ گرامی میں درج ہے جو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت انسؓ عامل بحرین کے نام تحریر فرمایا ہے۔

یعنی ریوڑ کی زکوٰۃ میں اونٹوں کے ریوڑ میں پانچ سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے اور گائے بھینس کے ریوڑ میں تیس سے کم پر اور بھیڑ بکری کے گلہ میں چالیس سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

Marfat.com

اسلامی حکومت میں زکوٰۃ کو انفرادی طور پر صرف نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کا بیت المال میں داخل کرنا ضروری ہے، صدیقِ اکبرؓ کا فیصلہ اس بارہ میں ناطق ہے۔[55]

**صدقات** "زکوٰۃ" کے علاوہ بھی کچھ اجتماعی حقوق ہیں۔ اسلام جن کے ادا کرنے اور اس سلسلہ میں مالی امداد دینے کی ترغیب دیتا اور بعض حالات میں ان کو واجب قرار دیتا اور بعض حالات میں مستحسن اور مستحب بتلاتا ہے سو اس قسم کی مالی اعانت کا نام "صدقہ" ہے اور اپنی مختلف انواع کے اعتبار سے وہ "صدقات" کہلاتے ہیں۔ قرآنِ عزیز میں جگہ جگہ صدقات کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کو اسلام کی نمایاں علامت بتایا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا | اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت |
| تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ | میں نہ ڈالو (یعنی بخل اختیار کر کے انفاق فی سبیل اللہ سے |
| ۱۹۱/۲ (بقرہ) | ہاتھ نہ کھینچو اور مال و زر کی محبت میں جہاد فی سبیل اللہ کو ترک نہ کرو) |
| وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ | اور ان کے مالوں میں مانگنے والوں اور |
| وَالْمَحْرُوْمِ۔ ۱۹/۵۱ (الذریت) | تنگدستوں کا حق ہے۔ |
| فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ | پس تو رشتہ دار کو اس کا حق دے |
| وَابْنَ السَّبِیْلِ۔ ۳۸/۳۰ (روم) | اور محتاج اور مسافر کو۔ |
| یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا | مسلمانو! جو مال ہم نے تم کو دیا ہے اس |
| مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ ۲۵۵/۲ (بقرہ) | میں سے خرچ کرو۔ |
| یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ | مسلمانو! ان پاک چیزوں میں سے جو تم نے |
| طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ ۲۶۸/۲ (بقرہ) | کمائی میں خرچ کرو۔ |

[55] بخاری کتاب الزکوٰۃ۔ روپیہ، پیسہ، چاندی، سونا جیسی اشیاء اموالِ باطنہ کہلاتی ہیں اور چوپائے اور اموالِ تجارت اموالِ ظاہرہ کہلاتے ہیں۔ فقہا کے درمیان اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کے بیت المال میں ضروری داخل کئے جانے سے متعلق دو جدا جدا اقوال منقول ہیں جن کے لئے کتبِ فقہ کی جانب مراجعت ضروری ہے۔

Marfat.com

"صدقات" کے ادا کی دو شکلیں ہیں ایک انفرادی اور دوسری اجتماعی۔ انفرادی یہ کہ خیرات کرنے والا خود اپنے ہاتھ سے صدقہ کرے اور اجتماعی یہ کہ "مالِ صدقہ" کو خلیفہ یا نائبِ خلیفہ کے سپرد کر دے اور وہ بیت المال میں داخل کر کے مستحقین پر صرف کرے۔ نفلی صدقات کی ادا، تو انفرادی بھی درست ہے مگر صدقاتِ واجبہ "بیت المال" کا حق ہے۔

**فیٔ** | اگر مسلمانوں کے لشکر سے کفار مغلوب و مرعوب ہو کر بغیر جنگ کئے مال چھوڑ بھاگیں، یا جنگ کے بعد ان کی زمینوں کو مقررہ ٹیکس پر ان ہی کی مقبوضہ رہنے دیا جائے یا اُن پر خراج اور جزیہ مقرر کیا جائے تو ان سب صورتوں میں اس حاصل شدہ مال کو "فیٔ" کہا جاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے خراج اور جزیہ بھی "فیٔ" کی اقسام بن جاتے ہیں۔ قرآنِ عزیز کی گذشتہ آیات میں "فیٔ" کا مال "بیت المال" کا حق بتایا گیا ہے اور اس کو غانمین اور مجاہدین کے درمیان نہیں تقسیم کیا جاتا اس لئے کہ وہ بغیر جنگ کئے حاصل ہوا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ | اور جو مال اللہ نے ان سے اپنے رسول کے ہاتھ |
| اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ | لگوا دیا تو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے نہ |
| اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ | اونٹ لیکن اللہ جس پر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو |
| وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (حشر) | غالب کر دیتا ہے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ |

**خُمس** | مالِ غنیمت کی تقسیم اور "رکاز" (دفینہ اور کانوں سے نکلے ہوئے سونے چاندی وغیرہ) سے نفع حاصل کرنے سے پہلے ان میں سے پانچواں حصہ نکالنا ضروری ہے اور یہ حکومت کے بیت المال (سرکاری خزانہ) کا حق ہے اس کو "خمس" کہتے ہیں۔

قرآنِ عزیز میں غنیمت کے ذکر میں اس حق کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ | اور معلوم رہے کہ تم کو کسی چیز سے بھی جو کچھ مالِ غنیمت |
| فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَ | ملے سو اس میں کا پانچواں حصہ اللہ کے واسطے ہے |
| لِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ | اور رسول کے واسطے اور اس کے قرابت والوں کے |

Marfat.com

وَابْنِ السَّبِیْلِ۔ (انفال) واسطے اور یتیموں اور محتاجوں کے واسطے۔

اور بخاری کتاب الزکوٰۃ اور بعض دوسری کتب حدیث کی ایک صحیح روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ "رکاز" میں بھی خمس ہے۔

وفی الرکاز الخمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "رکاز" میں خمس واجب ہے۔

اہلِ عرب کے یہاں لغوی معنی کے اعتبار سے "رکاز" کا اطلاق "دفینہ" پر ہوتا ہے لیکن امام ابویوسفؒ نے ایک روایت میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے "رکاز" کی تفسیر یہ بھی فرمائی ہے

فقیل لہ ما الرکاز یا رسول اللہ؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ

فقال الذھب والفضۃ الذی "رکاز" کیا شے ہے؟ آپ نے فرمایا وہ سونا اور چاندی

خلقہ اللہ فی الارض یوم جو اللہ تعالیٰ نے خلقی طور پر زمین کے اندر ودیعت

خُلقت ؎۱ کر دیا ہے (یعنی کانیں)۔

ضرائب | زمانۂ جنگ، قحط سالی، رفاہِ عام اور عوام کی بے روزگاری دور کرنے کے لئے "زکوٰۃ" اور "صدقات" کے علاوہ جو ٹیکس (مالی امداد) اغنیاء اور اہلِ ثروت پر حکومت کی جانب سے عائد کئے جاتے ہیں ان کا نام "ضرائب" ہے ٹیکسوں کا وہ مفہوم جو زمانۂ موجودہ کے طریقۂ حکومت میں رائج ہے اسلامی نظامِ حکومت میں ناپید ہے اس لئے کہ آج کل جو ٹیکس پبلک پر لگائے جاتے ہیں وہ عموماً عدل وانصاف کے خلاف اور حکومت یا ارکانِ حکومت کے ان مفادات کی خاطر لگائے جاتے ہیں جن کا پبلک مفاد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اسلام کے دستوری نظام میں خراج، جزیہ، عشور، عشر، زکوٰۃ، فئ، خمس، وقف اور اسی قسم کے محاصل اسی غرض سے مقرر کئے گئے ہیں کہ وہ پبلک کی انفرادی اور اجتماعی ضروریات کے کام آئیں اس لئے وہ عام طور پر مزید ٹیکس عائد کرنے کو جائز نہیں سمجھتا۔ البتہ اگر بیت المال کے یہ مسطورۂ بالا محاصل ان ضروریات کو کافی نہ ہوں یا ہنگامی اہم اجتماعی ضروریات ان محاصل سے فاضل

؎۱ کتاب الخراج ص ۲۳۔

آمدنی کے بغیر پوری نہ ہو سکیں تو عدل وانصاف کے ساتھ ہنگامی محاصل (Emerjency Taxes) اغنیاء اور اہلِ ثروت پر عائد کئے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابنِ حزمؒ نے محلّی میں فقراء کی اعانت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ اگر بیت المال کا خزانہ اور مالِ فئ، فقراء اور اہلِ ضرورت کی معاشی ضروریات کو پورا نہ کر سکیں تو "خلیفہ" اہلِ ثروت پر مزید ٹیکس عائد کرکے ان کی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے اور اگر اہلِ دَوَل اس کے مانع ہوں تو بہ جبر ان سے وصول کر سکتا ہے۔" ویجبرھم السلطان علیٰ ذلک[1]" وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اپنی عمومیت کے ساتھ اس "ٹیکس" کی دلیل بن سکتی ہے۔

| | |
|---|---|
| وَاٰتِ ذاالقربیٰ حقہ والمسکین | اور قرابت والوں اور مسکین اور مسافر کے جو حق |
| وابن السبیل۔ [2] | تم پر واجب ہیں وہ ادا کرو۔ |

اور حسب ذیل آثار اس کی تائید میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| عن علی بن ابی طالب یقول: ان | حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ |
| اللہ تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی | نے دولتمندوں کے مال میں اس قدر حق فرض کر دیا ہے |
| اموالھم بقدر ما یکفی فقراءھم | جس قدر کہ ان کے فقراء کو کفایت کر سکے۔ پس اگر فقراء |
| فان جاعوا وعروا وجھدوا | بھوکے ہیں ننگے ہیں اور خستہ حال ہیں تو اس کا سبب |
| فبمنع الاغنیاء۔ [3] | یہی ہوتا ہے کہ اغنیاء اس فرض کی ادا میں کوتاہ ہیں |
| وعن ابن عمرؓ انہ قال: فی مالک | حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ تیرے مال میں |
| حقٌ سوی الزکوٰۃ [4] | زکوٰۃ کے علاوہ بھی (اجتماعی) حقوق ہیں۔ |

پس جس طرح غرباء کی ضرورت پورا کرنے کے لئے خصوصی ٹیکس عائد ہو سکتا ہے اسی طرح جہاد اور دوسری ضروریات کے لئے بھی عائد ہو سکتا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ یرموک میں اسی قسم کی اعانت کی ترغیب دی تھی جس پر پرجوش طریقہ سے لبیک کہا گیا۔

**کراء الارض** | امام یا خلیفہ (حکومت) کی جن زمینوں کو سالانہ اجرت (لگان) مقرر کرکے کاشت

---

[1] و [2] محلی ج ۶ ص ۱۵۶۔ [3] و [4] محلی ج ۶ ص ۱۵۸

Marfat.com

کے لئے دیدیتا ہے ان سے وصول شدہ محاصل کا نام (کراء الارض) ہے۔ اسلامی اصطلاح میں ایسی سرکاری زمینوں کو جن سے نہ عشر لیا جاتا ہے اور نہ خراج بلکہ ان کو اجرت پر کاشت کے لئے دیا جاتا ہے "ارض المملکۃ" یا "ارض الحوزہ" کہتے ہیں اور یہ زمین یا وہ ہوتی ہے جو لاوارث ہو کر بیت المال کی جانب منتقل ہو جائے اور یا لشکر کشی سے فتح ہونے کے بعد وقف للمسلمین بن کر اجیروں کو اجرت مقررہ پر دیدی جائے۔ [1]

"کراء الارض" کا یہ معاملہ ان ہی آیات واحادیث کے تحت میں آتا ہے جو عشر و خراج کی بحث میں ذکر کی جاچکی ہیں۔

عشور | ایران اور روم کی سلطنتوں کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی مسلمان تاجر ان کی سرحد میں مالِ تجارت لیکر داخل ہوتا تو وہ اس سے مقررہ محصول (کسٹم ڈیوٹی) لیا کرتے تھے۔ اور اگر وہ سال میں متعدد مرتبہ آمد و رفت رکھتا تو ہر دفعہ اسی قدر محصول ادا کرنا پڑتا تھا۔ لیکن جب غیر مسلم اسباب تجارت لیکر اسلامی ممالک میں آتے تو وہ اس قسم کے محصول سے بری رہتے۔ اس طرح گویا مسلمانوں کو تجارتی خسارہ تھا اور غیر مسلم اس خسارہ سے محفوظ تھے۔ چنانچہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش ہوا۔ آپ نے مفصل روئداد سُن کر صوبوں کے عاملوں (گورنروں) کو تحریر فرمایا کہ تم بھی اموال تجارت پر اسی قسم کا ٹیکس لیا کرو، اور نہ صرف غیر مسلموں سے بلکہ جو مسلمان یا ذمی بھی دار الحرب اور دار الاسلام کے درمیان تجارتی کاروبار کو جاری رکھتے ہیں ان سے بھی یہ محصول لیا جائے۔ مگر جس شخص سے ایک مرتبہ وصول کر لیا جائے، اندرونِ سال وہ کتنی ہی مرتبہ آمد و رفت کا سلسلہ کیوں نہ جاری رکھے دوبارہ اس سے نہ لیا جائے۔ نیز مسلمان، ذمی اور کافر حربی، کے درمیان محصول کی مقدار میں بھی تفاوت رہے۔ نیز یہ مال دو سو درہم [2] یا بیس مثقال [3] کی قیمت سے کم نہ ہو ورنہ تو محصول سے معاف رہیگا۔

پس اس طریقہ سے حاصل شدہ محصول کا نام "عشور" ہے۔ اور یہ محصول مسلمان سے

[1] شامی ج ۳ ص ۳۵۲ باب العشر والخراج والجزیہ [2] ایک درہم ۳ آنہ کا ہوتا ہے [3] بیس مثقال ۲۰ شکل سکہ ۷½ تولہ سونا ہوتا ہے

مالِ تجارت میں سے چالیسواں اور ذمی کے اسبابِ تجارت سے بیسواں اور حربی کے مالِ تجارت سے دسواں حصہ لیا جاتا ہے۔[۵۱]

**وقف** | جو اشیاء منقولہ یا غیر منقولہ ذاتی ملکیت سے نکال کر "فی سبیل اللہ" دیدی جائیں وہ اسلامی اصطلاح میں "وقف" کہلاتی ہیں اور اوقاف کی وہ تمام آمدنی جو فی سبیل اللہ دی گئی ہو بیت المال کا حق متصور ہوتی ہے۔

اسلام میں جائدادِ غیر منقولہ کے پہلے "واقف" حضرت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ کتبِ تفاسیر میں ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں "مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا" "کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے" "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" "تم ہرگز بھلائی نہ پاسکو گے جب تک اس شے میں سے خرچ نہ کرو جس کو تم محبوب رکھتے ہو" تو حضرت طلحہ (رضی اللہ عنہ) نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرا فلاں باغ جو مجھے بہت پیارا ہے وہ خدا کے لئے دیتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا "اجعلہ فی فقراء اقومك" تم اس کو اپنی قوم کے محتاجوں کے لئے (وقف) کر دو۔[۵۲]

**اموالِ فاضلہ** | مسطورہ بالا آمدنی کے طریقوں کے علاوہ جو بھی متفرق آمدنیاں بیت المال کی ملک قرار دی جائیں اُن سب کو "اموالِ فاضلہ" کہا جاتا ہے مثلاً اگر کسی مسلمان یا ذمی کا انتقال ہو جائے اور وہ لاوارث ہو تو اس کا مال "بیت المال" کا حق ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ذمی بغاوت کر کے یا کوئی مسلمان "العیاذ باللہ" مرتد ہو کر دارالحرب کو فرار ہو جائے تو ان کا تمام مال ضبط ہو کر "بیت المال کی ملکیت" ہو جاتا ہے۔[۵۳]

**مصارفِ بیت المال** | قرآنِ عزیز کی ان تفصیلات کے پیشِ نظر جو اہلِ مصارف کے سلسلہ میں بیان کی گئی ہیں، اسلامی فقہ میں تصریح ہے کہ بیت المال کے محاصل کو چار مختلف شعبوں میں تقسیم کر کے جدا جدا "چار بیوتِ اموال" قائم کرنے چاہئیں مگر یہ چاروں مرکزی بیت المال کے

---

[۵۱] کتاب الخراج ص ۱۳۲ و کتاب الاموال ص ۵۳۴ و ۵۳۳۔ [۵۲] حاشیہ بخاری و کتاب الاموال ص ۵۶۱ [۵۳] بدائع الصنائع ج ۷، کتاب السیر ۱۳۹

تحت میں رہیں گے۔ چنانچہ چہارگانہ شعبوں کی تفصیل اس طرح مذکور ہے۔

(پہلا شعبہ) مالِ غنیمت، کنز اور رکاز کے "خمس" اور "صدقات" سے تعلق رکھتا ہے۔ اور

(دوسرا شعبہ) زکوٰۃ، عشر اور مسلمان تاجروں سے وصول شدہ عشور سے اور

(تیسرا شعبہ) خراج، جزیہ غیر مسلم تجار سے وصول کردہ عشور فی، کرار الارض اور ضرائب سے اور

(چوتھا شعبہ) اموالِ فاضلہ (ضوائع)[1] سے متعلق ہے۔

اور ان محاصل کے مصارف کی تفصیل یہ ہے۔

پہلے اور دوسرے شعبہ کے مصارف "مصارفِ ثمانیہ" ہیں جن کو قرآنِ عزیز کی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ | اور معلوم رہے کہ جو کچھ تم کو غنیمت سے ملے کسی چیز سے سو اللہ |
| لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی | کے واسطے ہے اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے |
| الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ | واسطے، اور اس کے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں |
| السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ | اور محتاجوں اور مسافروں کے واسطے۔ اگر تم کو یقین ہے |
| اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ | اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اتاری اپنے بندہ پر |
| یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی | فیصلہ (جنگِ بدر) کے دن، جس دن بھڑ گئیں دونوں |
| كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (انفال) | فوجیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ |
| اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ | زکوٰۃ وصدقات حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور |
| الْمَسٰكِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا | زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پرچانا منظور |
| وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِی | ہے اور گردنوں کے چھڑانے کے لئے (یعنی قیدیوں اور غلاموں |
| الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ | کی رستگاری کے لئے) اور ان کے لئے جو تاوان کے بوجھ سے |
| وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ | دبے ہوئے ہیں (یعنی قرضدار اور ضامن) اور اللہ کے راستے میں |

[1] مثلاً لاوارث مال (لقطہ) لاوارث کا ترکہ اور لاوارث مقتول کی دیت شامی ج ۳ ص ۳۸۹۔

السَّبِیْلِ فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ (جان سے لڑنے والوں کے لئے) اور مسافروں کے لئے۔ یہ مقرر ہے

وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ (توبہ) خدا کی جانب سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

پہلی آیت میں "اللہ" کا نام برکت کے طور پر مذکور ہے اور بعض علماء کے نزدیک اس سے کعبۃ اللہ اور مساجد اللہ کے مصارف مراد ہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا اور آپ کے اہلِ قرابت (بنی ہاشم و بنی عبدالمطلب) کے حصہ کا سوال ہی باقی نہیں رہا۔ اور یتامیٰ اگر بذاتِ خود اغنیاء میں سے ہیں تو وہ بھی اس سلسلہ میں داخل نہیں ہیں ورنہ پھر فقراء اور مساکین میں شامل ہیں لہٰذا دونوں آیات کا مصرف "مصارف ثمانیہ" متعین ہیں۔ جس کا مکمل بیان دوسری آیت میں مفصل ہے یعنی فقراء، مساکین، عاملین، مولفۃ القلوب، رقاب، غارمین فی سبیل اللہ ابن سبیل۔

یہ حنفی مذہب (اسکول) کی تصریحات ہیں، امام شافعیؒ اور دوسرے ائمہ کی تصریحات بھی اسی کے قریب قریب ہیں البتہ فرق یہ ہے کہ "سبیل اللہ" کا مصرف حنفی اسکول میں صرف مجاہدین کے اندر محدود ہے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک تمام مصارفِ خیر کے لئے عام ہے۔

تیسرے شعبہ کے مصارف ہر قسم کے وظائف اور شعبہ ہائے حکومت کے نظم و انتظام کے اخراجات ہیں اور چوتھے شعبہ کے مصارف رفاہِ عامہ (پبلک ورکس) لاوارث بچوں کی پرورش اور دیگر امورِ خیر ہیں۔ [۵]

فقہاء نے یہ بھی تصریح کردی ہے کہ امام (خلیفہ) مصالح خلافت کے پیشِ نظر بوقتِ ضرورت ایک شعبہ سے دوسرے شعبہ کے لئے قرض لے سکتا ہے اور جب تک اس دوسرے شعبہ میں وافر آمدنی نہ ہو دوسرے شعبوں سے اس شعبہ کی ضروری کفالت کرسکتا ہے۔ درمختار میں ہے۔

| | |
|---|---|
| وعلی الامام ان یجعل لکل | اور امام کے لئے ضروری ہے کہ ہر نوع کے لئے جدا |
| نوع بیتاً یخصّہ ولہ ان | بیت المال کا شعبہ مخصوص کرے اور اس کے لئے یہ |

---

۵ ردالمحتار ص ۷۹ و ۸۰، ج ۲ و ۳ ص ۳۸۹ و ۳۸۸۔

یستقرض من احدھا یہ درست ہے کہ ایک شعبہ سے قرض لے کر دوسرے
لیصرفہ للآخر؎ۛ۱ شعبہ پر خرچ کردے۔

اس کے علاوہ کتبِ فقہ میں مختاراتِ امام کے مباحث میں بھی امام کی اس صوابدید سے متعلق کثرت سے جزئیات ملتی ہیں۔

فقہِ اسلامی میں یہ بھی تصریح ہے کہ صدقاتِ واجبہ (مثلاً زکوٰۃ وعشر) کے علاوہ بیت المال کے محاصل کا تعلق جس طرح قلمروِ اسلامی کے مسلمانوں کی ضروریات وحاجات سے وابستہ ہے، اسی طرح غیر مسلم (ذمی) کی حاجات وضروریات سے بھی متعلق ہے۔ چنانچہ فاروقِ اعظم (رضی اللہ عنہ) نے فقراء اور مساکین میں غیر مسلموں (ذمیوں) کو بھی شامل کیا ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے قانونِ فقہ میں اس قول کو سند ٹھیرایا ہے؎۲

علاوہ ازیں جبکہ امام (خلیفہ) کے ذمہ یہ واجب قرار دیا گیا ہے کہ اسلامی قلمرو میں ایک شخص بھی محروم المعیشت نہ رہے تو پھر ان مباحث سے اصل مسئلہ (اعانتِ محتاجین) پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ وہ بہرحال امام کا فریضہ ہے۔

الحاصل، ائمہ مجتہدین کے ان جزوی اختلافات کے باوجود اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جن مصارف کے متعلق قرآن اور حدیث کی نص وارد ہو چکی ہے وہ اسی طرح بحال رکھتے ہوئے باقی امور میں محاصل ومصارف کا معاملہ "خلیفہ اور اس کی مجلسِ شوریٰ" کی صوابدید پر ہے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں فئی اور خراج پر بحث کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ پر "جس کا تعلق عراق کی زمینوں کو وقف للمسلمین اور حکومت کی ملک کر دینے سے ہے" جو ارشاد فرمایا ہے وہ اس مسئلہ کو بخوبی واضح کر دیتا ہے۔

؎۱ ردالمختار ج ۳ ص ۳۴۹ وکتاب الخراج ص ۸۰۔ ؎۲ اور امام اعظمؒ اور امام محمدؒ نے تو تصریح کی ہے کہ زکوٰۃ اور عشر کے علاوہ تمام صدقاتِ واجبہ ونافلہ مثلاً نذر وفطر وغیرہ ذمی فقراء کو دیئے جا سکتے ہیں اور حربی مستامن کی مدد بھی صدقاتِ نافلہ سے کی جا سکتی ہے۔ شامی باب المصرف ج ۳ ص ۹۲ وکتاب الخراج ص ۱۲۶

Marfat.com

قال ابو یوسف: والذی رأی عمرؓ من الامتناع من قسمۃ الارضین بین من افتتحھا عند ما عرفہ الله ما کان فی کتابہ من بیان ذلك توفیقا من الله کان لہ فیما صنع و فیہ کانت الخیرۃ لجمیع المسلمین و فیما راہ من جمع خراج ذلك وقسمتہ بین المسلمین عموم النفع لجماعتھم لان ھذا لو لم یکن موقوفا علی الناس فی الاعطیات والارزاق لم تشحن الثغور ولم تقو الجیوش علی السیر فی الجھاد ولما أمن رجوع اھل الکفر الی مدنھم اذا خلت من المقاتلۃ والمرتزقۃ والله اعلم بالخیر حیث کان ۔

(ص ۲۷)

ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ کہ مفتوحہ آراضی کو مجاہدین میں تقسیم نہ کیا جائے ایسی صورت میں جبکہ کتاب اللہ میں اس کے متعلق کوئی مذکور نہیں تھا ایک بہترین فیصلہ ہے جس کی جانب خدا تعالیٰ نے ان کی رہنمائی کی اور انھوں نے یہ جو کچھ کیا (اس لئے کہ) اسی میں تمام مسلمانوں کی فلاح و بہبود مضمر تھی اور زمین کا خراج جمع کرکے تمام مسلمانوں کو اس سے فائدہ پہنچانا، جماعتی اعتبار سے بہت ہی بہتر طریق ہے کیونکہ اگر یہ آراضی مجاہدین میں تقسیم ہو جاتیں اور عام مسلمانوں کے عطایا اور وظائف کے لئے وقف نہ ہو جاتیں تو پھر نہ اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت ہو سکتی اور نہ جہاد کے لئے مضبوط لشکر فراہم ہو سکتا اور جب جہاد اور وظائف کا دروازہ بند ہو جاتا تو مسلمانوں کے ملک کافروں کی چڑھائی سے ہرگز مامون نہ رہتے اور اللہ ہر حیثیت سے زیادہ بہتر جاننے والا ہے۔"

اور شرح شرعۃ الاسلام میں سید علی زادہ حنفی نے فرائض امیر پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے

ولا یدع فقیرا فی ولایتہ الا اعطاہ ولا مدیونا الا قضی عنہ دینہ ولا ضعیفا الا اعانہ ولا مظلوما الا نصرہ ولا ظالما

اور امام اپنی ولایت (مملکت) کے اندر کسی فقیر کو فقیر نہ رہنے دے اور نہ کسی قرضدار کو قرضدار باقی رکھے اور نہ کسی کمزور کو بے مددگار رہنے دے اور نہ کسی مظلوم کو دادرسی سے محروم کرے اور

Marfat.com

الا منعہ عن الظالم ولا عاریا الا کساہ کسوۃ الخ۔ | نہ کسی ظالم کو ظلم کرنے دے اور ہر ننگے کو لباس مہیا کرے۔"

اور امام کو جبکہ یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ ایک شعبہ کے محاصل اس کے مصارف کو اگر کفایت نہ کریں تو وہ دوسرے شعبہ سے قرض لے سکتا ہے تو پھر فئی، خراج، جزیہ، کراء الارض، خمس، ضرائب، عشورِ غیر مسلم، اور اموالِ فاضلہ میں مدات کا یہ تفاوت معاشی نصب العین اور مقصد و منہاج پر اثر انداز نہیں ہوتا اور تکمیلِ مقصد کے لئے ان مدات کے مصارف میں "اولی الامر" کو حقِ مداخلت حاصل ہے۔

الحاصل بیت المال کے محاصل کو اہل مصرف پر خرچ کرنے کے لحاظ سے "اولی الامر" کے اختیارات اس طرح منقسم ہیں کہ زکوٰۃ اور عشر جیسے محاصل کے لئے وہ صرف محافظ ہے اور منصوص اہلِ مصرف پر ہی خرچ کر سکتا ہے اور فئی و خراج جیسے محاصل میں وہ اپنی رائے اور مجلسِ شوریٰ کے مشورہ سے مصالح خلافت اور مستحقین کی ضرورت کے پیشِ نظر خرچ کر سکتا ہے۔

Marfat.com

# اعداد و شمار اور ان کی اہمیت

سطحی نظر میں اس مسئلہ کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں معلوم ہوتی۔ اور نہ یہ "اسلام کے معاشی نظام" کے اندر بظاہر دخیل نظر آتا ہے۔ لیکن در اصل معاشی مسائل میں "اعداد و شمار" کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ جب تک کسی ملک کی صحیح مردم شماری نہ کی جائے اور پھر پبلک کی معاشی زندگی کے درجات یعنی برسر روزگار، بے روزگار، تاجر، صناع نیز معذور، فقیر، دائم المریض اور صاحب حاجت افراد کے صحیح اعداد و شمار مرتب نہ ہوں اور زمین، کارخانے، معدنیات یعنی ذرائع پیداوار اور محاصل و مصارف کی تعیین و تشخیص میں بھی اعداد و شمار کا لحاظ نہ رکھا جائے تو پھر کوئی حکومت نہ اس مقصد کی تکمیل کر سکتی ہے "کہ قلمرو حکومت میں ایک فرد بھی محروم المعیشت نہ رہے" اور نہ وہ معاشی عدل و انصاف کا حقیقی توازن قائم رکھ سکتی ہے۔

پس جبکہ "اعداد و شمار" معاشی مسائل کے عادلانہ توازن کے لئے مقدمہ کی حیثیت رکھتے ہیں تو بلا شبہ ان کی اہمیت کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ جب فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) کے زمانہ میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ بہت وسیع ہو گیا تو منجملہ دیگر مہمات امور کے اس امر اہم کی جانب بھی توجہ کی گئی اور "اعداد و شمار" کو "خاص حیثیت" دیکر خلافت کے مختلف مسائل میں ان سے مدد لی گئی۔

چنانچہ جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے عصر خلافت میں مفتوحہ ممالک سے کثیر مال و دولت حاصل ہوا تو آپ نے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے مشورہ سے عطایا اور وظائف کے سلسلہ میں مردم شماری کے رجسٹر قبائل اور منازل (مکانات) کے لحاظ سے مرتب کرائے۔ اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) نے تو اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے یہانتک فرما دیا۔

| | |
|---|---|
| ارٰی مالاً کثیراً یسع الناس | میں دیکھ رہا ہوں کہ مال اب اس قدر بہتات کے ساتھ حاصل |
| وان لم یحصوا حتی یعرف | ہو رہا ہے کہ لوگوں کے لئے وسعت کے ساتھ کفایت کر سکتا |
| من اخذ ممن لم یأخذ | ہے سو اگر لوگوں کی شمار کر کے ان کی تعداد کا احاطہ نہ کیا گیا |
| خشیت ان ینتشر الامر الخ | تاکہ پانے والے اور نہ پانے والے کا صحیح حال معلوم ہو سکے |
| ۵۱ | تو مجھ کو خوف ہے کہ اس معاملہ میں انتشار نہ پیدا ہو جائے" |

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی اس رائے کو صحیح سمجھ کر اس پر عمل کیا۔

| | |
|---|---|
| وکتب الناس علی قبائلهم | اور لوگوں کی قبائل وار فہرست بنائی اور ان کے |
| وفرض لهم العطاء ۵۲ | روزینے مقرر کئے۔ |
| فدعا عقیل بن ابیطالب ومخرمة | حضرت عمرؓ نے عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل |
| بن نوفل وجبیر بن مطعم وکانوا | اور جبیر بن مطعم کو بلایا" اور یہ تینوں انساب قریش |
| من نساب قریش فقال اکتبوا | سے ماہر تھے" اور فرمایا کہ لوگوں کی شمار ان کے |
| الناس علی منازلهم ۵۳ | مکانات پر جا کر کرو۔ |
| قال رأیت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) | حزام کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو اس حالت |
| یحمل دواوین خزاعة حتی ینزل | میں دیکھا ہے کہ وہ بنی خزاعہ کا رجسٹر ہاتھ میں لئے |
| قدیدا فتاتیه بقدید فلا یغیب | ہوئے ہیں اور قدید میں اپنے ہاتھ سے عطایا تقسیم |
| عنه امرأة بکر ولا ثیب فیعطیهن | کر رہے ہیں حتی کہ ایک عورت کنواری اور بیوہ ان کی |
| فی ایدیهن ثم یروح بعسفان | شمار سے باہر نہ تھی اور اپنا حق حاصل کر رہی تھی۔ اسی |
| فیفعل مثل ذلک ایضاً | طرح عسفان میں جا کر انہوں نے یہی طریقہ اختیار |
| حتی توفی۔ | کیا اور وفات تک ہر سال یہی کرتے رہے۔ |

اسی طرح خراج اور جزیہ کے سلسلہ میں مصر اور عراق کی مردم شماری کرائی گئی اور غیر مسلموں ۵۴

۵۱ طبری ج ۵ ص ۲۳ و ۲۲ ۵۲ طبری ج ۵ ص ۲۲ ۵۳ ایضاً ج ۵ ص ۲۳ ۵۴ طبری ج ۵

Marfat.com

(ذمیوں) کے روزینے مقرر کرنے کے لئے فہرستیں مرتب کرائیں۔ ۱؎

"اعداد و شمار کی اہمیت کے یہی وجوہ و اسباب تھے جن کی بدولت تدوینِ دواوین کا افتتاح ہوا اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی اولیات میں سے اس کو شمار کیا گیا ۲؎

| | |
|---|---|
| (۱) والسبب فی تدوین الدواوین انّ | (۱) ابتدا میں اعداد و شمار کے رجسٹروں کی ترتیب کا |
| عامل عمر علی البحرین اتاہ یوماً | سبب یہ پیش آیا کہ بحرین کے گورنر کے پاس سے |
| بخمسمائة الف درهم | پانچ لاکھ درہم موصول ہوئے حضرت عمرؓ نے |
| فاستعظمها وجعل علیها حراساً | اس کو بڑی تعداد سمجھتے ہوئے مسجد میں اس پر |
| فی المسجد فاستشار علیه بعض | محافظ مقرر کردیئے اور صحابہؓ سے مشورہ کیا اور |
| من عرفوا فارس والشام ان | بعض صحابہ نے جو فارس و شام کے حالات |
| یدونن الدواوین یکتبون | سے واقف تھے یہ مشورہ دیا کہ رجسٹروں کی |
| فیها الاسماء وما لواحد | ترتیب دی جائے جن میں لوگوں کے نام اور |
| واحد، وجعل الارزاق | ان سے متعلق روزینہ کا تذکرہ ہو اور روزینہ کا |
| مشاهرة " | معاملہ ماہواری ہو جائے " |
| (۲) ولما توسع المسلمون فی الفتح | (۲) مسلمانوں کی فتوحات جب وسیع ہوگئیں اور |
| وانتشروا فی الممالك وكثرت | انھوں نے بہت سے ملکوں پر قبضہ کرلیا اور |
| موارد الدولة ونبسطت فی | دولت و ثروت کا ذخیرہ بہت کافی جمع ہوگیا |
| مناحی العمران واخذ یزداد | اور ان کی عمرانی حدود بہت بڑھ گئیں اور خراج |
| الفیٔ من الخراج والجزیة زیادة | و جزیہ سے علاوہ فیٔ و غنیمت میں اس قدر |
| لاطاقة للخلیفة وامرائه | اضافہ ہونے لگا کہ خلیفہ اور اعیانِ خلافت اس |
| بضبطها ولا قبل لهم باحصاء | کے نظم و انتظام سے عاجز آنے لگے اور مستحقین |

۱؎ کتاب الخراج ص ۱۲۶ ۲؎ طبری ج ۵ ص ۲۲ و ج ۶ ص ۱۶۰۔

Marfat.com

مستحقیها وتوزیع الاعطیات (المرتبات) علی اربابها بالعدل الا بضبطها وترتیبها علی اصول ثابتة وقیدها فی قیود خاصة دعا عمر رضی الله عنه الصحابة واستشارهم فی کیفیة تدوین الدیوان الخ ؎۱

مصارف اور تقسیم عطایا میں اصحاب عطیات کا احاطہ ناممکن ہوگیا اور تاوقتیکہ خاص قیودات اور معین ومرتب اصول پر ان کو مرتب نہ کیا جائے ان کی ترتیب دشوار ہوگئی تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہؓ کی مجلسِ شوریٰ منعقد کی اور ان سے مشورہ کیا کہ کس طرح اہلِ مصارف کی مردم شماری کے اور محاصل کی تفصیلات کے رجسٹر مرتب کیے جائیں۔

حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) جب بحرین سے مالِ کثیر لیکر آئے تو حضرت عمرؓ نے مجلسِ مشورت طلب فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

ایها الناس انه قد جاء مال کثیر فان شئتم ان نکیل لکم کلنا وان شئتم ان نعد لکم عددنا وان شئتم ان نزن لکم وزنا لکم فقال رجل من القوم

لوگو! یہ مالِ کثیر آیا ہوا ہے پس اگر تم چاہو تو میں پیمانہ سے ناپ کر تم میں تقسیم کردوں اور اگر تمہاری یہ خواہش ہو کہ گن کر دوں تو شمار سے بانٹ دوں اور اگر یہ مرضی ہو کہ وزن کرکے دوں تو اس طرح تول کردوں۔

یا امیر المؤمنین دوّن للناس دواوین یعطون علیها، فاشتهی عمر ذلك الخ ؎۲

قوم میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا امیر المومنین لوگوں کی شمار کے لئے رجسٹر مرتب کرائیے تاکہ اس کے مطابق وظائف دیے جایا کریں۔ حضرت عمرؓ نے اس کو بہت پسند کیا۔

اور اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا۔

؎۱ اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۳۶۴ ۔ ؎۲ کتاب الخراج ص ۴۵ ۔

Marfat.com

ان کنت صادقاً لیاتین | بلال! اگر یہ سچ ہے کہ روپیہ کی مقدار وہ ہے جو تم
---|---
الراعی نصیبہ من ھذا | بتا رہے ہو تو پھر یمن کے رہنے والے چرواہے تک
المال بالیمن ودمہ فی | کا اس مال میں حصہ ہے، بایں حالت کہ سفر کی وجہ
وجھہ لہ؎ | سے اس کا چہرہ تمتمایا ہوا ہو۔

یہ اور اسی قسم کے دوسرے حوالجات ہیں جو مقریزیؒ، ابن کثیرؒ، طبریؒ، ابی عبیدؒ اور امام ابو یوسفؒ نے بکثرت تفصیل کے ساتھ نقل کئے ہیں جن سے مختلف ضروریات کے لئے مردم شماری اور محاصل و مصارف کی تفاصیل کے سلسلہ میں "اعداد و شمار" کی اہمیت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اعداد و شمار اور رجسٹروں کی ترتیب کا یہ سلسلہ تو ہر ایک حکومت میں ہوتا ہے اور مختلف ضروریاتِ حکومت میں سے یہ بھی ایک اہم ضرورت ہے خواہ وہ حکومت سرمایہ دارانہ نظام کی حامی ہو یا اس کی مخالف و معاند ہو، پس اس کا "صالح معاشی نظام" کے بنیادی مسائل سے کیا تعلق ہے؟۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ "اعداد و شمار" اور اس سے متعلق دواوین و سجلات کا ہر قسم کی حکومت کے ساتھ تعلق ہے اور کسی خاص طرزِ حکومت کے ساتھ مخصوص نہیں لیکن اس سلسلہ میں "صالح معاشی نظام" اور "فاسد معاشی نظام" کے درمیان یہ فرق ہے کہ جس حکومت کا سسٹم ایسے اصول پر قائم ہے کہ اس سے مذموم سرمایہ داری عالمِ وجود میں آتی اور نشو و نما پاتی ہے تو اس نظامِ حکومت میں "اعداد و شمار" کی اہمیت اس لئے ہو گی کہ اس ذریعہ سے معلوم کیا جائے کہ ملک میں سرمایہ داری اور سرمایہ داروں کی ترقی کی شکل کیا ہو اور کس طرح اس ناپاک مقصد کو ترقی دینے کے لئے عوام اور غریب طبقے کو آلۂ کار بنایا جائے۔ اور اگرچہ اس نظام میں بے روزگاری کے مسئلہ کو حل کرنے کی بھی آوازیں سنی جائیں گی۔ لیکن اس آواز کے پسِ پردہ بھی وہی ذہنیت کارفرما ہوگی جو اس نظام کی نمایاں خصوصیت ہے۔

؎ کتاب الخراج ص ۴۶۔

اس کے برعکس جس حکومت کا طرز و طریق سرمایہ داری کے خلاف خلقِ خدا کی فلاح و بہبود پر قائم ہے اس کے نظامِ معاشی میں اس مسئلہ کی اہمیت اس طرح کارفرما نظر آئے گی کہ ہر ممکن طریقہ سے اس کو عوام و خواص سب کی حاجت روائی کے لئے مؤثر ذریعہ، خصوصاً محروم المعیشت افراد کی حق رسی کا بہترین وسیلہ بنایا جائے۔

چنانچہ اسلام کے "صالح معاشی نظام" میں اعداد و شمار کی اہمیت ان ہر دو نظریوں میں سے دوسرے نظریہ کے پیشِ نظر ہے اور اس لئے بلاشبہ وہ اقتصادی مسئلہ میں اساسی مقصد کا "مقدمۂ خیر ہے" "تمہیدِ شر" نہیں ہے۔ اس لئے معاشی نظم و انتظام کے لحاظ سے ازبس ضروری ہے کہ "اولی الامر" اپنے قلمرو میں "مردم شماری" کا نظم قائم کرے اور مسلم و غیر مسلم اور ذمی و مستامن کی تفصیلات کو جدا جدا رجسٹروں میں درج کرائے۔ اور برسرِ روزگار، بے روزگار، مریض، معذور اصناف کے اعداد و شمار محفوظ رکھے۔ نیز محاصل و مصارف کی تفصیلات کے لئے علیحدہ رجسٹر رکھے تاکہ ہر شخص اپنے معاشی حقوق کو بآسانی حاصل کر سکے اور خلافت کا معاشی نظام "صالح نظام" کہلانے کا مستحق ہو۔

Marfat.com

# وظائف

گذشتہ صفحات میں یہ واضح ہوچکا ہے کہ اسلامی نظامِ حکومت میں دو قسم کی رعایا حقوقِ شہری سے مستفید ہوتی ہے ایک "مسلم" یعنی وہ جماعت جس نے اسلام کے مکمل نظام کو قبول کرلیا اور دینِ الٰہی کے ہر فیصلہ کو اپنا ایمان بنالیا ہے اور دوسری (ذمّی) یعنی وہ غیر مسلم جماعت جس نے ایمانیات، عبادات اور اخلاقیاتِ دینی میں آزاد رہ کر اور اسلام سے انحراف کرکے صرف سیاسی واقتصادی اور معاشرتی امور میں حکومتِ اسلامیہ اور اس کے قوانین کی پناہ قبول کرلی ہے۔ اور اسلامی طاقت (خلافت) کا مطیع رہنا منظور کرلیا ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے اس دوسری جماعت پر اس کے مال، اس کی جان اور آبرو کی حفاظت کے باوجود نہ مقررہ ٹیکس (خراج وجزیہ) کے علاوہ ان پر کوئی ٹیکس عائد ہوتا ہے اور نہ وہ فوجی خدمات کے لئے مجبور کئے جاسکتے ہیں، اور نہ حکومت کی دوسری خدمات اُن پر عائد ہوتی ہیں لیکن پہلی جماعت (مسلم) پر یہ سب خدماتِ مالی وجانی عائد ہیں اور وہ ان خدمات کے لئے خاص خاص حالات میں مجبور بھی کی جاسکتی ہے۔

اور اس فرقِ باہمی کے لئے اسلام یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ جبکہ پہلی جماعت نے اسلام کے مکمل نظام کو تسلیم کرلیا ہے تو اب اسلام کا حق ہے کہ وہ اپنی ہر ایک خدمت کے لئے اس کو پکارے اور حالات ومقتضیاتِ وقت کے پیشِ نظر حکومتِ ربانی کے مقاصد کی تکمیل کے لئے جو خدمت چاہے اس کے سپرد کرے اس کو انکار ومنع کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ اس کے وفادارانہ انقیاد وتسلیم کے جوہر ایسے ہی مواقع پر کھلتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہئے کہ جبکہ ملتوں کے مختلف نظامہائے حکومت کے مقابلہ میں اسلام کا یہ نظامِ حکومت خود اُس کا اپنا نظام ہے

تو بلا شبہ اس کا فرض ہے کہ اس نظام کی بہتری کے لئے ہر قسم کی خدمات انجام دے۔

پس جبکہ اس اصول کے ماتحت اس جماعتِ "مسلم" کا جان و مال اسلام اور حکومت اسلامی کے لئے وقف ہے تو حکومت کے ذمہ ضروری ہے کہ ان کے بیشتر افراد کا تکفل اپنے ذمہ میں لے اور بڑی حد تک "اسٹیٹ" ہی ان کی معاشی زندگی کی ضامن ہو، تا کہ ملت کا ہر فرد اپنی دماغی اور عملی محنت کے ذریعہ ملک و ملت کی فلاح و بہبود میں مصروف ہو اور فارغ البال ہو کر رفاہیت اور پاک عیش و راحت کے ساتھ جماعتی استحکام کے لئے "کار آمد پرزہ" بن سکے اور اس طرح ان کی زندگی کا بڑا حصہ خلافت، حکومت، اور ملت و ملک کی خدمات کے لئے وقف ہو جائے۔

علاوہ ازیں اس طریقِ کار سے ایک بہت بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ قوم و ملت کی جماعتی فلاح اور ترقی کا وہ "اثر" جو اس طریقہ سے پیدا ہو گا "خود افرادِ قوم" پر پڑے گا، اور ہر فردِ ملت نہ صرف اپنی معاشی زندگی میں بلکہ زندگی کے ہر پہلو میں اپنی اپنی طبعی استعداد کے مطابق بہرہ مند و فیضیاب ہو سکے گا، اور یہی اقتصادی نظام کا سب سے بڑا مقصد ہے۔

پس حکومت (خلافت) اس جماعت کے افراد سے مختلف شعبوں کی خدمت لیتی اور ان کی اور ان کے اہل و عیال کی براہِ راست کفالت کرتی ہے۔ مثلاً "جہاد و اعلاء کلمۃ اللہ کی خدمت" "وصولِ صدقات و زکوٰۃ کی خدمت" "تعلیم و تبلیغ کی خدمت" "مختلف محکمہ جات کی خدمت"

اور جو افرادِ امت ان خدمات کے قابل نہیں ہیں مثلاً مریض اور معذور، یا معاشی وسائل سے قطعاً محروم ہیں مثلاً یتامیٰ و بیوگان، فقراء اور مساکین تو ان کا بارِ کفالت بھی حکومت ہی کے کاندھوں پر ہے تا کہ صالح معاشی نظام کا مقصدِ وحید فوت نہ ہونے پائے۔

حکومت کی یہی کفالت اور معاشی ذمہ داری "عطایا اور وظائف" کے نام سے نامزد ہے۔

مسطورہ بالا وجوہ و اسباب اور بیان کردہ مصالحِ عظیمہ کے پیشِ نظر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے مسلمانوں کے لئے زندگی کا جو دستور العمل مقرر فرمایا تھا اس کا ذکر احادیث و سِیَر کی کتابوں

Marfat.com

میں اجمال و تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ چنانچہ ابو عبیدؒ نے کتاب الاموال میں اس کا مختصر نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

| | |
|---|---|
| فلما کثرت الاموال فی ایام | جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حکومت |
| عمر و وضع الدیوان فرض | میں مال کی بہتات ہوگئی اور اعداد و شمار کے رجسٹر |
| الرواتب للعمال والقضاة | مرتب ہوگئے تو حکومت کے کارکنوں گورنروں اور |
| ومنع ادخار المال وحرم | قاضیوں وغیرہ کے مشاہرے مقرر کر دیئے گئے اور |
| علی المسلمین اقتناء الضیاع | مال اور خزانے جمع کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور |
| والزراعة او المزارعة | مسلمانوں پر کاشتکاری زمینداری ممنوع کر دی |
| لان ارزاقهم وارزاق | گئی، اس لئے کہ ان کے اور ان کے اہل و عیال کے |
| عیالهم تدفع لهم من | روزینے بیت المال سے مقرر کر دیئے گئے تھے |
| بیت المال حتی الی عبیدهم | بلکہ ان کے غلاموں اور آزاد شدہ غلاموں کے |
| وموالیهم اراد بذلك ان | بھی اس سے مقصد یہ تھا کہ تمام قوم عسکری بن جائے |
| تبقوا جندا علی اهبة الرحیل | اور اس طرح وہ کوچ کے لئے چست و چالاک |
| لا یمنعهم انتظار الزرع | رہے کہ ان کے سفر کے سامنے نہ زمینداری مانع |
| ولا یقعد هم الترف | آئے نہ کاشتکاری، اور یہ کہ وہ بے محنت کی زندگی |
| والقصف الخ [1] | اور عیش و عشرت میں نہ پڑ جائے۔" |

ممکن ہے یہاں یہ شبہ پیدا ہو کہ اگر تمام رعایا کاشتکاری اور زمینداری دونوں سے محروم کر دی جائے تو پھر خام اجناس کی پیداوار اس ملک میں کیسے ہوگی، اور جس ملک میں خام اجناس کی پیداوار نہ ہو، وہ کس طرح اپنی اقتصادی حالت کو برقرار رکھ سکتا ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حکم کا مقصد یہ نہ تھا کہ ہمیشہ کے لئے یہ حکم یکسانیت کے ساتھ قائم رکھا جائے گا، بلکہ اس

[1] نظام العالم والامم ج ۲ ص ۱۸۳۔ ماخوذ از کتاب الاموال لابی عبیدؒ و کتاب الخراج لابی یوسفؒ۔

Marfat.com

حکم سے (جیسا کہ خود اس عبارت میں درج ہے) مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرنا تھا کہ جہاد کے قیام اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے بقاء کی خاطر ازبس ضروری ہے کہ تمام افرادِ ملت یہ یقین کریں کہ ان کی زندگی "اجتماعی نظام" کی حیات کے ساتھ وابستہ ہے اور ان کے قوٰی عملی خود اپنے لئے نہیں ہیں بلکہ جماعت کی خدمت یا خلافتِ اسلامی کے استحکام کے لئے ہیں۔ اور اسی لئے ان کی معاشی زندگی کے لئے بڑی حد تک خلافت (اسٹیٹ) خود متکفل ہے، نیز یہ کہ زمینداری سسٹم چونکہ عیش پسندی، دوسروں کی محنت پر بھروسہ، اور کاہلی و بیکاری کی دعوت دیتا ہے اس لئے بھی مسلمانوں کو اس سے جدا رکھنا مناسب سمجھا گیا۔

اور چونکہ کاشت کی یہ خدمت اس زمانہ میں مفتوحہ ممالک کے وہ تمام ذمی انجام دیتے تھے جو اسلام کی حکومت کے زیرِ سایہ رہنا تو قبول کر لیتے تھے لیکن اسلام ان پر اپنے اقتصادی یا سیاسی نظام کو زبردستی ٹھونسنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ اور اس طرح خام اجناس وغیرہ ضروریات کی بہم رسانی کا بہترین ذریعہ حاصل تھا۔ لہذا اس وقت کے مناسب یہی طریقِ کار بہتر تھا کہ مسلمان زمین سے کوئی تعلق نہ رکھیں، لیکن جب معاملہ کی یہ نوعیت باقی نہ رہے تو پھر اس شجرِ ممنوعہ کی اس حد تک اجازت باقی رہے گی جس سے اصل مقصد کسی درجہ میں بھی فوت نہ ہونے پائے۔ [1]

اور اگر حقیقت بین نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اگر مسلمان زمین سے استفادہ کرنے کے جواز کی آڑ لیکر زمینداری اور کاشتکاری کے جال میں نہ اُلجھ جاتے اور "جہاد بالحق" کو شعار بنا کر سادہ اور پاک معاشی زندگی کو اسوہ بنائے رکھتے تو بلاشبہ آج دنیا کے ہر گوشہ میں حکومتِ ربانی (خلافتِ حقہ) کا علم بلند نظر آتا۔ اور غلامی اور ذلت و افلاس کی

---

[1] بعض روایات سے ایک مخصوص و محدود طرز کی زمینداری کا جواز ثابت ہے اور فاروقِ اعظم (رضی اللہ عنہ) کے اس اثر سے ممانعت ظاہر ہوتی ہے تو ان ہر دو قسم کی روایات میں تطبیق کی صورت یہی ہے جو اس صفحہ پر درج ہے یعنی نفسِ جواز کے قبول کے ساتھ ساتھ اسلامی مرغوبات میں سے یہی بات ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے ظاہر ہے۔

وہ صورتِ حال نہ پیدا ہوتی جس کا آج مشاہدہ ہو رہا ہے۔

بہر حال وظائف کا یہ نظم مختلف حیثیات کے اعتبار سے متعدد شعبوں پر مشتمل ہے اور ہر ایک شعبہ کے لئے رجسٹر اور فہرستیں جدا جدا رہنا ضروری ہیں۔

پہلا شعبہ ان وظائف سے متعلق ہے جو فوجی خدمات یعنی "جہاد بالسیف" سے وابستہ ہے اور چونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے اس کے ہر پیرو کے لئے "والنٹیر" ہونا ضروری اور ہر شخص کو "جہاد" کے لئے آمادہ رہنا واجب ہے۔ اس لئے اس شعبہ کو دو حصوں پر تقسیم کرنا چاہئے۔ ایک وہ فوجی جماعت جو میدانِ جہاد میں عام طور سے حصہ لیتی رہتی اور باقاعدہ فوج میں شامل ہے اور دوسری وہ جماعت جو عام طور پر تو اپنے کاروبار میں مشغول رہتی ہے مگر وقت پر فوجی خدمت کے لئے حاضر ہو جاتی ہے ایسی جماعت کو والنٹیر (مطوعہ) کہا جاتا ہے۔

خلافتِ اسلامیہ کی جانب سے ان دونوں جماعتوں کے لئے وظائف کا تقرر کیا جاتا ہے اور ابتداءِ دورِ خلافتِ فاروقی میں "مہاجرین وانصار" اسی فہرست میں شامل تھے۔ اور بحرین سے مالِ کثیر آنے پر جو روزینے مقرر کئے گئے وہ اسی شعبہ سے متعلق تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب صحابہ سے اس بارہ میں مشورہ کیا ہے تو ولید بن ہشامؓ نے یہ کہا۔

| | |
|---|---|
| یا امیر المومنین قد جئت | اے امیر المؤمنین! میں شام رہ آیا ہوں میں نے وہاں کے |
| الشام فرأیت ملوکھا قد | بادشاہوں کے یہاں دیکھا ہے کہ انھوں نے رجسٹر |
| دونوا دیوانا وجندوا جندا | بنا رکھے ہیں اور لشکریوں کو باقاعدہ درج رجسٹر کر رکھا |
| فدوّن دیوانا وجند | ہے آپ بھی روزینہ کے لئے رجسٹر بنوائیں اور لشکریوں |
| جندا فاخذ بقولہ لہ | کے نام درج رجسٹر کریں، پس حضرت عمرؓ نے ان |
| | کی بات منظور کر لی۔" |

لما فتح اللہ علیہ وفتح فارس — اللہ تعالیٰ نے جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتوحات کا

---

لہ طبری ج ۵ ص ۲۳۔

| | |
|---|---|
| والروم جمع اناساً من | سلسلہ وسیع کردیا اور فارس و روم بھی فتح ہوگیا تو آپ |
| اصحاب رسول اللہ صلی اللہ | نے صحابہؓ کی مجلس مشاورت منعقد کی اور فرمایا: میرا ارادہ |
| علیہ وسلم فقال: ما ترون فانی | ہے کہ مال کو بیت المال میں جمع رکھوں اس لئے کہ |
| اری ان اجعل عطاء الناس | باعث برکت ہوگا اور اس میں سے لوگوں کے سالانہ |
| فی کل سنة واجمع المال فانه | روزینے مقرر کروں آپ لوگوں کی رائے کیا ہے؟ صحابہ |
| اعظم للبرکة، قالوا اصنع ما | رضی اللہ عنہم نے کہا جو آپ مناسب سمجھیں وہ کیجئے |
| رأیت فانك انشاء اللہ موفق | خدا کی توفیق آپ کے شامل حال ہے پس حضرت عمرؓ |
| قال ففرض الاعطیات | نے وظائف کا تقرر کیا اور درج رجسٹر کرنے کے لئے |
| فدعا باللوح فقال: بمن ابدأ؟ | تختی منگائی اور پھر پوچھا کہ پہلے کس کا نام لکھوں حضرت |
| فقال له عبد الرحمن بن عوف | عبد الرحمن بن عوف نے کہا کہ اپنے نام سے شروع |
| ابدأ بنفسك فقال: لا واللہ | کیجئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا قسم بخدا یہ تو نہ ہوگا بلکہ |
| ولکن ببنی ھاشم رھط النبی | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان بنی ہاشم سے |
| صلی اللہ علیہ وسلم الخ ۱؎ | شروع کرتا ہوں۔" |

اس تقرر وظائف میں اگرچہ فوجی شعبہ کے علاوہ بھی بعض لوگوں کے نام پائے جاتے ہیں لیکن ابتدا میں ایسا رہا ہے مگر بعد میں ایک شعبہ کو دوسرے شعبہ سے کلیتہً ممتاز کردیا گیا تھا۔

اور جس طرح مجاہدین کے وظائف مقرر کئے گئے تھے اسی طرح اُن کے اہل و عیال کے بھی وظائف مقرر تھے۔ شروع شروع میں حضرت عمرؓ کسی بچہ کا وظیفہ اس وقت تک مقرر نہ کرتے جب تک اس کا دودھ نہ چھوٹ جاتا۔ مگر ایک مرتبہ انھوں نے رات کے گشت میں دیکھا کہ ایک عورت کا بچہ رو رہا ہے اور مچل رہا ہے مگر اس کی والدہ پر مطلق اثر نہیں ہوتا۔ آپ نے دریافت حال کیا تو عورت نے عرض کیا کہ عمرؓ کا حکم ہے کہ جب تک بچہ کا دودھ نہ چھوٹ جائے اس کا

۱؎ کتاب الخراج ص ۴۴ ۲؎ کتاب الاموال ص ۲۳۷ و ۲۴۱۔

Marfat.com

وظیفہ مقرر نہیں کیا جاتا، اور میں پریشان حال ہوں اس لئے قبل از وقت اس کا دودھ چھڑا دیا ہے اس وجہ سے یہ بیتاب ہے حضرت عمرؓ نے صبح ہی کو تمام قلمروِ خلافت میں منادی کرا دی کہ آئندہ بچہ پیدا ہوتے ہی اس کا روزینہ مقرر کر دیا جایا کرے گا۔" [1]

دوسرا شعبہ قضاۃ وعمالِ حکومت سے متعلق ہے، حکومتِ اسلامی میں جوڈیشل اور ایگزیکٹو کے کارکنوں کے مشاہروں کا سسٹم دوسرے قدیم وجدید طرزہائے حکومت کے سسٹم پر قائم نہیں کہ ان کی اساس وبنیاد دماغی اور تعلیمی استعدادات کا معیار قائم کر کے مقرر کی جائے اور اس طرح رضاکارانہ خدمات کو تجارتی (بزنس) سسٹم میں ڈھال دیا جائے، بلکہ ان کے لئے بھی حکومت کی جانب سے وظائف مقرر ہوتے ہیں اور ان کے تقرر میں دو باتوں کا لحاظ رکھا جانا ضروری ہے اول یہ کہ وہ اس مقدار میں ضرور ہو کہ ان کی اور ان کے اہل وعیال کی بخوبی کفالت کر سکے اور ان کو مجبوراً رشوت کی جانب مائل نہ ہونا پڑے، دوسرے یہ کہ عام طور پر ان میں تقریبی یکسانیت ہو یہ نہ ہو کہ ایک کو دس پا رہا ہے تو دوسرا ایک ہزار، اور ان وظائف کے تقرر کا معاملہ امام اور اولی الامر کی صوابدید پر ہے۔

قاضی ابو یوسفؒ عمال، قضاۃ، اور محکمۂ ڈاک کے کارکنان کے وظائف کے متعلق تحریر فرماتے ہیں،

| | |
|---|---|
| وتأمر باختیار الثقات العدول | اے ہارون! تو قلمروِ خلافت میں احکام بھیج دے |
| من اهل کل بلد ومصر فتولیهم | کہ ہر شہر اور بستی میں عادل اور ثقہ لوگ چن کر ان کو |
| البرید الاخبار وکیف ینبغی | ڈاک اور خبر رسانی کا محکمہ سپرد کیا جائے کیونکہ اگر |
| ان لا یقبل خبر الا من ثقة | عادل اور ثقہ کی خبر بھی قابلِ اعتماد نہ ہوگی تو اور |
| عدل؟ وتجری لهم الرزق | کس کی خبر لائق وثوق ہو سکتی ہے اور ان کے لئے |
| من بیت المال الخ [2] | بیت المال سے روزینے مقرر کر۔ |
| وکل رجل تصیره فی عمل | "اور ہر وہ شخص جس کو تو مسلمانوں (حکومتِ اسلامی) |

[1] کتاب الاموال ص ۲۳۷ [2] کتاب الخراج ص ۱۸۷ و ۱۸۶۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| المسلمین فاجر علیه من بیت | کی خدمت پر مامور کرے اس کا روزینہ بیت المال |
| مالهم ولا تجر علی الولاة والقضاة | سے مقرر کرے اور گورنروں اور قاضیوں کو زکوٰۃ کی |
| من مال الصدقة شیئاً الا والی | مد سے یہ وظیفہ نہ دیا جائے صرف عمالِ صدقات |
| الصدقة فانه یجری علیه منها | کو صدقات میں سے وظیفہ دیا جا سکتا ہے جیسا کہ |
| کما قال الله تبارک وتعالی «و | قرآنِ عزیز میں اللہ تعالیٰ نے تصریح فرما دی ہے |
| العاملین علیها» فاما الزیادة فی | «والعاملین علیها» (یعنی صدقات میں سے ان کو |
| ارزاق القضاة والعمال و | دو جو اس کے وصول کرنے پر مامور ہیں) باقی ان کے وظائف |
| الولاة والنقصان مما یجری | میں زیادتی کمی کا معاملہ تیری (یعنی امام المسلمین) |
| علیهم فذلک الیک [1] | کی صوابدید پر ہے۔ |

اور شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ثم ان الامام لما کان یستطیع | پھر جبکہ امام تنہا یہ قدرت نہیں رکھتا کہ وہ صدقات، |
| بنفسه ان یباشر جبایة الصدقات | زکوٰۃ اور عشور کو خود وصول کرے اور ہر مقام کے |
| واخذ العشور وفصل القضاء فی | جھگڑوں کو چکائے تو ضروری ہوا کہ وہ قاضیوں اور |
| کل ناحیة وجب بعث العمال و | عاملوں کو ہر جگہ مقرر کرے اور جبکہ یہ مصالحِ عامہ اور |
| القضاة ولما کان اولئک لمشغولین | ان کی خدمت گذاری پر لگا دیئے گئے تو یہ بھی |
| بامر من مصالح العامة وجب ان | ضروری ٹھیرا کہ ان کی معاشی کفالت |
| تکون کفایتهم فی بیت المال الخ | بیت المال کرے۔ |

اور امام ابو عبید فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| فانما لهم من المال بقدر | اور ان عمال حکام اور ولاۃ مسلمین کیلئے بیت المال کا |
| سعیهم وعمالتهم الخ [2] | وظیفہ ان کی سعی اور کام کی محنت کے پیشِ نظر ملنا چاہیئے۔ |

۱ کتاب الخراج ص ۱۸۶ ۔ ۲ کتاب الاموال ص ۶۰۶ ۔

Marfat.com

عن مالک لیس للعامل علی الصدقة فریضۃ مسماۃ انما ذلک الی نظر الامام واجتھادہ۔ | امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ عاملین کا روزینہ کوئی مقررہ معینہ مشاہرہ نہیں ہے بلکہ امام اور اس کے اجتہاد کی صوابدید پر ہے۔

قال ابو عبید وکذلک قول سفیان و اھل العراق وھذا عندنا ھو المعمول بہ[۵۱] | ابو عبیدؒ کہتے ہیں یہی ابو سفیان اور اہل عراق کا قول ہے اور یہی ہمارا معمول بہ ہے۔

تیسرا شعبہ "تعلیم و تبلیغ" کی خدمات سے متعلق ہے یعنی جو افراد امت قرآن عزیز مسائل دین کی تعلیم اور تبلیغ اسلام کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ اسلام نے تعلیم (دینی اور مفید تعلیم دنیوی) کو ہر فرد امت کے لئے ضروری قرار دیا ہے اس لئے وہ تعلیم و تعلّم کی ... عام ہونے پہنچانے کے لئے اس سلسلہ میں بھی وظائف کا تقرر ضروری قرار دیتا ہے اور دینی تعلیم میں اگرچہ معلمین کی خدمات لوجہ اللہ اور فی سبیل اللہ ہونی چاہئیں مگر جبکہ وہ اپنے کاروباری وقت کو ان پاک اور اہم مقاصد کے لئے وقف کر چکے ہیں تو حکومت اسلامی کا فرض ہے کہ ان کی اور ان کے اہل و عیال کی کفالت کرے تاکہ ان کو محروم المعیشت ہو کر اس مقدس سعی سے بے تعلق نہ ہو جانا پڑے۔

چنانچہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) نے اپنے اپنے دور خلافت میں اس شعبہ کا بہت بڑا اہتمام کیا اور معلّمین و مبلّغین کے وظائف مقرر فرمائے۔ ابن جوزیؒ نے سیرۃ العمرین میں نقل کیا ہے۔

ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کانا یرزقان المؤذنین والائمۃ والمعلمین[۵۲] | حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ مؤذنوں اماموں اور معلموں کو ماہانہ وظائف دیا کرتے تھے۔

اسی طرح فقہاء کے وظائف کے متعلق ابن جوزی نے تفصیلات نقل کی ہیں، اور کس فقیہ کو کس شہر میں تعلیم فقہ پر مامور کیا گیا۔ اس کو بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے[۵۳]۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانۂ خلافت میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

---

۵۱ کتاب الاموال ص ۶۰۲۔ ۵۲ ص ۱۶۵۔ ۵۳ ص ۱۶۸۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| بعث عمر بن عبد العزيز يزيد بن ابی مالك الدمشقی والحارث بن يمجد الاشعری يفقهان الناس فی البدو واجری عليهما رزقا فاما يزيد فقبل واما الحارث فابی ؎۱ | عمر بن عبد العزیزؒ نے یزید بن ابی مالک اور حارث بن یمجد اشعری کو بھیجا کہ وہ دیہات میں لوگوں کو دین سکھائیں اور ان کے لئے روزینہ مقرر فرمایا مگر یزید نے تو قبول کر لیا اور حارث نے روزینہ لینے سے انکار کر دیا (یعنی بلامعاوضہ خدمت انجام دی) |

اسی طرح طلبہ کے لئے بھی وظائف مقرر کئے۔

| | |
|---|---|
| ان عمر بن الخطاب کتب الی بعض عماله ان اعط الناس علی تعلم القرآن ؎۲ | حضرت عمرؓ نے بعض عاملوں کو لکھا کہ قرآن سیکھنے والوں کے لئے وظیفہ مقرر کریں۔ |

اس حکم پر عاملوں نے یہ لکھا کہ بعض لوگوں نے قرآن سیکھنے کی رغبت کے بغیر محض وظیفہ حاصل کرنے کی خاطر طالب علم بننا اختیار کر لیا ہے مگر حضرت عمرؓ نے اس کے باوجود وظیفہ بند نہیں کیا۔

چوتھا شعبہ، فقراء، مساکین اور محروم المعیشت افراد کے وظائف سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے اس شعبہ کا مقصد یہ ہے کہ قلمروِ خلافت کا ایک فرد بھی معیشت سے محروم نہ رہے یعنی جو اشخاص مزمن مرض، ضعفِ پیری، نقصِ اعضاء، یتیمی و بیوگی یا دوسرے اسباب کی بنا پر کسب معیشت سے معذور ہیں وہ افرادِ امت پر بارِ دوش نہ بن جائیں بلکہ حکومت "بیت المال" سے ان کے وظائف مقرر کر کے ان کے حقِ معیشت کو پورا کرے۔

اس شعبہ کی اساس و بنیاد قرآنِ عزیز کی آیاتِ صدقات و زکوٰۃ ہیں اور وہ حدیثِ صحیح ہے جس میں تصریح ہے کہ۔

| | |
|---|---|
| تؤخذ من اغنیاءھم وترد علی فقراءھم۔ | ان کے مالداروں سے "صدقات" لئے جائیں، اور ان کے حاجتمندوں پر صرف کئے جائیں۔ |

اور وہ صحیح روایات ہیں جن میں فقراء کی تنگیِ معیشت کے انسداد کے لئے حکم دیا گیا ہے۔

---

؎۱ کتاب الاموال ص ۲۶۲۔ ؎۲ ایضاً ۲۶۱۔

Marfat.com

وعن جرير رضي الله عنه قال اتى النبي صلى الله عليه وسلم قوم حفاة عراة مجتابي النمار او العباء متقلدي السيوف عامتهم من مضر فتمعر وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم لما رأى بهم من الفاقة فدخل ثم خرج فقال "يا ايها الناس اتقوا ربكم الذي خلقكم من نفس واحدة و خلق منها زوجها (الآية) ان الله كان عليكم رقيبا" والآية التي في الحشر اتقوا الله ولتنظر نفس ما قدمت لغد الآية۔ [۱]

اور جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک قوم پیش کی گئی جو ننگے پیر اور ننگے بدن تھے جو چیتے کے سے گل کی طرح کا صوف یا عبا پہنے ہوئے تھے، تلواریں حمائل تھیں اور ان میں زیادہ تر قبیلہ مضر کے لوگ تھے اور ان کے چہروں سے فاقہ کی حالت ظاہر تھی یہ دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور حجرہ مبارک میں داخل ہوئے اور پھر باہر آکر صحابہؓ کے سامنے سورہ نساء اور سورہ حشر کی آیات پڑھ کر سنائیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو" وہ امیر و کبیر ہوں یا فقیر و صغیر" ایک انسان آدم ہی سے پیدا کیا ہے اور اس لئے سب ہی بنی آدم ہیں اور یہ کہ انسان کو خدا سے ڈرنا چاہیے کہ وہ کل قیامت کے دن خدا کے سامنے کیا لے جا رہا ہے۔

چنانچہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے ایک مرتبہ اس قسم کے لوگوں کے حق خوراک سے متعلق تقرر وظائف میں یہ کیا کہ اچھی خوراک کے چند آدمیوں کو بلا کر دو وقت کھانا کھلایا اور پھر اسی اندازے سے ہر شخص کی خوراک کا وظیفہ مقرر فرما دیا[۲]۔ اور ایک روایت میں ہے۔

قال عمر واخذ المدى بيد والقسط بيد: انى قد فرضت

حضرت عمرؓ ایک ہاتھ میں پیمانہ (مد) لئے ہوئے تھے اور دوسرے ہاتھ میں پیمانہ (قسط) اور فرما رہے تھے

---

۱ مسلم کتاب الزکوۃ۔ ۲ فتوح البلدان ص ۴۴۲۔

| | |
|---|---|
| لکل نفس مسلمۃ فی کل شھر | کہ میں نے ہر مسلمان کے لئے ہر مہینہ دو مد گیہوں اور دو |
| مدی حنطۃ وقسطی زیت و | قسط روغن زیتون اور دو قسط سرکہ مقرر کر دیا ہے تب |
| قسطی خلّ، فقال رجل و | ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا، کیا غلام کے لئے بھی؟ |
| للعبد قال نعم وللعبد نعم ۵۱ | حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں غلام کے لئے بھی۔ |
| ان عمر صعد المنبر فحمد اللہ ثم | حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا، |
| قال انا اجرینا علیکم اعطیاتکم | حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا: ہم نے تمہارے لئے ہر مہینہ |
| وارزاقکم فی کل شھر وفی یدیہ | عطایا، اور روزینوں کا تقرر کر دیا ہے اور حضرت عمرؓ کے |
| المدی والقسط۔ ۵۲ | ہاتھ میں مُدی اور قسط دو پیمانے تھے۔ |

حضرت عثمانؓ نے خیار نہدی کے ضعفِ پیری اور کثرتِ اہل و عیال کو دیکھ کر ان کے بچوں کی تعداد دریافت کرنے کے بعد ان کا اور ان کے بچوں کا جداگانہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ ۵۳

صفحاتِ گذشتہ میں جن وظائف کا ذکر کیا گیا ہے، اگرچہ ابتدا دورِ فاروقی میں فوجی اور غیر فوجی دونوں قسم کے وظائف کا خلط رہا ہے مگر بعد میں حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے ان کو جدا جدا رجسٹروں میں درج کرا کر ممتاز کر دیا تھا۔ اور والنٹیروں کا رجسٹر (دیوان) علیحدہ تھا اور فقراء اور صاحبِ حاجات کا جدا رجسٹر (دیوان) تھا۔ چنانچہ ابو عبیدؒ نے کتاب الاموال میں اس فرق کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ فوجی وظائف کا تعلق زیادہ "فَی" سے تھا اور فقراء و صاحبِ حاجات کا "زکوٰۃ، عشر، عشور اور دوسرے ہر قسم کے صدقات" سے تھا۔ ۵۴

علاوہ ازیں بیت المال کے مصارف کی بحث میں کتبِ فقہ میں باب الزکوٰۃ، باب الجہاد، باب السیر کے اندر بصراحت بیان کیا گیا ہے کہ خلیفہ کے ذمہ فقراء، مساکین، یتامیٰ، بیوگان، مسافر اور مقروض، کی کفالت ضروری ہے اور حسبِ ضرورت سالانہ، ششماہی یا ماہوار ان کے لئے وظائف مقرر کرنا چاہئے۔

۵۱ کتاب الاموال ص ۲۴۶ و فتوح البلدان ص ۴۳۶۔ مدی ۱۲½ صاع، قسط نصف صاع ۵۲ کتاب الاموال ص ۲۴۷ ۵۳ ۲۳۸
۵۴ کتاب الاموال ص ۲۳۲ و ۲۳۳

Marfat.com

بہرحال بحث کا یہ نقطہ اسلامی حکومت کے اس جزء سے متعلق ہے جو "مسلم" کہلاتا ہے۔ رہا دوسرا جزء یعنی غیر مسلم (ذمی) سو اس کے متعلق بھی اسلام نے یہ تصریحات کی ہیں کہ بغیر جبر و اکراہ کے "ذمی" بھی اسلامی لشکر میں شامل ہو کر برضا و رغبت جنگ میں حصہ لے تو اس پر سے جزیہ معاف ہو جائے گا۔ اور مالِ غنیمت میں سے بھی اس کو معقول عطیہ دیا جائیگا اور اگر امام مناسب سمجھے تو اپنی صوابدید پر اس کا بھی فوجی وظیفہ مقرر کر سکتا ہے۔ چنانچہ ایسی صورت میں "جزیہ اٹھا لینے کی تصریح" ان معاہدوں میں موجود ہے جو خلفاء راشدین کے زمانہ میں ذمیوں سے کئے گئے ہیں۔ مثلاً فتح جرجان کے موقع پر معاہدہ میں یہ لکھا گیا۔

| | |
|---|---|
| ومن استعنا بہ منکم فلہ | اور تم (ذمیوں) میں سے جس شخص سے ہم |
| جزاءہ فی معونتہ عوضاً من | فوجی مدد لیں گے تو اس کی مدد کا یہ صلہ ہوگا کہ |
| جزایہ۔ [۱] | اس سے جزیہ نہیں لیا جائیگا۔ |

اور فتح آذربائیجان کے معاہدہ میں تحریر ہے۔

| | |
|---|---|
| ومن حشر منھم فی سنتہ وضع | اور جو (ذمی) مسلمانوں کے لشکر میں حصہ لیگا |
| عنہ جزاء تلک السنۃ [۲] | اس سال کا جزیہ اس سے معاف کر دیا جائیگا۔ |

اور درمختار میں ان کے لئے مالِ غنیمت میں سے عطیہ دینے کے متعلق یہ تصریح ہے۔

| | |
|---|---|
| او دل الذمی علی الطریق) و | (یا ذمی جنگ کے سلسلہ میں راستہ کا رہنما بنے) اس کا |
| مفادہ جواز الاستعانۃ بالکافر | مفاد یہ ہے کہ اسلامی ضرورت کے پیش نظر کافروں |
| عند الحاجۃ وقد استعان | سے مدد لینا جائز ہے کیونکہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے |
| علیہ الصلوۃ والسلام بالیھود | یہودیوں کے مقابلہ میں یہودیوں سے مدد لی تھی اور |
| علی الیھود و رضخ لھم ولا | ان کے لئے غنیمت میں سے عطیہ عطا فرمایا تھا اور |
| یبلغ بہ السھم الا فی | یہ عطیہ تقسیم غنیمت کے حصہ سے بڑھنے نہ پائے الا یہ |

[۱] طبری ج ۴ ص ۲۵۴۔ [۲] طبری ج ۴ ص ۲۵۶

Marfat.com

| | |
|---|---|
| الذمی اذا دل فیزاد علی السھم لانہ کالاجرۃ لہ [۱] | اگروہ راستہ کا رہنما ہے تو غنیمت کے حصہ سے بھی زیادہ دیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ اجرت کی طرح ہے۔ |

اسی طرح امام شافعیؒ نے کتاب الام میں مشرکین سے جنگ میں مدد حاصل کرنے کے جواز میں بیان کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| فلا بأس ان یستعان بالمشرکین علی قتال المشرکین اذا خرجوا طوعاً ویرضخ لھم [۲] | امام کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے اگر وہ مشرکین کے مقابلہ میں مشرکین سے مدد لے جبکہ وہ (ذمی مشرکین) بخوشی اس کے لئے تیار ہوں اور اس صلہ میں ان کے لئے مال غنیمت میں سے بطور عطیہ کے ادا کرے۔ |

اور فتوح البلدان میں بلاذریؒ نے نقل کیا ہے کہ عبیداللہ بن زیاد نے بخارا کی ایک بڑی جماعت کو اس بات کی دعوت دی کہ وہ اسلام کی امان میں آجائیں اور یہ کہ ان کے لئے "معاشی وظیفہ" بھی مقرر کردیا جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے بخوشی اس کو قبول کرلیا اور بصرہ میں قیام پذیر ہوگئے۔ [۳]

غیر مسلم (ذمی) کے یہاں عطایا اور وظائف کا ذکر تھا جو فوجی نظام سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن فقراء، مساکین اور دوسرے اہلِ حاجات کے بارہ میں اسلام بغیر کسی تفریق (مسلم و غیرمسلم) کے وظائفِ معاشی کا سلسلہ قائم کرتا ہے اور کسی ایک ذمی کو بھی محروم المعیشت رکھنا جائز نہیں سمجھتا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا واقعۂ ذیل اس حقیقت کی روشن دلیل ہے۔

ایک مرتبہ فاروقِ اعظمؓ ایک مکان پر تشریف لے گئے دیکھا تو ایک بوڑھا نابینا بھیک مانگ رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں یہودی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ کس چیز نے تجھ کو بھیک مانگنے پر مجبور کیا؟ اس نے جواب دیا کہ ادائے جزیہ، معاشی ضرورت، اور ضعفِ پیری نے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے مکان پر

---

[۱] شامی ج ۴ ص ۳۲۵۔ [۲] کتاب الام ج ۳ ص ۱۷۷ [۳] فتوح ص ۲۶۹۔

Marfat.com

لیجا کر جو موجود تھا اس کو دیا۔ پھر بیت المال کے خزانچی کے پاس فرمان بھیجا کہ

| | |
|---|---|
| اُنْظُرْ ھذا و ضربائہ، فواللہ | یہ اور اسی قسم کے دوسرے حاجتمندوں کی تفتیش کرو |
| ما انصفناہ ان اکلنا شیبتہ | خدا کی قسم ہم ہرگز انصاف پسند نہیں ہو سکتے اگر ان (ذمیوں) |
| ثم نخذ لہ عند الھرم ، انما | کی جوانی کی محنت (جزیہ) تو کھائیں اور ان کی پیری کے |
| الصدقات للفقراء والمساکین | وقت ان کو بھیک کی ذلت کے لئے چھوڑ دیں۔ قرآن عزیز |
| والفقراء ھم المسلمون و | میں ہے "انما الصدقات للفقراء والمساکین" |
| ھذا من المساکین من | میرے نزدیک یہاں فقراء سے مسلمان مفلس مراد ہیں |
| اھل الکتاب ووضع | اور مساکین سے اہل کتاب کے غرباء و فقراء اس کے |
| عنہ الجزیۃ وعن | بعد حضرت عمرؓ نے تمام ایسے لوگوں سے جزیہ بھی معاف |
| ضربائہ الخ [1] | کر دیا اور ان کا وظیفہ بھی بیت المال سے مقرر فرما دیا۔ |

اور حضرت ابو بکرؓ کے دورِ خلافت میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے اہلِ حیرہ کے لئے جو عہدنامہ تحریر فرمایا اس میں اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ ہیں اور حقوقِ معاشرت میں مسلم اور غیر مسلم (ذمی) کی ہمسری کا اعلان کرتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| وجعلت لھم ایما شیخ ضعف | اور میں یہ طے کرتا ہوں کہ اگر ذمیوں میں سے کوئی ضعف |
| عن العمل او اصابتہ آفۃ من | پیری کی وجہ سے ناکارہ ہو جائے یا آفاتِ ارضی وسماوی |
| الآفات او کان غنیا فافتقر و | میں سے کسی آفت میں مبتلا ہو جائے یا ان میں سے کوئی |
| صار اھل دینہ یتصدقون علیہ | مالدار محتاج ہو جائے اور اس کے اہلِ مذہب اس کو خیرات |
| طرحت جزیتہ وعیل من بیت | دینے لگیں تو ایسے تمام اشخاص سے جزیہ معاف ہے اور |
| مال المسلمین وعیالہ ما اقام بدار | بیت المال ان کی اور ان کے اہل وعیال کی معاش |
| الھجرۃ ودار الاسلام الخ [2] | کا کفیل ہے جب تک کہ وہ دار الاسلام میں مقیم ہیں۔ |

---

[1] کتاب الخراج ص ۱۲۶ [2] ایضاً ص ۱۴۴۔

Marfat.com

اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو تو اس بارہ میں اسقدر اہتمام تھا کہ ایک مرتبہ جبکہ حضرت حذیفہؓ کو دجلہ کی ایک سمت میں اور حضرت عثمان بن حُنَیف کو دجلہ کی دوسری سمت میں خراج کی وصولیابی کے لئے روانہ فرمایا اور وہ خراج وصول کرکے واپس ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ شاید تم نے ذمیوں سے ان کی طاقت سے زیادہ وصول کیا ہوگا۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ جو اُن کے پاس چھوڑا ہے اس کے مقابلہ میں یہ بہت ہی کم مقدار ہے اور حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ ان کے پاس اس سے دوگنا حصہ چھوڑ آیا ہوں حضرت عمرؓ نے یہ سن کر بھی معاملہ کی اہمیت کو اس طرح ظاہر فرمایا۔

| | |
|---|---|
| اما واللہ لئن بقیت لارامل اھل العراق لادعنھم لا یفتقرون الی امیر بعدی ابدا[1] | معلوم رہے! بخدا اگر میں زندہ رہ گیا تو اہلِ عراق کی بیواؤں کو ایسا کر چھوڑوں گا کہ میرے بعد کسی امیر کی محتاج نہ رہیں۔ |

غرض اسلام اپنے معاشی نظام میں وظائف کے سسٹم کو مختلف شعبوں میں اس لئے قائم کرتا ہے کہ معاشی نظام کا جو حقیقی مفاد ہے وہ باحسن طریق پورا ہو جائے اور اس کا کوئی گوشہ بھی تشنۂ تکمیل نہ رہے چنانچہ خلیفہ کے فرائض پر بحث کرتے ہوئے علماء اسلام نے اس حقیقت کو بار بار آشکارا کیا ہے۔ محلّی ابنِ حزم کی عبارت گذشتہ صفحات میں نقل کی جا چکی ہے۔ اب مختصر مختار الکونین کی یہ عبارت قابلِ مطالعہ ہے۔

| | |
|---|---|
| ثم اعلم بانہ لابد للانسان من ثلثۃ اشیاء بلوازمھا سواء کان ذکرا او انثی لایمکن حیاتہ وفراغہ لعبادۃ ربہ وبقاء نسلہ الا بھا فیجب علی الامام ان | یہ بات جان لینا چاہیے کہ انسان کی ضروریاتِ زندگی میں تین چیزیں لازمی ہیں مرد ہو یا عورت سب ہی اس میں برابر ہیں اس لئے کہ زندگی کی بقاء عبادتِ الٰہی کے لئے طمانیت اور بقاء نسل ان تینوں امور سے ہی وابستہ ہیں اس لئے امام (خلیفہ) کے ذمہ واجب ہے |

[1] کتاب الخراج ص ۳۷۔

یقصد بتیسیر الاشیاء لثلثۃ
لکل من الناس علی حسب
استعدادہ وحالہ سواء کان غنیا
او فقیرا او ذکرا او انثی اولہا
الطعام والشراب وھو سبب
لحیوتہ فلا یمکن حیوتہ الا بہا
والثانی اللباس سواء کان من
القطن والکتان والصوف
او غیرھا الثالث التزویج لانہا
سبب بقاء النسل الخ [1]

کہ وہ ہر انسان کے لئے خواہ وہ دولتمند ہو یا غریب اور
فقیر، مرد ہو یا عورت اس کے حالات وضروریات کے
پیشِ نظر ان تین چیزوں کے حصول کے لئے ہمہ قسم
کی آسانیاں بہم پہنچائے (تاکہ ہر شخص اپنا معاشرتی و
معاشی حق پالے) اور وہ تین چیزیں یہ ہیں اول کھانے
پینے کی سہولت دوسری لباس کی سہولت خواہ وہ
صوف کا ہو یا کتان کا یا سوت کا یا کسی بھی چیز کا ہو
اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں انسانی حیوۃ کے لئے
ضروری ہیں اور تیسری ازدواجی زندگی کی سہولت
اس لئے کہ یہ بقاء نسل کے لئے ضروری چیز ہے"۔

اور بدائع الصنائع میں نفقات کی بحث میں یہ تصریح موجود ہے کہ جس شخص کے ذمہ کسی غریب اور صاحبِ حاجت کا معاشی تکفل ضروری قرار دیا جائیگا تو اس تکفل میں یہ چند چیزیں لازمی اور ضروری ہوں گی۔

ویجب علیہ المأکل والمشرب
والملبس والسکنی والرضاع ان
کان رضیعا لان وجوبہا للکفایۃ
والکفایۃ متعلق بھذہ الاشیاء
فان کان للمنفق علیہ خادم
یحتاج الی خدمتہ تفرض لہ

اور اس متکفل پر واجب ہے کہ وہ صاحبِ حاجت کے
کھانے پینے، لباس اور مکان کا تکفل کرے اور اگر حاجتمند
شیر خوار بچہ ہے تو اس کو دودھ پلانے کا بھی اسلئے کہ
اس معاشی کفالت کا وجوب صاحبِ حاجت کی حاجت
روائی کے لئے ہے اور حاجت روائی کے لئے یہ چیزیں
ضروری اور لازمی ہیں، اور اگر صاحبِ حاجت اپنی

---

[1] ص ۴۴ قلمی۔ مصنف نے یہ کتاب اپنے دور کے بادشاہوں کے مظالم سے متاثر ہو کر لکھی ہے۔ اور مملکت سے متعلق اجتماعی مسائل پر یہ کتاب بے نظیر ہے۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| ایضاً لان ذلك من جملة الکفالة الخ [1] | اہم ضرورت کی بنا پر کسی خادم کا محتاج ہے تو اس خادم کا نفقہ بھی متکفل کے ذمہ واجب ہے۔ |

وظائف کے سلسلہ میں اگرچہ چند شعبوں کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ "نظامِ معاشی" اس خاص تعداد کا پابند ہے بلکہ "خلیفۂ اسلام" کو حسبِ ضرورت ان میں اضافہ و بیشی کا مجاز ہے اور یہ حقیقت وہ شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے جو دورِ رسالت اور خلفاءِ راشدین کے دورِ خلافت کی صحیح تاریخ کا حق آگاہ ہو۔

گذشتہ صفحات میں ایک مقام پر یہ ذکر آچکا ہے کہ وظائف کے تقرر میں "اسلام کے معاشی نظام" میں دماغی کاوش اور محنت کو باہم حریف بنا کر بزنیس (Business) کے اصول کو مدِنظر نہیں رکھا جاتا بلکہ "امام" کبھی عمل اور محنت میں فاضل و مفضول کا فرق کرکے وظائف کا تقرر کرتا ہے اور کبھی اس فرق کو بھی نظرانداز کرکے "مساوات" کے اصول پر تقرر کر دیتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں مساوات ہی کو "اسوہ" بنایا اور اعمال کی فضیلت کو قطعاً نظرانداز کر دیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب قلمروِ خلافت سے مالِ کثیر وصول ہوا تو صدیقِ اکبرؓ نے مستحقین میں برابر تقسیم کرنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر بعض مسلمانوں نے عرض کیا۔ خلیفۂ رسول اللہ آپ نے اس تقسیم میں سب کو برابر کر دیا کاش کہ آپ "اہلِ سوابق و قِدَم" [2] کو فضیلت دے کر دوسروں سے زیادہ دیتے۔ صدیقِ اکبرؓ نے یہ سن کر فرمایا۔

| | |
|---|---|
| اما ما ذکرتم من السوابق والقدم والفضل فما اعرفنی بذلك وانما ذلك شئ ثوابه علی الله جل ثناؤه وھذا معاش فالاسوۃ فیه خیر | تم نے جو اہلِ سبقت و قِدَم اور اہلِ فضیلت کی سبقتِ اسلام اور فضیلت کا ذکر کیا ہے تو یہ تو مجھے تم سے زیادہ معلوم ہے مگر وہ تو ایسی چیز ہے جس کا ثواب اللہ جل ثناؤہ کے پاس ہے اور یہ معاملہ معاش کا ہے |

[1] بدائع الصنائع ج ۴ ص ۳۸۔ [2] وہ مسلمان جنھوں نے اسلام میں سبقت کی اور جانی و مالی خدمات سب سے پہلے انجام دیں جیسا کہ مجاہدینِ بدر۔

Marfat.com

من الأثرة الخ [۵۱] | سو اس میں ترجیح کے مقابلہ میں مساوات ہی بہتر ہے۔

اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے ابتداءِ دورِ خلافت میں "السابقون الاولون" کی سبقتِ اسلام اور فضیلت کو تسلیم کرتے ہوئے مجاہدینِ بدر اور غیر مجاہدینِ بدر جیسے فضائل کی بنا پر عطایا اور وظائف میں فرق جائز رکھا مگر آخری دور میں حضرت ابوبکرؓ ہی کی رائے کو مفید سمجھا اور اپنی سابق رائے سے رجوع کرتے ہوئے فرمایا۔

لئن عشت الی ھذہ اللیلۃ | اگر میں آئندہ سال ان وظائف کے دنوں میں زندہ
من قابل لالحقن اخری الناس | رہ گیا تو یقیناً سابقون الاولون اور بعد میں آنیوالوں کو
باولاھم حتی یکونوا فی العطاء | سب کو ملادوں گا اور عطیہ اور وظیفہ میں سب
سواء الخ [۵۲] | کو مساوی کردوں گا۔

ابوعبید کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ بھی صدیقِ اکبرؓ کی رائے کے مؤید تھے۔

وکذالک یروی عن علی التسویۃ | اور اسی طرح حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے بھی
ایضاً، ولکلا الوجھین | مساوات ہی منقول ہے۔ بہرحال دونوں طریقوں
مذھب [۵۳] | کے لئے راہِ سلوک موجود ہے۔

مگر اس جگہ یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ "مساواتِ معاشی" کا یہ مسئلہ بیت المال یا خلیفۂ اسلام کے مقرر کردہ عطایا و وظائف سے متعلق ہے ذاتی ملکیت کے مسئلہ سے اس کا تعلق نہیں ہے وہ عنقریب اپنی تفصیلات کے ساتھ زیرِ بحث آنیوالا ہے۔

وظائف کے اس سلسلۂ عام کو دیکھکر یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ عمالِ حکومت اور اصحابِ حاجات کے علاوہ اگر وظائف و عطایا کا یہ انفرادی و شخصی سلسلہ اسی طرح قائم رکھا جائے جس طرح اسلام کے معاشی نظام میں زیرِ بحث آیا ہے تو ملک میں تجارت، صنعت و حرفت اور دوسرے اہم ذرائع معیشت صفر کے برابر ہوجائیں گے حالانکہ یہی ذرائع معیشت اقتصادی فلاح و ترقی کا مدار ہیں؟

---

[۵۱] کتاب الخراج ص ۴۲ و کتاب الاموال ص ۲۶۳ [۵۲] کتاب الخراج ص ۴۶ و کتاب الاموال ص ۲۶۴ [۵۳] کتاب الاموال ص ۲۶۴

بلاشبہ یہ سوال کافی اہمیت کا حامل اور قابلِ غور ہے۔ چنانچہ مفکرِ اسلام شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں "سیاستِ مدنیۃ" پر بحث کرتے ہوئے اس بات کو اچھی طرح صاف کر دیا ہے کہ اسلام کا معاشی نظام ایک لمحہ کے لئے بھی یہ برداشت نہیں کرتا کہ اس کی قلمرو میں تجارت، صنعت و حرفت، اور مفید و جائز معاشی وسائل میں اضمحلال پیدا ہو جائے اور مملکت کی آبادی مفت خورانہ وظائف پر گذراوقات بسر کرنے لگے۔ اور وہ یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ عام حالاتِ زندگی میں تمام قلمروِ اسلامی کا جہاد میں مصروف رہنا بھی ضروری نہیں ہے بلکہ ان میں تاجر، صناع، کاشتکار، سب ہی کا وجود ضروری ہے۔

او يكون توزعهم في الاقبال على الاكساب بحيث يضر بالمدنية مثل ان يقبل اكثرهم على التجارة ويدعوا الزراعة او يكسب اكثرهم بالغزو ونحوه وانما ينبغي ان يكون الزراع بمنزلة الطعام و الصناع والتجار الحفظة بمنزلة الملح المصلح الخ

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۴۲)

سیاستِ ملکی میں تقسیمِ کار اور مختلف منازلِ کسب و اکتساب کا ہونا ازبس ضروری ہے اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ صورتِ حال یہ ہو کہ وہ سب ایسے کسب و اکتساب کی جانب متوجہ ہو جائیں کہ آخر کار وہ ملک (شہر) کے نقصان کا باعث بن جائے مثلاً ملک کی اکثریت زراعت کو چھوڑ بیٹھے اور اور صرف تجارت ہی کی جانب متوجہ ہو جائے (یعنی خام اجناس کے وسائل کے باوجود ان کو پیدا نہ کیا جائے) یا اس کی اکثریت صرف غزوہ ہی میں مشغول ہو جائے (اور تجارت اور صنعت و زراعت معدوم ہونے لگے) یا اسی طرح کسی ایک مشغلہ میں ملک کی اکثریت مشغول رہ کر دوسرے ذرائع ترقی ملک کو کھو بیٹھے تو یہ سیاست مملکت کے لئے سخت مضر ہے بلکہ شہری باشندوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ کاشتکار اجتماعی حیات کے لئے بمنزلہ طعام کے ہیں اور تاجر و صناع اور فوج و سپاہی گویا نمک برائے اصلاحِ طعام کی مثال ہیں

نیز انھوں نے صراحت کے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ مملکت کی تباہی کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ افرادِ ملت ہاتھ کی کمائی اور ذاتی محنت کے ذریعہ تحصیلِ معاش کو چھوڑ کر اپنا بوجھ صرف "بیت المال" پر ڈال دیں اور اس کے حقیقی مصارف کے لئے باعثِ مصیبت بن جائیں" اگرچہ ان میں سے بعض افرادِ ملت کا حقِ معیشت بیت المال سے ہی کیوں نہ متعلق ہو مثلاً مجاہدین اور علماء"۔

وغالب سبب خراب البلدان فی هذا الزمان شیئان احدهما تضییقهم علی بیت المال بان یعتادوا التکسب بالاخذ منه علی انهم من الغزاة او من العلماء الذین لهم حق فیه او من الذین جرت عادة الملوک بصلتهم کالزهاد والشعراء او بوجه من وجوه التکدی ویکون العمدة عندهم هو التکسب دون القیام بالمصلحة فیدخل علی قوم فیتضیقون علیهم ویصیرون کلاً علی المدینة الخ

(حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۴۵)

اور اس زمانہ میں مملکتوں کی بربادی کا سببِ غالب دو امور ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بیت المال کے مالیہ پر ضیق اور تنگ حالی چھا جائے یعنی ایسے افراد بھی اپنی تمام معیشت کا بار اس پر ڈال دیں جن کا واقعی بیت المال میں حق ہے جیسے مجاہدین اور علماء اور وہ افراد بھی جن کے لئے آج کل کے بادشاہوں نے داد و دہش کے خزانے کھول رکھے ہیں جیسے صوفی اور شاعر وغیرہ یا اسی قسم کے دوسرے مکدر اور غلط اسباب کی راہ سے بیت المال کو زیرِ بار کیا جائے۔ درحقیقت ان کے دماغوں میں یہ بات آنی چاہئے کہ بہترین ذریعہ معاش قوتِ بازو سے کمانا ہی نہ کہ اجتماعی مصالح کے قیام کی راہ سے صرف بیت المال کے روزینہ پر اکتفا کر بیٹھنا کیونکہ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک جماعت دوسری جماعت کے ساتھ مزاحمت کرتی ہے۔ اور پھر آپس میں ایک دوسرے کے لئے تکدر اور معاشی خرابی کا باعث بنتی ہے اور بالآخر حضارت اور مملکت کے لئے بارِ دوش ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

اور دوسری جگہ قابل ملامت تعیش پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسے ملک کے باشندے معاش کے ان اصولی وسائل کو چھوڑ بیٹھتے ہیں جن پر نظام عالم کی بنیاد قائم ہے۔

| | |
|---|---|
| وصار جمهور الناس عيالاً | اور باشندوں کی اکثریت خلیفہ کی عیال بن جاتی اور |
| على الخليفة يتكففون منه تارة | بیت المال پر بار ہو جاتی ہے اور کبھی وہ یہ کہکر وظیفہ |
| على انهم من الغزاة والمدبرين | حاصل کرتے ہیں کہ وہ "غازی" ہیں اور ملک کے "سیاسی رہنما" |
| المدينة يترسمون برسومهم | ہیں اور اس وظیفہ طلبی میں ضروری حاجات کا دفع کرنا |
| ولا يكون المقصود دفع الحاجة | مقصد نہیں رہتا بلکہ باپ دادا کی رسم کو قائم رکھکر |
| ولكن القيام بسيرة سلفهم | مفت خوری مقصد ہو جاتا ہے اور کبھی یہ کہکر وصول |
| وتارة على انهم شعراء جرت | کرتے ہیں کہ وہ "درباری شاعر" ہیں اور بادشاہوں کی |
| عادة الملوك بصلتهم وتارة | جانب سے شعراء پر داد و دہش ہوا ہی کرتی ہے اور کبھی |
| على انهم زهاد وفقراء يقبح | یہ کہکر حاصل کرتے ہیں کہ وہ "صوفی اور درویش" ہیں اور |
| من الخليفة ان لا يتفقد | خلیفہ ان کے تفتیش حالات کو معیوب سمجھنے لگتا ہے |
| حالهم فيضيق بعضهم | اور اس طرح وہ ایک دوسرے کی ضیق اور تنگی کا باعث |
| بعضا وتتوقف مكاسبهم على | بن جاتے ہیں اور ان کا معاشی کسب و اکتساب صرف |
| صحبة الملوك والرفق بهم و | بادشاہوں کی مصاحبت ان کی خوشامد اور جی حضوری |
| حسن المحاورة معهم والتملق | اور ان کی مدح میں چرب زبانی پر رہ جاتا ہے اور آخر کار |
| منهم وكان ذلك هو الفن | یہ ایسا فن بن جاتا ہے کہ ان کے تمام افکار اور دماغی |
| الذي تتعمق افكارهم فيه و | خیالات اس بدترین فن پر صرف ہونے لگتے ہیں۔ اور |
| تضييع اوقاتهم معهم فلما | تضیع اوقات کا باعث بن جاتے ہیں۔ |
| كثرت هذه الاشغال مشى | بہر حال جب کسی قوم میں یہ اشغال بڑھ جاتے ہیں تو |
| في نفوس الناس هيئات | لوگوں کے نفوس میں ادنیٰ اور ذلیل افکار و خیالات |

| | |
|---|---|
| خیستو او اعرضوا عن | رونما ہونے لگتے ہیں اور پست خیالی اور دنارت ان کو |
| الاخلاق الصالحۃ[1] | اخلاقِ صالحہ سے باز رکھتی ہے |

ان حوالجات کے مطالعہ کے بعد کیا ایک لمحہ کے لئے بھی یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں "وظائف کا طریقہ" اس مذموم رسم و رواج کا حامی ہے جس کا ذکر سائل کے سوال میں کیا گیا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں!

بلکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ چونکہ اس وقت "اسلام کے اقتصادی نظام" کے تمام خانوں میں جدا جدا رنگ بھرا جا رہا ہے اس لئے اس شبہ نے جگہ بنا لی ورنہ جب تمام عناصر اپنی اپنی جگہ فٹ ہو کر مکمل نقشہ سامنے آجائے گا تو اس کے بعد یہ سوال خود بخود حل ہو جائے گا۔

علاوہ ازیں وظائف کے تقرر کے وقت یہ سوال خود فاروقِ اعظمؓ سے ابوسفیانؓ نے کیا تھا اور حضرت فاروقؓ نے جو جواب دیا وہ باحسن وجہ اس شبہ کو حل کر دیتا ہے چنانچہ بلاذری نے فتوح البلدان میں وظائف و عطایا کی بحث میں اس واقعہ کو اس طرح نقل کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| فلما وضع عمر الدیوان قال | جب حضرت عمرؓ نے وظائف کے لئے رجسٹر مرتب کرلئے |
| ابوسفیان بن حرب: ادیوان | تو سفیان بن حربؓ نے عرض کیا، کیا آپ بھی رومیوں کی |
| مثل دیوان الاصفر، | طرح وظائف کے لئے رجسٹروں کا یہ طریقہ جاری فرماتے |
| انک ان فرضت للناس | ہیں، اگر آپ نے اس طرح ان کے روزینے مقرر فرمادیئے |
| اتکلوا علی الدیوان و | تو پھر یہ سب ان وظائف پر ہی بھروسہ کر بیٹھیں گے اور |
| ترکوا التجارۃ، فقال عمرؓ | تجارت کو چھوڑ دیں گے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے لئے |
| لا بد من ھذا فقد کثر | ایسا کرنا اس لئے ضروری ہوا کہ "مالِ فیٔ" کثرت سے |
| فی المسلمین[2] | بیت المال میں داخل ہو رہا ہے۔ |

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۰۶ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳۔

Marfat.com

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے اس مختصر سے اشارہ کی تفصیل یہ ہے کہ اگرچہ ابوسفیان کا یہ سوال اساسی اور بنیادی سوال تھا جس کا حضرت عمرؓ نے بھی انکار نہیں فرمایا مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ایسا کرنا اس لئے ضروری ہے کہ بیت المال سے متعلق ہمہ قسم کے مصارف کو پورا کیا جا رہا ہے اور اس سلسلہ کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا مصرف بھی تشنۂ تکمیل نہیں ہے۔ تاہم بیت المال کا خزانہ "مالِ فئ" سے بہت پُر ہے تو اب میں اس کو اپنی ذات پر یا حکومت کے عمّال پر خرچ کرنے کا مجاز نہیں ہوں اور نہ اس کو بہت بڑا خزانہ بنانا چاہتا ہوں بلکہ چاہتا یہ ہوں کہ فقراً غربا، مساکین، یتامیٰ، اور دوسرے اہلِ حاجات کے علاوہ افرادِ امت پر بھی اس کو خرچ کروں تاکہ اپنے کاروبار اور قوتِ بازو سے حاصل کردہ رقوم کے علاوہ اس ذریعہ سے بھی ان میں زیادہ سے زیادہ رفاہیت اور خوشحالی پیدا ہو جائے۔

ان جوابات کے ساتھ ساتھ یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ وظائف کا یہ سلسلہ اس بنیاد پر قائم ہے کہ ملت کے تمام افراد، ملت کی مشین کے کل پرزے ہیں لہذا ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ اپنی قابلیت و استعداد کے مطابق ملت کی خدمت انجام دے اور ملت کا خزانہ "بیت المال" ان کی زندگی کا کفیل ہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ اپنے دورِ خلافت میں اسی لئے اعلان کر دیا تھا کہ جبکہ مسلمانوں کو، ان کے اہل و عیال، حتیٰ کہ ان کے غلاموں کو بھی حکومت سے وظائف مل رہے ہیں تو ان کو ہرگز ہرگز نہ زمینداری کی اجازت دی جائیگی اور نہ کاشتکاری کی۔

Marfat.com

# وسائلِ معیشت کی توسیع

"بیت المال کا قیام" "اعداد و شمار کا انتظام" "وظائف کا تقرر" ان تینوں عنوانات کے علاوہ چوتھا عنوان ——— جو براہِ راست حکومت کی ذمہ داریوں سے متعلق ہے ——— "وسائلِ معیشت کی توسیع" ہے۔

علم المعیشت کی نگاہ میں معاش کے بنیادی وسائل زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت ہیں۔ اس لئے کہ علما ءمعاشیینِ قدیم و جدید نے عاملینِ پیدائش کو "جو کہ ترقیِ معیشت کی عمارت کے ستون ہیں" زمین، محنت، اور راس المال[1] میں منحصر سمجھا ہے۔

زمین اور محنت تو معروف و مشہور ہیں البتہ "راس المال" کی وضاحت ضروری ہے۔

علمِ معیشت میں "راس المال" اور "دولت" حقیقت و ماہیت کے اعتبار سے ایک ہی شے کے دو نام ہیں مگر طریقِ استعمال کے لحاظ سے دونوں کے درمیان فرق ہو جاتا ہے اور دو علیحدہ چیزیں شمار ہونے لگتی ہیں۔ پس اگر ہم دولت کو عاملِ پیدائش بنائیں یعنی اس کو اس طرح کام میں لائیں کہ اس سے مزید دولت پیدا ہو تو وہ علمِ معیشت کی نگاہ میں "راس المال" کہلاتی ہے اور اگر اس کو ثمرۂ پیدائش اور ما حصل سمجھیں اور اس طرح اس کو استعمال کریں کہ بجائے مزید دولت پیدا ہونے کے اس سے ہماری کوئی احتیاج پوری ہوتی ہو تو اس کا نام "دولت" ہے، مثلاً سکونت کا مکان "دولت" ہے اور اگر اس میں کوئی کارخانہ چلایا جائے، یا اس کو کرایہ پر دیدیا جائے تو وہ "راس المال" بن جلئے گا۔ اسی طرح کرایہ پہ چلنے والی گاڑی "راس المال" کہلاتی ہے اور سیر و تفریح کی گاڑی "دولت" ہے۔[2]

---

[1] علم المعیشت باب ۳ ص ۳۷۔ [2] ایضاً باب ۶ ص ۹۹۔

Marfat.com

مفکرِ اسلام شاہ ولی اللہ (رحمہ اللہ) نے معاشی نظریوں کی ان جدید کاوشوں کو ایک سادہ عبارت میں بیان فرما کر ان حقائق پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

زراعت، جانوروں کی پرورش معدنیات نباتات اور حیوانات کا خشکی اور تری سے حاصل کیا جانا اور نجاری، لوہاری، پارچہ بافی وغیرہ کی صنعتیں یہ اور اسی قسم کی وہ تمام چیزیں کہ جن کے طبعی جوہر سے انتفاعِ مطلوب حاصل ہو سکے "اصولِ معاشیات" کہلاتی ہیں۔

واصول المکاسب الزرع والرعی والتقاط الاموال المباحۃ من البر والبحر من المعدن والنبات والحیوان والصناعات من نجارۃ وحدادۃ وحیاکۃ وغیرھا مما ھو من جعل الجواھر الطبیعۃ بحیث یتاتی منھا الارتفاق المطلوب الخ [۱]

اور یہ بھی بہت واضح بات ہے کہ ہر سہ عاملینِ پیدائش "زمین، محنت، اصل" کا تعلق کم و بیش فرق کے ساتھ زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت، تینوں ہی کے ساتھ ہے چنانچہ علمِ معیشت میں اس حقیقت کی تعبیر اس طرح کی جاتی ہے۔

"یوں تو پیدائش دولت کے واسطے ہر سہ عاملین (زمین، محنت اور اصل کی شراکت لازمی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ زراعت میں زمین کا حصہ غالب رہتا ہے اور صنعت و حرفت میں اصل کی کارگذاری خاص طور سے قابلِ لحاظ ہوتی ہے۔ محنت دونوں صورتوں میں یکساں ضروری ہے [۲]

ان تمہیدی سطور کے بعد یہ بات بآسانی ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ علمِ معیشت کے جدید فنی مسائل اور قدیم سادہ مسائل کے درمیان یہ بہر حال مسلم ہے کہ معاشی وسائل کی بنیادیں "زراعت، تجارت اور صنعت" پر قائم ہیں اور ان کی ترقی پر ہی معیشت کی فلاح و بہبود کا مدار ہے۔

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۴۳ باب فن المعاملات۔ [۲] جو اشیاء اپنے جوہرِ طبیعت میں "اسبابِ ظاہرِ معیشت کے وجود و ترقی کا باعث بنتے ہیں" عاملینِ پیدائش" کہلاتے ہیں۔ (مصنف)

Marfat.com

لہٰذا "اسلام نے" اپنے معاشی نظام میں اگرچہ فن معیشت کی طرح مسائلِ معاشی میں کُنج وکاؤ اور دقیق فنی مسائل کو اختیار نہیں کیا مگر اس کاوش وتحقیق کے مقصد ومنہاج کو نہ صرف یہ کہ نظر انداز نہیں کیا بلکہ اس کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے عملی حیثیت سے اپنے نظام میں نمایاں جگہ دی اور اس کو معاشی اساس قرار دیا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی پیشِ نظر رکھا کہ "معاشی نظام" کے بہتر اور صالح ہوتے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس میں ان وسائلِ معیشت کو نہ تو فاسد اور خراب ہونے دیا جائے کہ ان کے فساد وضیاع سے معاشی نظام کی جڑیں کھوکھلی ہوتی ہیں اور نہ ان کی ترقی و وسعت کا وہ پیمانہ اختیار کیا جائے کہ جس سے عام رفاہیت اور خوشحالی کی بجائے ایک خاص طبقہ کی مجرمانہ ترقی کو مدد ملے کہ اس سے نہ صرف معاشی نظام میں ابتری پیدا ہوتی ہے بلکہ وہ تمدن واخلاق، معیشت ومعاشرت اور روحانیت تمام شعبہ ہائے زندگی کے فساد کا سبب بن جاتی ہے۔

بلکہ ان دونوں راہوں سے الگ ان کی وسعت وترقی کا پیمانہ اس طرح تیار کیا جائے کہ اس سے انفرادی اور اجتماعی دونوں شعبوں کو فائدہ پہنچے اور انفرادی ترقی اجتماعی نشوونما کا ایک جزء ثابت ہو تاکہ اجتماعی ترقی سے ہر فردِ ملت کو رفاہیت حاصل کرنے کا یکساں موقع حاصل ہو سکے چنانچہ حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ (رحمہ اللہ) ارشاد فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| وایضاً لما کان الناس مدنیین | اور جبکہ انسان مدنی الطبع پیدا ہوا ہے کہ ان کی معاشی |
| بالطبع لاتستقیم معایشہم | زندگی باہمی تعاون اور امدادِ باہمی کے بغیر مستقیم اور درست |
| الابتعاون بینہم نزل القضاء | نہیں ہو سکتی تو خدائی فیصلہ یہ ٹھیرا کہ امدادِ باہمی کو واجب |
| بایجاب التعاون وان لا | کر دیا جائے اور یہ کہ جس شخص کے ذریعہ بھی تمدن کو فائدہ |
| یخلوا احد منہم مالہ دخل فی | پہنچ سکتا ہے اس کو تمدنی زندگی سے علیحدہ ہونا نہ چاہئے |
| التمدن الاعند حاجۃ لایجد | الا یہ کہ کسی خاص وجہ سے مجبوری پیش آجائے، نیز معاشی |
| منہا بُدًّا، وایضاً فاصل | وسائل کو وسیلہ بنانے کے لئے بنیادی سلسلہ یہ ہے کہ |

Marfat.com

| | |
|---|---|
| التسبب حيازة الاموال | اموال مباح کو قبضہ میں کیا جائے یا اموالِ مباح میں |
| المباحة واستنماء ما اختص بہ | سے جو جس غرض کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس کے خصوصی |
| بما يستمد من الاموال المباحة | جوہروں کے ذریعہ اموالِ مباح میں ترقی کی جائے |
| كالتناسل بالرعي والزراعة | مثلاً مویشیوں کی افزائشِ نسل آبپاشی اور اصلاحِ زمین |
| باصلاح الارض وسقي | کے ذریعہ زراعت وغیرہ اور اس باہمی تعاون سے معاشی |
| الماء ويشترط في ذلك | وسائل حاصل کرنے میں یہ شرط لازمی ہے کہ یہ قبضہ اور یہ |
| ان لا يضيق بعضهم على | حصول ترقی ایک دوسرے کی معاشی زندگی کی تنگی اور |
| بعض بحيث يفضي الى | ضیق کا باعث نہ بن جائے کہ نتیجہ یہ نکلے کہ نظامِ تمدن |
| فساد التمدن الخ [۱] | فاسد اور خراب ہو کر رہ جائے۔ |

**زراعت** اللہ (جل شانہ) نے قرآنِ عزیز میں زراعتی پیداوار کو انسانی دنیا پر عظیم الشان احسان جتا کر اس حقیقت کی جانب توجہ دلائی ہے کہ طبعی وسائلِ معیشت میں "زراعت" کو خاص اہمیت حاصل ہے

| | |
|---|---|
| أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ | بھلا بتلاؤ تو تم جو کھیتی کرتے ہو اس کو تم "پیداوار" |
| أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ. لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ | بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا |
| حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ. إِنَّا لَمُغْرَمُونَ | چورا کر دیں، اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ کہ بلا شبہ |
| بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ. (واقعہ) | ہم پر تاوان ڈالا گیا بلکہ ہم تو محروم رہ گئے۔ |

اور اسی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے زراعت کے فضائل میں گراں قدر ارشادات فرمائے ہیں۔

| | |
|---|---|
| قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اطلبوا | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رزق کو |
| الرزق في خبايا الارض (رواه ابو يعلى) [۲] | زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو۔ |

امام سرخسی (رحمہ اللہ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

[۱] حجۃ اللہ ج ۲ ص ۱۰۴ من ابواب ابتغاء الرزق۔ [۲] مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۴

Marfat.com

یعنی عمل الزراعۃ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے زراعت اور کاشتکاری مراد ہے۔

عن انس رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما من مسلم یغرس غرساً او یزرع زرعاً فیاکل منه طیر او انسان او بهیمة الا کان له به صدقة۔ (بخاری) ؎۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان درخت بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرند، انسان اور جانور اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اس کے حق میں صدقہ بنتا ہے یعنی اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ "زراعت" ایسا عمل ہے کہ عامل کی نیت کے بغیر بھی اس سے مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچتا ہے چنانچہ شیخ بدرالدین عینی اس کی شرح میں تصریح فرماتے ہیں۔

وفیه حصول الاجر للغارس والزارع وان لم یقصدا ذلک حتی لو غرس و باعه او زرع و باعه کان له بذلک صدقة لتوسعة علی الناس فی اقواتهم ؎۲

اور اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ درخت لگانے والے اور کھیتی کرنیوالے کو اس عمل پر اجر و ثواب ملتا ہے خواہ اس نے اس ثواب کا ارادہ بھی نہ کیا ہو حتیٰ کہ اگر اس نے درخت بویا اور فروخت کر دیا اور کاشت کی اور اس کو فروخت کر دیا تب بھی یہ اس کے حق میں صدقہ ہو جائیگا اس لئے کہ اس کا یہ عمل مخلوقِ خدا کی روزی میں اضافہ کا باعث ہوا۔

اور امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ تقرب الی اللہ کے علاوہ اس عمل کا کارِ خیر ہونا مسلم اور غیر مسلم دونوں کے حق میں یکساں ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اثر سے ظاہر ہوتا ہے۔

عمّروا بلادی فعاش فیها عبادی ؎۳ فلهذا قلنا هذا الفعل حسنٌ من کل احد الخ ؎۴

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میری بستیوں کو آباد کرو تاکہ اس میں میرے بندے زندگی بسر کریں۔ پس اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ یہ عمل (زراعت) ہر کسی کے ہاتھوں بہتر عمل ہے۔

؎۱ کتاب الزراعۃ و مسلم ؎۲ عینی شرح بخاری ج ۵ ص ۷۱۱۔ ؎۳ ؎۴ مبسوط ج ۲۳ کتاب المزارعہ۔

Marfat.com

اور یہی سرخسیؒ نقل فرماتے ہیں کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام جُرف میں زراعت کی ہے

| | |
|---|---|
| وازدرع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالجرف ۵۱ | اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جُرف میں خود کاشت کی ہے۔ |

آیتِ قرآنی اور ان صحیح روایات کے پیشِ نظر علماءِ اسلام کے سامنے یہ مسئلہ قابلِ توجہ رہا ہے کہ مسطورہ بالا معاشی وسائل میں سے کون سا وسیلہ دوسرے وسائل سے افضل اور اہم ہے چنانچہ ان ہی روایات کے تحت میں امام سرخسیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ بعض مشائخ حنفیہ کا قول ہے کہ تجارت اور صنعت سے زراعت افضل ہے۔

| | |
|---|---|
| ولهذا قدم بعض مشائخنا رحمهم الله الزراعة على التجارة لانها اعم نفعا واكثر صدقة وفي الحديث رد على من يكره من المتعسفة الغرس والبناء الخ ۵۲ | اور ان ہی روایات کے پیشِ نظر ہمارے بعض مشائخ رحمہم اللہ زراعت کو تجارت سے افضل فرماتے ہیں اس لئے کہ اس کا نفع عام ہے اور اس کی خیر کثیر ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور عملِ مبارک میں ان رکیک خیال لوگوں کا رد ہے جو کاشتکاری اور فنِ تعمیر کو برا سمجھتے ہیں۔ |

لیکن شیخ بدرالدین عینی نے شرح بخاری میں اس اختلاف رائے پر بحث کرتے ہوئے یہ بہترین فیصلہ دیا ہے کہ ان ہر سہ وسائل کی اہمیت دراصل ذاتی نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ وہ مخلوق کی فلاح اور عام خوشحالی اور رفاہیت کا ذریعہ ہیں لہذا جن ممالک کے طبعی ماحول یا حالات میں زراعت زیادہ مفید اور نفع بخش ہے وہ تجارت اور صنعت پر قابلِ ترجیح ہے اور جن مقامات کے واقعات و حالات میں تجارت یا صنعت عام رفاہیت کی کفیل ہیں، تو بلاشبہ وہاں وہ لائقِ ترجیح ہیں، غرض ان ہر سہ وسائل کے باہم راجح اور مرجوح کا سوال ملکوں کی طبعی حالت اور زمانہ کی ضروریات و حاجات کے پیشِ نظر ہے نہ کہ ذاتی فضیلت کے پیشِ نظر۔ شیخ کی اصل عبارت یہ ہے۔

۵۱ مبسوط ج ۲۳ ص ۲ - ۵۲ ایضاً ج ۲۳ ص ۱۴

| | |
|---|---|
| واذا کان کذلک فینبغی ان | اور جب یہ بات متعین ہوگئی کہ ان وسائلِ معیشت |
| یختلف الحال فی ذلک | کی افضلیت کا منشا نفعِ عام ہے تو پھر ظاہر ہے کہ |
| باختلاف حاجۃ الناس فحیث | لوگوں (اہلِ ملک) کی حاجات وضروریات کے |
| کان الناس محتاجین الی الاقوات | اختلاف سے ان کی باہمی افضلیت بھی مختلف |
| اکثر کانت الزراعۃ افضل | ہوگی، پس جب باشندگانِ ملک خام اجناس کے زیادہ |
| للتوسعۃ علی الناس وحیث | محتاج ہوں تو زراعت افضل ہے تاکہ لوگوں کے لئے |
| کانوا محتاجین الی المتجر | اس کا نفع عام ہو اور اگر کسی جگہ زراعت کے وسائل |
| لانقطاع الطرق کانت | مفقود ہوں تو وہاں تجارت کو برتری حاصل رہے گی |
| التجارۃ افضل وحیث کانوا | اور اگر کسی ملک کے باشندوں کو قدرتی اور طبعی طور پر |
| محتاجین الی الصنائع اشد | زراعت اور تجارت کے مقابلہ میں صنعت کی زیادہ |
| کانت الصناعۃ افضل و | حاجت ہے تو وہاں صنعت وحرفت کو فوقیت |
| ھذا احسن الخ [1] | ہوگی اور یہی فیصلہ بہتر اور خوب ہے۔ |

اور فیلسوفِ اسلام شاہ ولی اللہ (رحمہ اللہ) بنیادی معاشی وسائل میں سے "زراعت" کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ جس ملک میں اس کے وسائل موجود ہوں اس جگہ اگر اس سے بے اعتنائی برتی جائے تو اس ملک کی تمدنی حالت کبھی صحیح نہیں رہ سکتی اور اس کا فاسد اور برباد رہنا یقینی ہے اس لئے کہ خام اجناس کی پیداوار کے بغیر نہ تجارت چل سکتی ہے اور نہ صنعت و حرفت بروئے کار آسکتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| فانھم ان کان اکثرھم مکتسبین | پس اگر باشندگانِ ملک کی اکثریت صنعت وحرفت |
| بالصناعات وسیاسۃ البلدۃ | اور شہری سیاسیات ہی میں مصروف رہے اور |
| والقلیل مکتسبین بالرعی و | زراعت اور مویشیوں کی حفاظت اور پرورش کی |

[1] عینی ج ۵ ص ۱۷۱۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| الزراعة فسد حالهم في | جانب بہت تھوڑے لوگ مشغول ہوں تو ان کی دنیوی |
| الدنیا الخ سلہ | تمدنی زندگی فاسد اور خراب ہوجائے گی : |

اور آگے چل کر زراعت، تجارت، اور صنعت کو مدنی حیات کا اہم جزء قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ جب قومیں معاشی وسائل کو چھوڑ کر عیش پرستانہ وسائل زندگی کو اختیار کر لیتی اور سرمایہ دارانہ سربلندیوں اور مسرفانہ رفاہیت میں باہمی مقابلہ کو معیارِ حیات بنالیتی ہیں تو وہ کبھی مدنی زندگی میں پھل پھول نہیں سکتیں اور ان کی یہ غیر طبعی عیش کوشی ان کو جلد ہی لے ڈوبتی ہے

| | |
|---|---|
| فاذا اقبل جم غفیر منهم الی | پس جب باشندگانِ ملک کی بڑی اکثریت اس قسم کے |
| هذه الاکساب اهملوا | (غیر طبعی اور غیر مفید) کسب اکتساب میں منہمک ہوجاتی |
| مثلها من الزراعات و | ہے تو زراعت اور تجارت جیسے کسب و ہنر کو چھوڑ بیٹھتی ہے |
| التجارات و اذا انفق عظماء | اور جبکہ شہر کے رؤسا اور امراء ایسے غلط وسائلِ معیشت |
| المدینة فیها الاموال اهملوا | پر خرچ کرتے ہیں تو ایسے لوگ مدنی مصالح کو برباد کرتے |
| مثلها من مصالح المدینة و | ہیں اور آہستہ آہستہ یہ غلط انہماک اُن لوگوں کی |
| جرّ ذلک الی التضییق علی | مصیبت کا باعث بن جاتا ہے جو اہم اور ضروری معاشی |
| القائمین بالاکساب الضرورية | وسائل کی جانب مشغول ہیں مثلاً کاشتکار، تجار، اور |
| کالزراع والتجار والصناع | صناع نیز یہ فاسد انہماک ان پیشہ ور افراد پر بھاری |
| وتضاعف الضرائب علیهم | ٹیکسوں کا باعث ہوجاتا ہے اور یہ مدنی زندگی کے |
| وذلك ضرر بهذه المدینة | لئے اس قدر نقصان دہ بن جاتا ہے کہ اعضاء جماعت |
| یتعدی من عضو منها الی | کے ایک عضو سے متعدی ہو کر دوسرے عضو تک پہنچتا |
| عضو حتی یعم الکل ویتجاری | اور آہستہ آہستہ تمام اعضاء (افراد) جماعت میں |
| فیها کما یتجاری الکلب فی | داء الکلب (ہڑک لگ جانے کا مرض) کی طرح |
| بدن المکلوب سلہ | متعدی ہوجاتا ہے : |

سلہ حجۃ اللہ ج ۲ ص ۱۰۶ -

Marfat.com

اور علامہ عبدالرحمٰن جزائری فرماتے ہیں۔

اما الزرع فی ذاتہ سواء کان مشارکۃ او لا فھو فرض کفایۃ لاحتیاج الانسان والحیوان الیہ۔ ؎

لیکن زراعت خواہ شرکت سے وجود میں آئے یا بغیر شرکت کے اپنی ذات میں فرض کفایہ ہے اس لئے کہ انسان اور حیوان سب ہی اس کے محتاج ہیں۔

مسطورہ بالا حوالجات سے یہ اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ اسلام اپنے نظامِ معیشت میں "وحدتِ عمومی" کا کس درجہ قائل ہے اور اس کی کس درجہ یہ خواہش ہے کہ دنیا کی تمام قومیں اور مملکتیں اگر اسلامی اقتدارِ اعلیٰ کو نہ بھی قبول کریں تب بھی ان معاشی وسائل میں ایک دوسرے کی معاون ثابت ہوں اور معاشی دستبرد کے ذریعہ ظلم کی راہ نہ کھولیں اور زراعتی ملک، تجارتی اور صنعتی ملکوں کے لئے اور تجارتی و صنعتی ممالک زراعتی ممالک کے لئے معاون و مددگار ثابت ہوں نہ کہ باعث مناقشت و منازعت، اور وہ قومیں اور وہ ممالک تو بہت ہی خوش بخت ہیں کہ جو خدائے برتر کی قدرتی فیاضیوں سے زراعتی بھی ہیں اور تجارتی اور صنعتی بھی، ایسے ممالک اگر صحیح جذبۂ حمیت اور نعمتِ حریت کے مالک ہوں تو نہ صرف یہ کہ وہ دوسروں کے غلام اور دستِ نگر نہ رہیں ان کو یہ بہترین موقع میسر ہے کہ وہ دوسروں کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچا سکتے اور معیشت کی عام افادیت میں پیش پیش رہ سکتے ہیں۔

اور یہ خیال نہ پیدا ہونا چاہئے کہ آج کی دنیا میں جبکہ بعض قومیں اپنے ملکوں میں زراعت کی قوی صلاحیت موجود نہ ہونے کے باوجود تجارت اور صنعت و حرفت کے ذریعہ سے زراعتی ملکوں اور قوموں سے زیادہ خوشحال اور مدنی حیات میں زیادہ ترقی یافتہ نظر آتی ہیں تو زراعتی اہمیت کہاں رہتی ہے؟ یہ خیال اس لئے صحیح نہیں ہے کہ جن قوموں کی جانب سائل کا اشارہ ہے ان کی مدنی اور معاشی ترقیات اس لئے نہیں ہیں کہ وہ تجارتی اور صنعتی ممالک کی باشندہ ہیں بلکہ اس لئے ہیں کہ انھوں نے اسلحہ کی طاقت سے زراعتی ملکوں کو غلام بنا کر اور ان کی تجارت و صنعت کو مفلوج کر کے ان پر معاشی دستبرد قائم کر لی اور ظالمانہ دستبرد کو دلیلِ راہ بنا لیا ہے مگر بقول

شاہ ولی اللہؒ ایسا نظامِ اقتصادی دیرپا نہیں ہو سکتا اور اس کی بربادی پر قدرت کی مہر لگ جاتی ہے۔

پس جب تک صحیح اور صالح معاشی نظام" کائنات کے لئے دلیلِ راہ نہیں بنے گا۔ دنیا کی یہ باہمی دستبرد اور فتنۂ حرب و ضرب برابر قائم رہیگا۔ اور صالح معاشی نظام کی جو اساس "اسلام" نے قائم کی ہے کائنات کے امن اور عام خوشحالی کے لئے اس سے بہتر نظام ناممکن ہے۔

**ایک شبہ اور اس کا حل**

گذشتہ اوراق میں آیات، صحیح روایات، اور علماءِ اسلام کی تشریحات سے جبکہ یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں بنیادی وسائلِ معیشت میں سے "زراعت" کو کافی اہمیت حاصل ہے تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے جو بخاری کتاب المزارعۃ میں حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے منقول ہے۔

| | |
|---|---|
| اند رائی سکۃ وشیئا من آلۃ | حضرت ابوامامہؓ نے ایک جگہ ہل اور کھیتی کے بعض |
| الحرث فقال سمعت النبی | دوسرے آلات کو دیکھا تو فرمایا: میں نے رسول اللہ |
| صلی اللہ علیہ وسلم یقول: | صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس |
| لا یدخل ھذا بیت قوم الا | گھر میں یہ آلات داخل ہو جاتے ہیں اس گھر میں |
| ادخلہ اللہ الذل۔ | "اللہ تعالیٰ ذلت اور مسکنت داخل کر دیتا ہے۔ |

اس حدیث سے تو "زراعت" کے متعلق حقارت اور ذلت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں کہ گویا زراعت پیشہ خدا کی دی ہوئی عزت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

بلاشبہ یہ سوال اپنے اندر اہمیت رکھتا ہے اور اسی لئے شروع ہی سے علماءِ اسلام اس کی صحیح توجیہ اور اس کا حقیقی مفہوم بیان کرتے رہے ہیں تاکہ "زراعت کی اہمیت سے متعلق" جو آیات اور صحیح روایات بکثرت وارد ہوئی ہیں ان کے اور اس روایت کے درمیان خلاف باقی نہ رہے۔

چنانچہ امام محمدؒ اور ان کے اتباع میں امام سرخسیؒ اور شاہ ولی اللہؒ اس حدیث کا مفہوم یہ بیان فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ظنوا ان المراد بالتزام الخراج | لوگوں نے اس حدیث سے یہ غلط مطلب سمجھ لیا کہ چونکہ |

Marfat.com

| | |
|---|---|
| ولیس کذلك بل المراد ان المسلمین اذا اشتغلوا بالزراعة واتبعوا اذناب البقر وقعدوا عن الجهاد کرّ علیهم عدوهم فجعلوهم اذلة الخ ؎۱ | اکثر غیر مسلموں کی زمینوں پر "خراج" لازم ہوتا ہے تو شاید اس وجہ سے زراعت ذلت کا باعث ہو حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ حدیث کی حقیقی مراد یہ ہے کہ "مسلمان" اگر زراعت کو زندگی کا مستقل مشغلہ بنالیں اور بیلوں کی دم کے پیچھے پیچھے پھریں اور "جہاد" جیسے اہم فریضہ سے غافل ہوجائیں تو ان کے دشمن ان پر حملہ آور ہوجائیں گے اور ان کو ذلیل وخوار کرچھوڑیں گے۔ |

گویا حدیث کہتی ہے کہ یہ مسلّم کہ معاشی وسائل میں "زراعت" بہت اہم وسیلہ ہے لیکن یہی وسیلہ مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ ذلت ورسوائی کا باعث بن جاتا ہے، جبکہ مسلمان اس میں اس درجہ منہمک ہوجائیں کہ زندگی کے سب سے اہم مقصد "جہاد" کو چھوڑ بیٹھیں اور اس سے بے پرواہ ہوجائیں۔ امام بخاریؒ اور ابن حزم نے بھی یہی توجیہہ پسند فرمائی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے الفاظ یہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| اعلم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث بالخلافة العامة وغلبة دینه علی سائر الادیان لایتحقق الا بالجهاد واعداد الاته فاذا ترکوا الجهاد واتبعوا اذناب البقر احاط بهم الذل وغلب علیهم اهل سائر الادیان الخ ؎۲ | یہ واضح رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالمگیر انقلاب اقتدار (خلافتِ عامہ) کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اور تمام مسخ شدہ ادیان پر ان کے انقلابی دین کا غلبہ جہاد اور وسائلِ جہاد میں انہماک کے بغیر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا، پس اگر مسلمان جہاد کو چھوڑ بیٹھیں اور بیلوں اور گایوں کی دم کے پیچھے پیچھے پھرنے لگیں تو ان کو چہار جانب سے ذلت ورسوائی گھیرے گی اور تمام اہلِ ملل ان کو مغلوب اور محکوم بنالیں گے۔ |

؎۱ مبسوط ج ۱۰ ص ۸۳۔ ؎۲ حجۃ اللہ ج ۲ ص ۱۷۳۔ والمحلّی ج ۸ ص ۲۱۱۔

Marfat.com

اور محدث داؤدی اس حدیث کا مطلب سابق مفہوم کی مطابقت کے ساتھ کچھ محدود دائرہ میں رکھنا چاہتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "عام" نہ تھا بلکہ آپ نے ایک خاص موقعہ پر دشمن سے قریب سرحدوں پر آباد مسلمانوں کے متعلق یہ ارشاد فرمایا تھا مگر روایت کی تعبیر نے اس کو عام کر دیا اور اصل حقیقت پوری طرح سامنے نہ آسکی۔ داؤدی کی اصل عبارت یہ ہے۔

هذا لمن يقرب من العدو فانه اذا اشتغل بالحرث لا يشتغل بالفروسية و يتأسد عليه العدو واما غيرهم فالحرث محمود لهم وقال عزوجل واعدوا لهم ما استطعتم "الآية وهو لا تقوم الا بالزراعة ومن هو بالثغور او المقاربة للعدو لا يشتغل بالحرث فعلى المسلمين ان يمدوهم بما يحتاجون اليه [1]

یہ ارشاد نبوی اس جماعت کے لئے ہے جو دشمنوں کی سرحدوں کے قریب آباد ہے اس لئے کہ اگر وہ کھیتی باڑی میں لگ جائے تو پھر شجاعانہ فنون سے بے پرواہ ہو جائیگی اور دشمن اس پر غالب ہو جائے گا لیکن ایسے لوگوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے زراعت کا کام پسندیدہ اور مرغوب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "واعدوا لهم ما استطعتم" (اور تم تیاری کرو دشمنوں کے مقابلہ میں بقدر طاقت) اور ظاہر ہے کہ یہ زراعت کے بغیر نامکمل رہتی ہے کیونکہ جو لوگ سرحدوں پر اور دشمنوں کے قرب جوار میں آباد ہیں، وہ کاشت میں مشغول نہیں رہ سکتے پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کی ضروریات و حاجات کے لئے زراعت کے ذریعہ سے مدد دیں۔

مگر ان تمام توجیہات سے زیادہ بہتر توجیہ اور رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد کی حقیقی روح وہ ہے جو مشہور محدث ابن تین نے بیان فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ ارشادِ مبارک زراعت سے متعلق اسلامی نقطۂ نظر بیان نہیں کرتا بلکہ

[1] عینی شرح بخاری ج ۵ ص ۱۲۷۔

Marfat.com

مستقبل میں ہونے والے ایک ایسے تکلیف دہ واقعہ کی جانب متنبہ کرتا ہے جو آج کی دنیا میں ارشادِ گرامی کے مطابق حرف بہ حرف صحیح نظر آرہا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و حقانیت کا منادی ہے وہ یہ کہ "دنیا کی تمام جماعتوں میں سب سے زیادہ ظلم وجور کا شکار اس جماعت کو بنایا جائے گا جس کو کاشتکار کہا جاتا ہے اور سب سے زیادہ ذلت و رسوائی اور مسکنت سی اُن ہی کو دوچار ہونا پڑے گا۔ ابنِ تین کے الفاظ یہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| ھذا من اخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم | یہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب کی اطلاعات |
| بالمغیبات لان المشاھدۃ | (پیشنگوئیوں) میں سے ایک اطلاع ہے اس لئے کہ |
| الآن ان اکثر الظلم انما ھو | آج ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ سب سے زیادہ ظلم کا شکار وہی |
| علی اھل الحرث الخ | ہیں جو کھیتی باڑی کرنیوالے (کاشتکار) ہیں۔ |

یہ ابنِ تین کا مشاہدہ ہے جو تقریباً چھٹی صدی ہجری کا زمانہ ہے اور آج دنیا میں خام اجناس پیدا کرنے والے اور مدنیت کی ابتدائی بنیادوں کو استوار کرنے والے اس طبقہ "کاشتکار" کی جو حالتِ زار ہے وہ ہمارا اور آپ کا مشاہدہ ہے تو کیا ایک حقیقت بین نگاہ کے لئے یہ بات قابلِ غور نہیں ہے کہ جس نگاہِ وحی آگاہ نے بساطِ دنیا کے ان باریک اور دقیق نقوش تک کو خدا کی عطا کردہ روشنی میں دیکھ لیا ہو اُس کا پیش کردہ "معاشی نظام" بلکہ انسانیت کا پورا نظام یقیناً افراط و تفریط سے پاک اور عام رفاہیت کا کفیل بن سکتا اور بلاشبہ وہی اخوت اور امنِ عام کا داعی ہو سکتا ہے۔ "فاعتبروا یا اولی الابصار"

بہرحال یہ ایک ضمنی بحث تھی اصل مبحث تو یہ ہے کہ وسائلِ معیشت کی توسیع کے سلسلہ میں اسلام کے معاشی نظام نے "زراعت" کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور وہ اس عمل کو معاشی وسائل کی بنیاد سمجھتا ہے اس لئے اس نے اس کی افزائش اور ترقی کے لئے جو ذرائع اختیار کئے ہیں وہ بلاشبہ "علمِ معیشت کی نگاہ میں "حقیقی اور بنیادی ذرائع" کہے جا سکتے ہیں۔

اسلام کے معاشی نظام کے عملی لائحہ عمل کو اگر بغور دیکھا جائے تو آپ بلا تامل یہ کہہ سکتے

Marfat.com

ہیں کہ اس کی نگاہ میں "زراعت" کی ترقی کے لئے حسب ذیل امور بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں،
(۱) مالگذاری یا لگان کا کم ہونا۔ (۲) کاشت کرنے والوں کے لئے خصوصی حقوق و مراعات دینا۔ (۳) غیر مزروعہ اور بنجر زمینوں کو مزروعہ بنانے کے وسائل اختیار کرنا۔ (۴) آبپاشی کے وسائل کو سہل اور وسیع بنانا۔

**مالگذاری یا لگان** "زراعت" دو طرح عالمِ وجود میں آتی ہے ایک یہ کہ کوئی شخص زمین کو خود کاشت کرے، اور دوسرے یہ کہ اپنی زمین کو کسی قسم کے مبادلہ پر دوسرے کو کاشت کے لئے دیدے اور اس دوسری صورت میں کبھی صاحبِ زمین حکومت (اسٹیٹ) ہوتی ہے اور کبھی جماعت (پبلک) میں سے کوئی فردِ خاص[1]۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ زمین کی ملکیت افرادِ ملک ہی کے ہاتھوں میں رہے اور حکومت نے اس پر کوئی محصول مقرر کر دیا ہو، پس حکومت یا فردِ جماعت اگر کسی کو ایک مقرر شرح پر کاشت کے لئے زمین دے تو اس کو لگان کہا جاتا ہے اور اگر زمین پر سالانہ محصول لگایا جائے تو اس کو مالگذاری کہتے ہیں۔

"زراعت" کے اس طریقِ کار سے کسبِ معیشت میں دو اصناف باہم معاملہ کرتے نظر آتے ہیں، ایک کاشتکار، اور دوسرا زمیندار، دنیا کے نظامہائے حکومت میں ان دونوں میں سے عموماً کاشتکار کے ساتھ جو ناانصافیاں ہوتی رہی ہیں اور اس کو جس طرح مظالم کا شکار بنایا جاتا رہا ہے اور ان کی حیثیت محکوموں اور غلاموں کی طرح رہی ہے وہ اظہر من الشمس ہے اور اسی کا ردِ عمل آج طبقاتی جنگ کے نام پر کمیونزم کی شکل میں رونما ہے پس "اسلام" سب سے پہلے اسی اہم مسئلہ کی جانب متوجہ ہوتا اور اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ جہانتک زراعت اور کاشت کا تعلق ہے زمیندار اور کاشتکار دو برابر کے معاملہ دار ہیں اس لئے کہ ایک صاحبِ زمین اور مستاجر ہے اور دوسرا شریکِ عمل اور اجیر نہ کہ محکوم یا غلام۔ کیونکہ ایک جانب اگر دولت (زمین) ہے تو دوسری جانب دولت (بیج اور آلاتِ حرب) اور محنت دونوں ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ایک (زمیندار)

---

[1] زمینداری صرف حکومت کا حق ہے یا شخصی اور انفرادی زمینداری بھی جائز ہے یہ مسئلہ زمین کے خصوصی احکام کی بحث میں آئیگا۔

حاکم اور آقا ہو اور دوسرا (کاشتکار) محکوم اور غلام۔

اسلام کے اس نقطۂ نظر کا آپ صرف اس ایک واقعہ سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایک مرتبہ غیر مسلم (ذمی) کاشتکار نے حضرت عمرؓ سے یہ شکایت کی کہ اسلامی فوج جبکہ ہمارے گاؤں سے مارچ کرتی ہوئی جا رہی تھی تو اس نے میری تمام کھیتی کو روند ڈالا حضرت عمرؓ نے یہ سن کر بیت المال سے دس ہزار درہم بطور تاوان ادا کر دیئے۔

| | |
|---|---|
| اتی عمر رجلٌ فقال: | حضرت عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا: امیر المومنین! |
| یا امیر المومنین زرعت | میں نے کاشت کی تھی اتفاقاً اس جانب سے شام کا |
| زرعاً فمر بہ جیش من | لشکر گذرا اور اس نے تمام کھیتی کو خراب کر ڈالا حضرت |
| اھل الشام فافسدہ قال | عمرؓ نے یہ سن کر بیت المال سے دس ہزار درہم معاوضہ |
| فعوضہ عشرۃ آلاف لہ | کے طور پر ادا کر دیئے۔ |

اور خیبر کے یہود کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالگذاری کا جو معاملہ کیا اور جس کو اصطلاح میں "مخابرہ" کہا جاتا ہے اس سے پیدا شدہ مسئلہ "مزارعہ" کے جواز و عدم جواز پر بحث کرتے ہوئے صاحب مبسوط نے امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے "مخابرہ" کی حقیقت بیان کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ "یہودِ خیبر" مسلمانوں کے غلام نہیں تھے بلکہ آزاد تھے۔ اور اسلامی حکومت کو زمین کا خراج ادا کرنے والے تھے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| وھذا اصح التاویلین فانہ لم | اور ہر دو توجیہات میں سے یہ توجیہ بہت صحیح ہے، |
| ینقل عن احدٍ من الولاۃ | اس لئے کہ والیوں میں سے کسی والی سے یہ ثابت |
| انہ تصرف فی رقابھم او | نہیں ہے کہ انھوں نے ان یہودیوں کی ذات پر یا اُن |
| رقاب اولادھم کالتصرف | کی اولاد پر اس قسم کا تصرف کیا ہو جیسا کہ غلاموں کے |
| فی المالیک الخ ۲ | ساتھ کیا جاتا ہے۔ |

۱ کتاب الخراج باب تقبیل السواد ص ۱۱۹ ۔ ۲ مبسوط ج ۲۳ ص ۳۔

Marfat.com

یہ اور اسی قسم کی بہت سی نقول موجود ہیں جو اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ اسلام کے معاشی نظام میں مسلم اور غیر مسلم کے فرق کے بغیر خراج (مالگذاری) کے تقرر میں بھی خلیفہ کے ہر وقت یہ پیشِ نظر رہے کہ مفتوح ہو جانے کے باوجود صاحب زمین اور کاشتکار حکومت کے محکوم یا غلام نہیں ہیں بلکہ صرف کاشتکار یا مالگذار زمیندار ہیں۔ پس جبکہ ایسی صورت میں کہ وہ تمام علاقے اسلامی حکومت کے مفتوحہ علاقے ہیں' ان علاقوں کے خراج گذاروں کے ساتھ اسلام کا یہ طرزِ عمل ہے تو کاشت کے باقی دوسرے عام طریقوں میں تو اس نظام میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ صورت نہیں بن سکتی۔ کہ کاشتکار زمیندار کا محکوم یا غلام بنے بلکہ بلاشبہ وہ مستاجر ہے جو حکومت (اسٹیٹ) یا کسی فردِ خاص کی زمین کو بطور اجارہ کے لیتا ہے اور یا شریکِ معاملہ ہے اور ایک شریک کی طرح حصہ دار ہے۔ چنانچہ "مزارعہ" (بٹائی) کی بحث میں فقہاءِ اسلام نے تصریح کی ہے کہ اس شکلِ خاص میں کاشتکار اور زمیندار معاملۂ کاشت میں دو برابر کے شریک ہیں اور اسلامی قانون ان دونوں کو اسی حیثیت میں رکھتا ہے تاکہ اگر ان دونوں کے باہم کبھی مناقشہ پیدا ہو تو اُن کے معاملہ کو اسی اصول کے پیشِ نظر طے کیا جائے۔ فقہ حنفی کی مشہور اور مستند کتاب بدائع الصنائع میں ہے۔

| | |
|---|---|
| کان المزارعۃ فیھا الاجارۃ | اس لئے کہ مزارعۃ (بٹائی پر معاملۂ کاشت) میں اجارہ اور شرکت |
| والشرکۃ تنعقد اجارۃً | دونوں معنی پائے جاتے ہیں یہ ابتداءِ معاملہ میں اجارہ ہوتا |
| ثم تتم شرکۃً الخ [۱] | ہے اور نتیجہ میں جاکر شرکت کا معاملہ بن جاتا ہے۔ |

اور امام ابو یوسفؒ مزارعۃ کے جواز و عدم جواز پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| وکذلک الارض | جس طرح مضاربۃ درست ہے یعنی ایک شخص کا مال ہو اور دوسرے |
| عندی ھی بمنزلۃ | کی محنت اور دونوں نفع کے شریک' اسی طرح میرے نزدیک زمین |
| مال المضاربۃ۔ | بھی مالِ مضاربۃ ہے کہ ایک صاحبِ زمین ہے اور دوسرا مستاجر اور |
| الخ [۲] | دونوں نفع میں شریک۔ خواہ مزارعۃ کا معاملہ ہو یا اجارہ کا۔ |

[۱] ج ۶ ص ۱۷۷۔ [۲] کتاب الخراج ص ۸۸۔

اور امام نسائی، محمد بن سیرین مشہور جلیل القدر تابعیؒ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| روی النسائی من طریق ابن عون قال: کان محمد یعنی ابن سیرین یقول: الارض عندی مثل مال المضاربۃ فما صلح فی مال المضاربۃ صلح فی الارض وما لم یصلح فی مال المضاربۃ لم یصلح فی الارض [1] | محمد بن سیرین کہتے ہیں: کہ میرے نزدیک زمین کی حیثیت مالِ مضاربۃ کی سی ہے جس قسم کے معاملات وہاں درست ہیں یہاں بھی جائز ہیں اور جو وہاں ناجائز ہیں وہ یہاں بھی نادرست ہیں۔ |

یعنی زمین کا معاملہ نقد لگان پر ہو یا بٹائی پر ہر حالت میں ایسا معاملہ ہے جیسا کہ تجارتی معاملات میں "مضاربۃ" کا اور "مضاربۃ" کے متعلق تمام علماءِ اسلام متفق ہیں کہ تجارت کی یہ شکل "باہمی تعاون و اشتراک کی" بہترین شکل ہے اور یہ کہ اس معاملہ میں جانبین ایک دوسرے کے شریکِ معاملہ ہوتے ہیں نہ کہ حاکم و محکوم یا آقا اور غلام حتیٰ کہ اس قسم کے معاملات میں حکومتِ اسلامی کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ آزاد ذمیوں کے ساتھ غلام اور محکوم کا سا معاملہ کرے۔ چنانچہ یہ واقعہ اس حقیقت کے لئے زندہ شہادت ہے کہ ایک مرتبہ جبکہ حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) گورنر مصر کے صاحبزادہ نے ایک مصری (قبطی ذمی) کو کسی بات پر چند کوڑے مار دیئے۔ تو اس نے دربارِ فاروقی میں جاکر شکایت کی۔ فاروقِ اعظمؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ اور ان کے صاحبزادہ کو دار الخلافہ میں طلب کیا اور قبطی مصری سے ان کے مواجہہ میں بات چیت کی اور جب جرم ثابت ہو گیا تو فاروقِ اعظمؓ نے قبطی مصری کو حکم دیا کہ تو عمرو کے بیٹے کے اسی قدر کوڑے لگا تاکہ اس کی شیخی کا نشہ کرکرا ہو جائے اور پھر حضرت عمرو بن العاصؓ کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے عمرو

| | |
|---|---|
| مذ کم تعبد تم الناس وقد ولدتھم امھاتھم احرارا، | تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنا لیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا ہے، عمرو بن العاصؓ نے عرض کیا |

[1] نسائی باب المزارعۃ۔

قال یا امیر المومنین! لم اعلم ولم یأتنی ثم[1] — امیر المومنین! مجھے اس واقعہ کا علم ہی نہ ہو سکا اور نہ اس شخص نے میرے پاس آکر اس کی اطلاع کی۔

**تخفیف مالگذاری لگان**

مسئلۂ "زراعت" میں اس بنیادی نقطۂ نظر کو پیش نظر رکھنے کے بعد اب تخفیفِ لگان اور مالگذاری کی بحث کو اسلامی نقطۂ نظر سے سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

دنیا کے معاشی نظام میں مالگذاری اور لگان کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں ایک پیداوار میں سے حصہ مقرر کرنا اور دوسری صورت نقد لگان قائم کر دینا، اسلام کے معاشی نظام میں بھی یہی دونوں قدرتی صورتیں رائج ہیں۔پس حکومت کے عائد کردہ لگان اور اس کی قائم کردہ مالگذاری اور افرادِ امت کے درمیان زمینداری اور کاشتکاری سے پیدا شدہ لگان کی تفصیلات حسب ذیل صورتیں اختیار کر لیتی ہیں۔

اگر "زمین" افرادِ ملک کی ذاتی مملوکہ ہے اور حکومت اُن سے اجتماعی حق و سالانہ محصول" لیتی ہے تو اس صورت میں وہ زمین یا عشری ہوگی یا خراجی۔اگر زمین "عشری" ہے تو اس کی ہر پیداوار پر "عشر" (دسواں حصۂ پیداوار) لیا جائیگا جو کہ سال میں دو یا تین مرتبہ تک ہو سکتا ہے اور اس سے بھی زیادہ۔اور اگر "خراجی" ہے تو اس سے سال میں صرف ایک مرتبہ مقررہ مالگذاری لیجائے گی،[2] خواہ پیداوار سال میں دو مرتبہ ہو یا تین مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ۔اور اگر خراجی زمین کو مسلمان خریدلے تو اس زمین پر خراج ہی قائم رہیگا اور وہ عشری زمین نہیں بن سکتی اور اگر عشری زمین کو ذمی یا مستامن (غیر مسلم) خریدلے تو وہ خراجی ہو جائے گی۔اس لیے کہ غیر مسلم پر عُشر (زکوٰۃ) واجب نہیں ہے۔اور اگر زمین کی مالک حکومت (اسٹیٹ) ہے اور وہ اجارہ پر کاشت کراتی ہے یا کسی فردِ خاص کی ملکیت ہے اور وہ دوسرے کسی شخص سے اجارہ پر کاشت کراتا ہے بس اگر نقد لگان پر زمین کو دیا ہے تو وہ سال میں ایک ہی مرتبہ لیا جائے گا اور اس کو اجارہ یا استکرا الارض"

---

[1] حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۲۔ [2] یہ خراجِ موظف کہلاتا ہے اور اگر بٹائی پر امام نے معاملہ کیا ہے جیسا کہ خیبر میں ہوا تو اس کو خراجِ مقاسمہ کہتے ہیں۔(مصنف)۔

Marfat.com

کہتے ہیں۔ اور اگر بٹائی پر دیا جائے تو وہ پیداوار کے ساتھ مربوط رہے گا اور اس کو "مزارعۃ" کہا جاتا ہے اور اگر باغ کی پیداوار کا معاملہ ہے تو اس کو "مساقاۃ" کہتے ہیں۔

زراعت کی ان تمام صورتوں میں سے کوئی صورت بھی ہو اسلام کے معاشی نظام میں مسلم اور کافر کی تفریق کے بغیر یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اکثر حالات میں "کاشتکار" کی مصالح کو زمیندار اور حکومت کی مصالح پر مقدم رکھا جائے اور "عشر" کے علاوہ جو کہ پیداوار کی منصوص زکوٰۃ ہے، ہر قسم کے لگان اور مالگذاری میں کاشتکار کی سہولت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے "تخفیفِ لگان" کو اسوہ بنایا جائے، اور یہ تو کسی حال میں بھی جائز نہیں سمجھا گیا کہ لگان یا مالگذاری کی شرح' زمین کی حیثیت سے بڑھ کر مقرر کر دی جائے اور ایسا کرنے کو وہ "ظلم و عدوان" سمجھتا ہے۔

تخفیفِ لگان اور کاشتکار کی سہولت' اسلام کے معاشی نظام میں کیا اہمیت رکھتی ہے؟ ذیل کے احکام و واقعات اس کا مفصل جواب دے سکتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے بعد یہود خیبر سے مخابرہ کا معاملہ کر کے ان کی زمینوں کو ان ہی کی ملکیت میں چھوڑ دیا اور جب پیداوار کے وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ کو وصولیابی کے لئے بھیجا تو انھوں نے یہود سے صاف لفظوں میں یہ فرمایا۔

| | |
|---|---|
| لم یبعثنی النبی صلی اللہ | مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے نہیں بھیجا کہ میں |
| علیہ وسلم لاکل اموالکم | تمہارے مال (پیداوار) کو ناحق ہضم کر جاؤں بلکہ اس لئے |
| وانما بعثنی لاقسم بینکم | بھیجا ہے کہ تمہارے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان |
| وبینھم ثم قال: ان شئتم | معاہدہ کے مطابق پیداوار کو تقسیم کروں اور تم کو پورا اختیار |
| عملت وعالجت وکلت | ہے کہ اگر یہ پسند کرتے ہو کہ میں عملداری کر کے اس کا تخمینہ |
| لکم النصف وان شئتم | کردوں اور نصف نصف بانٹ دوں تو میں حاضر ہوں اور |
| عملتم وعالجتم وکلتم | اگر یہ بہتر سمجھتے ہو کہ تم خود عملداری اور کنکوت کر کے نصف |
| النصف فقالوا: بھذا | نصف کردو تو مجھے یہ بھی منظور ہے، یہ سن کر یہودی کاشتکا |

Marfat.com

قامت السموات والارض الخ [۱] — کہنے لگے کہ یہی وہ عدل وانصاف ہے جس کی وجہ سے زمین وآسمان قائم ہیں۔

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے ایک مرتبہ حضرت حذیفہ بن الیمان کو دجلہ کی اور حضرت عثمان بن حُنیف کو فرات کے کنارہ کی زمینوں پر خراج وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا، جب وہ واپس آئے اور خراج کی معقول رقم پیش کی تو حضرت عمرؓ نے اس کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا اور فرمایا

کیف وضعتما علی الارض؟ لعلکما کلفتما اهل عملکما مالا یطیقون۔ [۲] — تم نے زمین پر خراج کس مقدار سے مقرر کیا، معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کاشتکاروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا ہے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

لعلکما حملتما علی الارض مالا تطیق۔ [۳] — شاید تم نے زمین کی حیثیت سے زیادہ خراج وصول کیا ہے؟

یہ سُن کر حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا۔

لقد ترکت فضلا (او) وضعت علیها امرا هی له محتملة، وما فیها کثیر فضل۔ [۴] — میں نے اُن کے لئے بہت زیادہ چھوڑا ہے (یا فرمایا) میں نے زمین سے مناسب لگان وصول کیا ہے اور جس قدر اس میں چھوڑ آیا ہوں وہ بہت زیادہ ہے۔

اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے خراج کے تقرر میں زیادہ سے زیادہ تخفیف لگان کے مسئلہ کو پیش نظر رکھنے کی تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

انظرا الا تکونا حملتما الارض مالا تطیق اما لئن بقیت لارامل اهل العراق لادعهن لا یحتجن الی احد بعدی۔ [۵] — خراج مقرر کرتے یا وصول کرتے وقت خوب دیکھ بھال کر لیا کرو کہ کہیں لگان زمین کی حیثیت سے زیادہ تو نہیں ہوگیا اگر میں زندہ رہ گیا تو اہل عراق کی بیواؤں کو ایسا متمول کردوں گا کہ میرے بعد پھر وہ کسی امیر کی محتاج نہ رہیں گی۔

[۱] کتاب الخراج ص ۵۰۔ [۲] ص ۸۲ [۳] ص ۳۷ [۴] ص ۳۷۔ [۵] ص ۳۷۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس جب عراق کا خراج وصول ہو کر آتا تو عراق کے متمدن شہروں کوفہ اور بصرہ سے دس دس آدمیوں کا وفد بلاتے اور وہ چار مرتبہ قسمیں کھا کر یہ شہادت دیتے کہ ہم سے یہ جو کچھ وصول کیا گیا ہے بغیر کسی ظلم کے برضا و رغبت وصول کیا گیا ہے اس میں نہ کسی مسلمان پر ظلم ہوا ہے اور نہ کسی معاہد (ذمی) پر۔[1]

امام ابو یوسفؒ ان ہی روایات کو سامنے رکھکر فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ثم تکون المقاسمات فی اثمار ذلک | پھر ان کے پھلوں کو بانٹ لیا جائے یا ان کی قیمت انصاف |
| او یقوم ذلک قیمۃ عادلۃ لایکون | کے ساتھ اس طرح لگائی جائے کہ وہ اہل خراج پر |
| فیہا حمل علی اھل الخراج و لا | بوجھ نہ ہو جائے اور نہ حکومت ہی کو نقصان پہنچے پھر |
| یکون علی السلطان ضرر ثم یوخذ | ان کے ذمہ اس طرح جو لازم آئے وہ ان سے لیا جائے |
| منھم ما یلزمھم من ذلک ای | مگر یہ پیش نظر رہے کہ ان دونوں صورتوں میں سے |
| ذلک کان اخف علی اھل | وہی صورت اختیار کی جائے جو اہل خراج کے لئے |
| الخراج فعل ذلک بھم۔[2] | سہل اور آسان ہو۔ |

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| فخذہ فی رفق وتسکین لاھل | اور تم خراج اس طرح لو کہ اہل زمین (کاشتکار) کو |
| الارض۔[3] | اس کے دینے میں آسانی، نرمی اور تسکین رہے۔ |

اور ایک جگہ خراج (مالگذاری) کے بارہ میں حضرت عمرؓ کا طریقۂ وصول بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| فلم یحملھم ما لا یطیقون ولم | پس ہم ان پر ان کی طاقت سے زیادہ لگان مقرر |
| ناخذ ھم من الخراج الا بما | نہیں کریں گے اور نہ ان کی آراضی کی حیثیت سے |
| تحتملہ ارضھم۔[4] | زیادہ ان پر بوجھ ڈالیں گے۔ |

---

[1] کتاب الخراج ص ۱۱۳ باب تنقیل السواد۔ [2] ۵۲ ،، [3] ۵۳ ،، صفحہ [4] کتاب الخراج ص ۴۷۔

Marfat.com

اور عدم طاقت کے متعلق بحر الرائق میں یہ تصریح موجود ہے۔

| | |
|---|---|
| وقالوا ونهاية الطاقة ان يبلغ الواجب نصف الخارج لا يزاد عليه التنصيف عين الانصاف [۱] | نہایہ فرماتے ہیں کہ طاقت و برداشت کی آخری حد یہ ہے کہ خراج (لگان) پیداوار سے نصف ہو اور اس سے بڑھانا جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ تنصیف ہی انصاف ہے۔" |
| واما اذا اراد الامام توظيف الخراج على ارض ابتداءً وزاد على وظيفة عمرؓ فانه لا يجوز عند ابي حنيفة وهو الصحيح لان عمر رضي الله عنه لم يزد لما اخبر بزيادة الطاقة۔ [۲] | لیکن جب امام کسی زمین پر ابتداءً خراج لگائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حضرت عمرؓ کی مقدار سے زیادہ لگانا جائز نہیں اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ اہلِ خراج کے زیادہ طاقت رکھنے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خراج نہیں بڑھایا۔ |

عراق فتح کر لینے کے بعد باشندگانِ ملک کو حضرت عمرؓ نے زمینوں کی کاشت سپرد کرتے ہوئے جس نسبت سے سالانہ مالگذاری مقرر فرمائی وہ ان تمام اقوال و احکام کیلئے جو سطورِ بالا میں تخفیفِ لگان سے متعلق بیان ہوئے ہیں" عملی شہادت ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان بن حُنیف سے جو کہ پیمائش کے ماہر تھے" عراق کی پیمائش کرائی تو پہاڑ، جنگل اور نہروں کو چھوڑ کر قابلِ زراعت زمین کا کل رقبہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب قرار پایا، ان میں سے شاہی جاگیروں، آتشکدوں کے اوقاف، لاوارثوں، مفروروں اور باغیوں کی جائدادوں، دریا بُرد زمینوں، شاہراہوں، اور ڈاک کے مصارف کی زمینوں، اور جنگل کو "خالصہ" قرار دے کر رفاہِ عام کے لئے وقف کر دیا جس کا تخمینہ ستر لاکھ درہم سالانہ ہوتا تھا، اور باقی تمام زمینوں کو مالکانِ ملک کی ملکیت تسلیم کر کے ان پر حسبِ ذیل معمولی لگان مقرر فرما دیا۔

---

[۱] و [۲] بحر الرائق ص ۱۱۶ و ۱۱۷۔

Marfat.com

| | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|
| گیہوں | فی جریب | (سوا دو بیگہ خام) | پون بیگہ پختہ | ۲ درہم | تقریباً | ۸ ر |
| جو | " | " | " | ۱ " | " | ۴ ر |
| نیشکر | " | " | " | ۶ " | " | عہ۸ ر |
| روئی | " | " | " | ۵ " | " | عہ ر |
| انگور | " | " | " | ۱۰ " | " | عہ۸ ر |
| کھجور | " | " | " | ۱۰ " | " | عہ۸ ر |
| تل | " | " | " | ۸ " | " | عہ ر |
| ترکاری | " | " | " | ۳ " | " | ۱۲ ر |

اور عمدہ پیداوار اور عمدہ زمینوں کے اعتبار سے کسی کسی جگہ گیہوں کی فی جریب چار درہم اور جو پر دو درہم (۸ ر) لگان مقرر ہوا۔ اس انتہائی نرمی اور سہولت کے باوجود فاروقِ اعظم رضؓ کے زمانہ میں عراق کا خراج آٹھ کروڑ ساٹھ لاکھ درہم (دو کروڑ پندرہ لاکھ روپیہ) وصول ہوا تھا۔[۱]

مصر کی حالت پیداوار "نیل" کے سبب سے چونکہ بہت عمدہ رہتی تھی اس لئے وہاں کے لگان کی شرح اس سے زیادہ مقرر کی گئی تھی مگر اس اصول کے ساتھ کہ لگان کم سے کم ہو زیادہ سے زیادہ نہ ہو۔ اور چونکہ نیل کی طغیانی و غیر طغیانی سے سالانہ پیداوار میں فرق پڑتا تھا۔ اس لئے ہر سال جب ادائیگی قسط کا وقت آتا تھا تو مقامی زمیندار، نکھیا، کاشتکار اور ماہرین تخمینہ، کو جمع کر کے سب کے مشورہ سے تخمینہ کرایا جاتا تھا اور پھر بھی اطمینان نہ ہوتا تھا تو فاروقِ اعظم وصول کرنے والوں سے حلف اور قسمیں لیتے تھے کہ انھوں نے کوئی سختی تو نہیں کی کہ جس میں کاشتکاروں اور لگان و مالگذاری دینے والوں پر ظلم ہوا ہو۔ اور اس کے بعد مصر کے کاشتکاروں اور زمینداروں سے اس کی تصدیق کی جاتی تھی۔

مصر میں فراعنہ کے زمانہ میں مالگذاری کے حسب ذیل اصول مقرر تھے۔

---

[۱] کتاب الخراج ص ۳۶ تا ۳۸۔

Marfat.com

(۱) خراج، نقد اور پیداوار دونوں شکل میں لیا جا سکتا ہے۔

(۲) چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر اس کے لحاظ سے جمع بندی کی تشخیص کی جائے

(۳) بندوبست چار سالہ ہو۔

رومیوں نے جب مصر پر قبضہ کیا تو دو باتوں کا اور اضافہ کیا یعنی

(۴) خراج، مالگذاری یا لگان کے علاوہ غلہ کی ایک بہت بڑی مقدار پایۂ تخت قسطنطنیہ کے لئے وصول کی جائے۔

(۵) فوج کی رسد کے لئے غلہ یہیں سے لیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پانچوں اصول میں انصاف کے پیش نظر ترمیم و اصلاح کی اور حسب ذیل قاعدے مقرر کر دیئے۔

(۱) خراج، نقد و پیداوار دونوں شکلوں میں وصول ہو سکتا ہے مگر اس میں (لگان) دینے والے کی سہولت کا لحاظ ضروری ہوگا۔

(۲) تشخیص کا مسطورہ بالا قاعدہ مقرر کرنا اور چند سالوں کا اوسط نکال کر جمع بندی کرنا۔ کاشتکاروں کی معاشرتی زندگی کے اعتبار سے سخت ظلم ہے بلکہ تشخیصِ لگان زمین کی حیثیت اور پیداوار کی نوعیت کے پیشِ نظر تراضی طرفین سے ہونی چاہئے۔

(۳) بندوبست کے متعلق کوئی خاص وقت مقرر کرنا نہ حکومت کو مفید ہے اور نہ رعایا کو بلکہ حسب موقعہ کاشتکاروں اور مالکانِ زمین کی سہولت کا لحاظ کر کے کیا جائے۔

(۴ و ۵) لگان کے علاوہ کچھ اور وصول کرنا نہایت ظلم ہے لہٰذا رومیوں کے دونوں قاعدوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔

حتیٰ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حرمین کو جو غلہ بھیجا جاتا تھا اس کی قیمت "حکومت" پائی پائی اپنے پاس سے ادا کرتی تھی[1]

[1] کتاب الخطط للمقریزی ص ۷۵ تا ۷۹۔

Marfat.com

خراج اور عشر کا امتیاز

اگرچہ یہاں یہ بحث خارج از مقصد ہے کہ مسلمانوں کی زمینوں پر "عشر" زکوٰۃ کیوں ہے اور غیر مسلموں کی زمینوں پر "خراج" کیوں۔ اس لئے کہ یہ بحث اسلام کے نظامِ مملکت کے تحت میں قابلِ ذکر ہے۔ اور الفاروق حصہ دوم "ذمی رعایا کے حقوق" میں مفصل اور بہت خوبی سے علامہ شبلی مرحوم نے بیان کی ہے جو قابلِ مراجعت ہے۔

تاہم اس قدر واضح کر دینا ضروری ہے کہ عشر اخراج کے مقابلہ میں زیادہ گراں ٹیکس ہے اور اس اعتبار سے مسلمانوں کے مقابلہ میں غیر مسلم زیادہ فائدہ میں ہیں، مثلاً

(۱) عشر پیداوار کا دسواں حصہ ایک مقرر شدہ فرض ہے جس میں کمی کی کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن خراج کی گذشتہ تفصیل سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ زمین کی پیداوار کا کم سے کم ٹیکس ہے اور اس کمی کے اصول کے پیشِ نظر طرفین کی رضامندی سے حادثات کی صورت میں ترمیم کی لچک بھی رکھتا ہے۔

(۲) عشر سال کی مختلف فصلوں میں ہر پیداوار کے وقت لازم ہے مگر خراجِ موظف سال میں صرف ایک مرتبہ لیا جاتا ہے۔

(۳) عشر پیداوار کی حالت میں کسی صورت میں معاف نہیں ہو سکتا اور خراج خلیفۂ اسلام کی صوابدید پر معاف بھی ہو سکتا ہے۔[۱]

ان مذکورہ بالا امور کے پیشِ نظر انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ "عشر" جو درحقیقت مذہب اسلام کے قانونِ زکوٰۃ کا ایک جزء ہے صرف ان ہی پر نافذ ہو جو "مسلمان" کہلائے جاتے ہیں لیکن جو اسلام کے عقیدہ (کریڈ) کو تسلیم نہیں کرتے ان پر اس قسم کی مذہبی پابندی عائد کرنا بلاشبہ ظلم ہوتا۔

علاوہ ازیں اگر بعض خصوصی حالات میں "خراج" کی مقدار عشر سے زیادہ بھی نظر آئے تو یہ بات کبھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ مسلمان عشر اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد بھی ٹیکسوں سے بری نہیں ہو سکتا۔ اور اسلامی قانون کی رو سے حسب ضرورت اسکو فوجی ضروریات، رفاہ عام کی ضروریات

---

[۱] کتاب الخراج ص ۸۶ باب نقصان الصدقۃ وزیادتہا وضیاعہا۔

حوادث سے پیدا شدہ ضروریات کے لئے ٹیکس ادا کرنا ضروری ہے۔ مگر اس کے برعکس غیر مسلم جماعت جو کہ اسلام کے عقیدہ و اصول کو نہ مانتے ہوئے اس کے اقتدار اعلیٰ کے نیچے رہنا منظور کر لیتی ہے "خراج" اور "جزیہ" کے بہت ہی معمولی ٹیکس ادا کرنے کے بعد ہر قسم کے ٹیکسوں سے سبکدوش ہو جاتی ہے اور پھر تمام اقتصادی امور میں مسلم و غیر مسلم کے درمیان مساوات کا اعلان ہو جاتا ہے اور اسلامی قانون کی رو سے جان، مال، آبرو اور دنیوی ترقیات میں دونوں کے درمیان فاتح و مفتوح کا کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔

یہ تمام حوالجات حکومت کی عائد کردہ مالگذاری (خراج) سے متعلق تھے لیکن اجارہ اور مزارعۃ کا وہ معاملہ جو کہ کاشتکار اور زمیندار کے درمیان ہے حکومت اور رعایا کے درمیان معاملات کا سا نہیں ہے بلکہ اس صورت میں دونوں معاملہ دار (متعاقدین) برابر کی حیثیت میں ہیں تو ایسی حالت میں اسلام کا معاشی نظام زمیندار کو ہرگز کاشتکار پر ترجیح نہیں دیتا بلکہ اس امر کے پیش نظر کہ متاجر (کاشتکار) شرکت کاشت میں دولت بھی خرچ کرتا ہے اور محنت بھی اور زمیندار صرف دولت (زمین) ہی سے شرکت کرتا ہے" وہ متاجر (کاشتکار) کے ساتھ ترجیحی سلوک کرتا اور اسی لئے زمین کے لگان میں تخفیف کے اصول کو مدنظر رکھتا ہے۔

چنانچہ علامہ سرخسیؒ نے مبسوط میں تصریح کی ہے کہ اگر ایک متاجر (کاشتکار) نے زمین لگان پر لی یا بٹائی پر اور معاملہ ہو جانے کے بعد اس نے کسی معقول عذر کی بنا پر زمین کی کاشت سے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ میں اس کام کو اس سال کرنا نہیں چاہتا تو معاملہ فسخ ہو جائے گا اور کاشتکار کو مجبور نہیں کیا جائے گا اور دلیل یہ بیان کرتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| لان المزارعۃ علی قول من یجیزھا | اس لئے کہ مزارعۃ کو جن فقہا نے جائز کہا ہے وہ اس کو |
| اجارۃ والاجارۃ تنقض بالعذر | اجارہ مانتے ہیں اور اجارہ عذر کی وجہ سے فسخ ہو جاتا ہے |
| .... وھذا لان الاجارۃ جوزت | .... اور یہ اس لئے کہ اجارہ کو متاجر (کاشتکار) کی |
| لحاجۃ المستاجر ففی التزام العقد | ضرورت اور حاجت کی وجہ سے جائز رکھا گیا ہے پس |

Marfat.com

| | |
|---|---|
| اياه بعد ما طال لاترك ذلك | ایسی حالت میں کہ وہ کاشت کرنا نہیں چاہتا اور اس کی رائے |
| العمل اضرار به الخ [1] | بدل گئی ہو اس کو معاملہ پر مجبور کرنا اس کو نقصان پہنچانا ہے" |

اور علامہ عبدالرحمٰن جزائری نے مزارعت کے جواز و عدم جواز پر بحث کرتے ہوئے اپنی جانب سے جو محاکمہ بیان فرمایا ہے وہ اس مسئلہ میں اسلام کے نقطۂ نظر کا بہترین آئینہ دار ہے چنانچہ علامہ موصوف ارشاد فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| واذا كان الحال على ما ذكر فانه | اور جبکہ صورتِ حال یہ ہے جو ابھی مذکور ہوئی تو زمانہ کے |
| يمكننا ان نطبق راى الفريقين | موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے ہمارے لئے ان دونوں |
| على ما هو واقع فى زماننا وان | رایوں کے درمیان تطبیق ممکن ہے اور یہ آسان ہے کہ |
| نختار ما هو مناسب لمصالح الناس و | لوگوں کے فوائد اور منافع کے مناسب ہم ان ہر دو میں کسی |
| منافعهم فمن الناس من ينتهز | ایک کو پسند کر لیں پس بعض لوگ ایسے ہیں جو عامل (کاشتکار) |
| فرصة حاجة العامل الشديدة | کی شدید ضرورت اور حاجت کی تلاش میں اور غنیمت موقع |
| الى العمل فلا يعطى له ارضه | کی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کاشتکار کب کاشت کے لئے مجبور |
| الا اذا غبنه غبنا فاحشا وارهقه | ہوتا ہے اور جب ایسی حالت میں کاشتکار ان سے معاملہ |
| ارهاقا شديدا اذا ما دفعته | کرنے آتا ہے تو وہ اپنی زمین کو بغیر ایسی شرطوں کے نہیں |
| الحاجة الى العمل فمزارعته | دیتے کہ جن سے کاشتکار سخت نقصان میں پڑ جائے اور یہ |
| تلك الارض كانت نتيجة عمله | معاملہ اس کے لئے ناقابلِ برداشت بوجھ ہو جائے پھر جب |
| للمالك خاصة فيستولى على | وہ اپنی شدید حاجت کی وجہ سے کاشت پر مجبور ہو جاتا |
| غلتها فوق ما يفرضه عليه من | ہے تو اس کی محنت کا تمام ثمرہ (زمیندار) مالکِ زمین کو |
| مال وعمل وهذا لا يجوز فى نظر | پہنچ جاتا ہے اور کاشتکار سے مال اور عمل کے ساتھ جو معاہدہ |
| الشريعة الاسلامية التى | ہوا تھا زمین کی پیداوار میں سے اس معاہدہ سے کہیں زیادہ |
| توجب مساعدة المضطر | پر اس طرح تسلط جما لیتا ہے اور یہ طریقہ شریعتِ اسلامی |

[1] جلد ۲۳ ص ۲۵ -

ومعونة العامل الضعيف فلهذا ينبغي تحذير الناس من المزارعة التي يترتب عليها حرمان العامل من كدّه في استغلال المالك اياه لحاجته ... اما اذا كانت عاطفة الخير متبادلة بين الناس و كل من الشريكين لا يريد الا ان ينتفع بما يستحقه من ارض او عمل فلا ينبغي احدهما على صاحبه لا يغبنه في امره ولا يخونه في عمل وكانت المصلحة تقتضي العمل في الارض مزارعة بقسمة ما يخرج من غلتها فانه في هذه الحالة يفتى برأي من اجاز تاجير الارض به[1]

کی نظر میں کسی طرح بھی جائز نہیں ہوسکتا کیونکہ شریعت اسلامی تو کمزور عامل (کاشتکار) کی مدد اور مضطر اور پریشان حال کی حمایت کو واجب قرار دیتی ہے پس ایسی زمینداری (مزارعت) کے متعلق جو کاشتکار کو اس کی محنت کے پھل سے محروم کرتی ہو اور ایک حاجتمند کی حاجت کو اپنی ازدیاد دولت کا آلہ کار بناتی ہو، یہی مناسب ہے کہ لوگوں کو اس سے روک دیا جائے اور اس سے ڈرایا جائے لیکن جب لوگوں کے آپس میں نیک رجحانات ہوں اور ہر دو شریک (زمیندار و کاشتکار) میں سے ایک دوسرے کے لئے یہ ارادہ رکھتا ہو کہ زمین اور محنت کے پیش نظر ہر ایک اپنے اپنے حق کو ضرور لے اور ایک دوسرے کے خلاف بدنیتی نہ رکھتا ہو اور زمیندار (لگان یا بٹائی کے معاملہ میں) بددیانتی نہ کرے اور کاشتکار عمل اور محنت میں خیانت کا مرتکب نہ ہو اور معاشی ضرورت کا تقاضہ ہو کہ مزارعت کے معاملات رائج ہوں تو ان حالات میں جو فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں ان کے فتوی پر اجازت دیدی جائے۔

اس مہتم بالشان عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کی نظر میں زمینداری و کاشتکاری باہمی تعاون و اشتراک اور امداد باہمی کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے اور اس میں بھی ہر دو شرکاء میں سے اس کی زیادہ رعایت کی جائے گی جو صاحبِ حاجت اور محنت سے

[1] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۳۔

معاش کمانے پر مجبور ہے اور اس معاملہ خاص میں سو فیصدی یہ بات کاشتکار پر صادق آتی ہے تو ضروری ہے کہ اس کے ساتھ زیادہ رفق ونرمی کا معاملہ کیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ محنت اور زمین کی حیثیت کو سامنے رکھکر تخفیفِ لگان ہی کے ذریعہ ہوسکتی ہے، نیز یہ کہ ہر دو فریق کو اپنے مفوضہ فرائض دیانتداری سے انجام دینے چاہئیں اور اگر عام حالات اس قسم کے باقی نہ رہیں اور زمینداروں کی جانب سے محنت کش طبقہ کی شدید حاجت اور اضطراری کیفیت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا جذبہ نمایاں نظر آنے لگے تو امام (خلیفہ) کو حق ہے کہ وہ اس قسم کے عقد و معاملہ کو حکماً روکدے اور اس سسٹم کو بند کردے۔

بہرحال یہاں تو صرف یہی ظاہر کرنا ہے کہ اسلام کا معاشی نقطۂ نظر زمینداری اور کاشتکاری میں عامل (کاشتکار) کی محنت اور عمل کو پیشِ نظر رکھکر یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ لگان اور مالگذاری میں رفق ونرمی یا بالفاظِ دیگر تخفیفِ لگان کا لحاظ رکھا جائے۔

مفکرِ اسلام شاہ ولی اللہؒ نے اسلام کے اس نظریہ کو واضح کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب کسی قومی تمدن میں بے جا عیش کوشی، مسرفانہ تعیش اور مذموم سرمایہ دارانہ ذہنیت پیدا ہوجاتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حکومت کی جانب سے معیشت کے بنیادی وسائل پر بھاری ٹیکس لگائے جاتے اور گراں بار مالگذاری اور لگان عائد کردیئے جاتے ہیں تاکہ اس طرح جلبِ زر کی صورت پیدا ہو اور اس طرح تمدن کو تباہ و برباد کردیا جاتا ہے۔

| | |
|---|---|
| وجرّ ذلك الى التضييق على | اور یہ بیجا تعیش ان پیشہ وروں کی مصیبت کا باعث |
| القائمين بالاكساب الضرورية | بن جاتا ہے جو ضروری معاشی اعمال میں مشغول ہیں |
| كالزارع والتجار والصناع | یعنی مثلاً زراعت پیشہ، تجارت پیشہ اور صنعت |
| وتضاعف الضرائب | پیشہ اور ان پر بھاری ٹیکس اور گراں بار لگان و |
| عليهم الخ [1] | مالگذاری کا سبب بنتا ہے۔ |

[1] حجۃ اللہ ج ۲ ص ۱۰۷

| خصوصی حقوق ومراعات | اسلام کے معاشی نظام میں یہ مسئلہ اس عنوان سے کہیں نظر نہیں آتا۔ اس لئے کہ اس نے اس سلسلہ میں ایک ایسے صاف اور واضح اصول بیان کر دیئے ہیں کہ جن کے |
|---|---|

تحقق کے بعد اس عنوان کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ یعنی جو افرادِ مملکت زمینوں کے مالک ہیں ان کے لئے تو تخفیفِ لگان کے علاوہ زمین سے متعلق کسی رعایت اور حق کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ وہ خود مالکِ زمین ہیں۔ اور اس کے تصرف میں مرضی کے مختار، اور جو افراد زمین کو اجارہ پر لیتے ہیں اور زمین کے مالک نہیں ہیں تو فقہِ اسلامی ان کے لئے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس خاص حالت میں دو چیزیں قابلِ توجہ ہیں ایک زمین اور دوسری اس سے استفادہ اور انتفاع، پس مالکِ زمین کا حق تو صرف یہ محفوظ رہنا چاہئے کہ اس کی زمین کی ملکیت برقرار رہے اور یہ کہ اس کو خراب اور برباد نہ کیا جائے اور مستاجر (کاشتکار) کا حق یہ محفوظ رہنا چاہئے کہ زمین سے انتفاع اور استفادہ کی باہمی طے شدہ تمام صورتوں میں وہ قطعاً آزاد ہو اور یہ کہ عدل و انصاف کے ساتھ باہمی طے شدہ لگان یا بٹائی کے علاوہ اور کسی قسم کا بار اس پر نہ ڈالا جائے چہ جائیکہ وہ مستاجر کی حیثیت میں محکوم یا غلام سمجھا جائے۔ نیز اس قسم کے عقد و معاملہ میں زمیندار کے مقابلہ میں اجیر اور کاشتکار کی مصالح و مراعات مقدم رکھی جائیں۔

پس اگر دنیا میں آراضی کی کاشت کے سلسلہ میں ان ہر دو اصول کا لحاظ رکھا جاتا تو اس نئے عنوان کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہوا بلکہ اسلام سے قبل بھی اور اسلام کی صحیح حکومت (خلافتِ راشدہ) کے بعد بھی یہ ہوتا رہا ہے کہ کاشتکار اپنی حاجت اور ضرورتِ معیشت کی وجہ سے ہمیشہ زمیندار کے مظالم کا شکار بنتا اور اپنی زندگی کو اس کے رحم و کرم پر گذارتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ عنوانِ بالا کے تحت میں چند ایسے احکام و جزئیات کو نقل کر دیا جائے جس سے قدیم اور جدید مظالم متعلقہ کاشتکار کا سدِ باب ہو سکے اور یہ روشن ہو جائے کہ اس بارہ میں اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے اور اس نے اس ضعیف اور مظلوم جماعت پر عائد شدہ بوجھ کو کس طرح ہلکا کیا؟

اسلام سے قبل عرب سے متصل دو حکومتیں بہت بڑی شاہنشاہیت (امپریلزم) کی

مالک تھیں۔ایک ایران کی اور دوسری روم کی، ایران مجوسی مذہب کا پیرو تھا اور روم عیسائیت کا مقلد مگر دونوں حکومتوں کا تمدن ایسے فاسد نظام اور ظالمانہ استبدادیت کا حامل تھا جس کی مختصر کہانی شاہ ولی اللہؒ کی زبانی گذشتہ اوراق میں سُنائی جا چکی ہے یعنی بادشاہ، امراء، ارکانِ دولت اور تعلقہ داروں کے مسرفانہ تعیش اور معاشی دستبرد نے رعایا کو اس درجہ پریشان کر دیا تھا کہ کاشتکار، مزدور، صناع اور تجار ٹیکس، لگان، اور مالگذاری کی گراں باریوں کے علاوہ "عموماً نت نئے مظالم کا شکار ہوتے رہتے تھے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اونچے طبقہ کے ان سرمایہ داروں نے پیشہ ور طبقوں کو عموماً اور کاشتکاروں کو خصوصاً اپنا غلام اور محکوم بنا لیا تھا اور ان پر اپنی تمام عیاشیوں کا بوجھ ڈال کر ان کو اس قدر محتاج اور ضعیف المعیشت بلکہ محروم المعیشت بنا دیا تھا کہ مجبور ہو کر انھوں نے اس غلامانہ اور محکومانہ زندگی ہی پر قناعت کر لی تھی اور اس کو تعلقہ داروں اور جاگیرداروں کی زبان میں "تراضی" اور "رضا" کہا جاتا تھا یعنی محکوم رعایا اور غلام کاشتکاران ظالمانہ شرائط کو برضا و رغبت تسلیم کرتے ہیں اور اس لئے یہ ظلم نہیں ہے۔

اسلام نے جب مدینہ منورہ میں پہنچکر "خلافتِ حقہ" کا اعلان کیا اور آہستہ آہستہ یہ تمام ممالک اس کے زیرِ نگیں آ گئے تو اس نے شعبہ ہائے حکومت کے انقلابی اور اصلاحی پروگرام میں اس اصلاح کو بھی شامل کر لیا اور صدیقِ اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ کے زمانہ ہی میں عراق، مصر، شام وغیرہ ممالک میں اس طبقاتی ظلم کا خاتمہ کر کے عدل و انصاف کا علم بلند کر دیا گیا۔

پس مناسب یہ ہے کہ اس سلسلہ کے تمام مفاسد اور ان کی اصلاحات کو ترتیب وار بیان کر کے عنوانِ بالا کی حقیقت کو واشگاف کر دیا جائے تاکہ حق و باطل کا موازنہ ہو سکے اور دورِ حاضر کے تعلقہ داروں، جاگیرداروں اور بڑے بڑے زمینداروں کو بھی اس آئینہ میں اپنے قیصرانہ اور کسرویانہ مظالم کا چہرہ دیکھنے اور اس سے عبرت حاصل کرنے کا موقعہ میسر آ سکے۔

(۱) ایرانی اور رومی حکومت کا ایک طریقہ یہ تھا کہ وہ کاشتکاروں کو اپنا محکوم اور غلام سمجھکر مالگذاری اور لگان کے وصول کرنے میں وحشیانہ سختیاں کرتے اور طرح طرح کے عذاب

Marfat.com

میں مبتلا رکھتے تھے اور حاکموں کے اس رویہ کو دیکھکر تعلقہ دار اور جاگیردار اور بڑے بڑے زمیندار بھی یہی عمل کرتے اور بجائے عدالت میں نالش کے ذریعہ حق خواہی کے خود ہی زدوکوب کرکے لگان اور مالگذاری وصول کیا کرتے تھے۔ اسلام نے اس جابرانہ رسم کا انسداد کیا، قانون کے ذریعہ اس کا خاتمہ کیا، اور اس سلسلہ میں ہر قسم کے جبر وتشدد کو حرام قرار دیا اور نہ صرف یہ بلکہ اس قسم کے جبر و تشدد کے خلاف آخرت کے عذاب کی وعیدیں سنا کر اخلاقاً بھی اس کا استیصال ضروری سمجھا اور اگر ایرانیوں کی تقلید میں کبھی کسی عامل نے اس قبیح رسم کا اعادہ کیا تو خلیفۂ اسلام نے ایسے عامل کو یا معزول کر دیا اور یا سرزنش کے ذریعہ اس کا انسداد کر دیا۔ حتیٰ کہ یہ صاف وصریح حکم دیا کہ اگر اہل خراج معاشی مجبوریوں کی وجہ سے وقت پر خراج (لگان) ادا نہ کر سکیں تو ان کو مہلت دو تاآنکہ بسہولت ادا کرنے پر قادر ہو جائیں۔ چنانچہ حسب ذیل احکام ونظائر اس کی روشن دلیل ہیں۔

حضرت عمرؓ شام کے ملک سے واپس آرہے تھے راہ میں دیکھا کہ کچھ آدمی دھوپ میں کھڑے ہیں حضرت عمرؓ کے دریافتِ حال پر معلوم ہوا کہ جزیہ ادا نہ کرنے پر سزا دی جا رہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ادا نہ کرنے کی وجہ دریافت فرمائی تو معلوم ہوا کہ اس وقت وہ ادا کرنے سے معذور ہیں۔ آپ نے عاملوں کو بہت سختی کے ساتھ اس ظالمانہ روش پر بازپرس کی اور فرمایا۔

| | |
|---|---|
| دعوهم: لا تكلفوهم ما لا يطيقون | ان کو چھوڑ دو اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو |
| قال سمعت رسول الله صلى الله | تکلیف نہ دو، اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ |
| عليه وسلم يقول: لا تعذبوا | وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے لوگوں کو عذاب میں نہ ڈالو |
| الناس فان الذين يعذبون | اس لئے کہ جو لوگ دنیا میں انسانوں کو عذاب میں |
| الناس في الدنيا يعذبهم الله | مبتلا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن |
| يوم القيامة" وامر بهم فخلي | عذاب میں مبتلا کرے گا" اور پھر آمرانہ حکم دے کر |
| سبيلهم الخ [1] | ان کو اس سے نجات دلائی۔ |

[1] کتاب الخراج ص ۱۲۵ و کتاب الاموال ص ۴۳۔

Marfat.com

اسی طرح حضرت عمرؓ کی یہ وصیت مشہور ہے۔

| | |
|---|---|
| اوصی الخلیفۃ من بعدی باھل | میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ |
| الذمۃ خیرا ان یوفی لھم | وہ ذمیوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے، ان کے |
| بعھدھم وان یقاتل من | عہد کو پورا کرے، ان کی حفاظت میں ان کے |
| ورائھم وان لا یکلفوا فوق | دشمن سے جنگ کرے اور (ادائے خراج) میں ان کی |
| طاقتھم الخ ؎۱ | طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالے۔" |
| عن عبدالرحمن جبیر بن | عبدالرحمن بن جبیر بن نفیر راوی ہیں کہ حضرت عمر ابن |
| نفیر عن ابیہ ان عمر بن | الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس جزیہ کا بہت سا مال |
| الخطاب اُتی بمال کثیر قال | پیش کیا گیا حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے یہ خیال ہو رہا ہے |
| ابو عبید احسبہ قال من | کہ تم نے لوگوں کو برباد کرکے یہ جمع کیا ہے؟ عاملوں نے کہا |
| الجزیۃ فقال انی لاظنکم | بخدا ایسا نہیں ہوا ہم نے ان کی حاجات سے فاضل مال |
| قد اھلکتم الناس قالوا | میں سے راضی خوشی سے وصول کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے |
| لا واللہ ما اخذنا الا عفواً | دریافت فرمایا بغیر مار پیٹ اور باندھ کر لٹکانے جیسی |
| صفواً قال بلا سوط ولا | تکالیف کے؟ سب نے عرض کیا بیشک بغیر ایذا دیئے |
| نوط؟ قالوا نعم قال الحمد للہ | تب حضرت عمرؓ نے فرمایا اس خدا کا بے غایت شکر ہے |
| الذی لم یجعل ذلک علی | جس نے میرے ہاتھ پر ایسے کام نہیں کرائے اور نہ میرے |
| یدی ولا فی سلطانی ؎۲ | زمانۂ خلافت میں اس قسم کے مظالم ہو سکے۔" |

ایک مرتبہ سعید بن عامر والیِ شام نے خراج بھیجنے میں دیر کی جب وہ دربارِ خلافت میں آئے تو حضرت عمرؓ نے سخت باز پرس کی۔ سعید بن عامر نے جواب دیا کہ آپ نے دو حکم دیئے تھے میں ان دونوں پر عامل ہوں ایک یہ کہ کاشتکاروں پر فی جریب چار دینار سے زیادہ لگان نہ لگاؤں

؎۱ کتاب الخراج ص ۱۲۵ و کتاب الاموال ص ۴۴ ؎۲ کتاب الاموال ص ۴۴۔

Marfat.com

اور دوسرے یہ کہ ادائے لگان میں نرمی سے کام لوں، سو میں اس وقت تک لگان نہیں لیتا، جب تک ان کو خوب آمدنی نہیں ہوجاتی، حضرت عمرؓ نے سن کر فرمایا: یہی چاہیے اب میں تجھ کو کبھی معزول نہیں کروں گا۔

| | |
|---|---|
| قال امرتنا ان لا نزید لفلاحین | سعید نے کہا آپ نے ہم کو حکم دے رکھا ہے کہ کاشتکاروں |
| علی اربعة دنانیر فلسنا نزیدہم | پر چار دینار سے زیادہ لگان نہ لگائیں سو ہم اس کے |
| علی ذلک ولکنا نؤخرھم الی | پوری طرح پابند ہیں اور ہم ان سے وصول میں |
| غلاتھم فقال عمر لا عزلنك | ان کی آمدنی آنے تک تاخیر کرتے ہیں حضرت عمرؓ نے |
| ما حییت [1] | فرمایا: میں تجھ کو زندگی بھر معزول نہیں کروں گا۔ |

اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے عبد الحمید والی کوفہ کو ایک مفصل والانامہ تحریر فرمایا تھا جس میں درج تھا۔

| | |
|---|---|
| ولا من العامر الا وظیفة | اور آباد زمینوں پر مقررہ خراج سے ہرگز زیادہ نہ لو |
| الخراج فی رفق وتسکین لاھل | اور جو بھی وصول کرو اہلِ زمین سے نرمی اور |
| الارض الخ [2] | دلجوئی کے ساتھ وصول کرو۔ |

اور امام ابو یوسفؒ ان ہی روایات کے پیشِ نظر ارشاد فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ولا یضربن رجل فی دراھم | اے ہارون! کسی شخص کو بھی لگان (خراج) کے سلسلہ |
| خراج ولا یقام علی رجله | میں زدوکوب نہ کیا جائے اور نہ ایک پیر پر کھڑا رکھا جائے |
| فانه بلغنی انھم یقیمون | یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ بعض |
| اھل الخراج فی الشمس و یضربونھم | وصول کنندہ اس قسم کی ذلیل حرکتیں کرتے ہیں کہ اہل خراج |
| الضرب الشدید و یعلقون | کو دھوپ میں کھڑا کرتے ہیں اور ان کو سخت مار پیٹ |
| علیھم الجرار و یقیدون وتھم | کرتے ہیں اور ان کی گردنوں میں گھڑے لٹکاتے ہیں، اور |

[1] کتاب الاموال ص ۴۴۔ [2] ؍؍ ص ۴۶ وکتاب الخراج ص ۸۶۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| بما يمنعهم عن الصلوة وهذا | ان کو قید کر دیتے ہیں کہ وہ نماز بھی نہ پڑھ سکیں حالانکہ |
| عظيم عند الله شنيع | یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا جرم ہیں |
| في الاسلام الخ ؎ | اور اسلام ان حرکتوں کو بدترین سمجھتا ہے۔ |

اور آگے ارشاد فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ان العدل و انصاف المظلوم | واضح رہے کہ عدل اور مظلوم کے ساتھ انصاف اور |
| وتجنب الظلم مع ما في ذلك من | ظلم سے پرہیز ان باتوں میں جو کچھ اجر و ثواب ہے وہ |
| الاجر يزيد به الخراج وتكثر به | تو ظاہر ہے اس کے علاوہ یہ فائدہ ہے کہ اس سے خراج |
| عمارة البلاد والبركة مع العدل | بڑھتا ہے اور اس سے شہروں کی آبادی بڑھتی اور |
| تكون وهي تفقد مع الجور | انصاف سے برکت میں اضافہ ہوتا ہے اور ظلم سے |
| والخراج المأخوذ مع الجور | برکت مٹ جاتی ہے اور جو لگان (خراج) ظلم سے |
| تنقص البلاد به و | حاصل ہوتا ہے اس سے شہر اجڑ جاتے ہیں اور ملکوں |
| تخرب الخ ؎ | میں تباہی اور خرابی آجاتی ہے۔ |

خراج کی وصولیابی میں سہولت و نرمی اور عدم ادائیگی کی صحیح اور واقعی مجبوریوں کی رعایت کے جو اصول مسطورہ بالا حوالجات میں نظر آتے ہیں یہ ان کاشتکاروں کے لئے ہیں جو کاشتکار ہونے کے علاوہ حکومت کی رعایا بھی ہیں لہذا جو کاشتکار معاملہ کاشت میں زمیندار کے لئے صرف شریک عمل کی حیثیت میں ہیں۔ ان کے لئے کس طرح اسلام یہ روا رکھ سکتا ہے کہ زمیندار، کاشتکار پر تشدد اور جبر و ظلم روا رکھے۔ اور عملاً اس کو اپنا غلام بنالے۔

(۲) شاہنشاہیت پسند قدیم و جدید حکومتوں میں یہ عام رواج رہا ہے کہ حکومت، عمال حکومت تعلقہ دار، جاگیردار، اور بڑے بڑے زمیندار، لگان اور مالگذاری کے علاوہ "رواج" اور "رسوم" کے نام سے مزید رقم وصول کرتے، اور اس کو اصل لگان سے زیادہ اہم اور اپنا واجبی حق تصور

؎ کتاب الخراج ص ۱۰۹ ؎ کتاب الخراج ص ۱۱۱۔

کرتے اور اس طرح اصحابِ زراعت کو تباہ کرتے تھے۔ دورِ جدید میں اگر اس کا مشاہدہ کرنا ہو تو برٹش شاہنشاہیت کے زمانہ میں ہندوستان کے تعلقہ داری اور زمینداری سسٹم میں تعلقہ دار، زمیندار اور ان کے کارندوں اور ذیلداروں کے عمل میں یہ سب کچھ دیکھا جا سکتا ہے۔

(۲) اسلام کے اقتصادی نظام نے اس کو بھی "ظلم" قرار دیا ہے اور عمالِ حکومت کیلئے اس کو سخت جرم مقرر کیا ہے اور اجارۂ زمین پر بحث کرتے ہوئے باب الاجارہ میں اس قانونی دفعہ کو بنیادی دفعہ رکھا ہے کہ اجرتِ زمین (لگان) میں جس نقد یا جس شے معلوم کو طرفین کے درمیان جزءِ معاملہ بنایا گیا ہے، اس کے علاوہ کاشتکار سے مستاجر ہونے کی حیثیت سے کچھ وصول کرنا ناجائز ہے اور ابواب ورسوم کو معاملہ کا جزء یا شرط بنانا فاسد ہے اور ایسی شرائط ناقابلِ قبول ہیں۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ تحریر فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ولا یؤخذ منهم ما قد یسمونه رواجاً بالدراهم یودونها فی الخراج فانه بلغنی ان الرجل منهم یاتی بالدراهم لیودیها فی خراجه فیقتطع منها طائفة و یقال هذا رواجها وصرفها الخ[۱] | اور اہلِ خراج سے وہ رقم ہرگز نہ لی جائے جو خراج کی رقم کے علاوہ "رواج" کے نام سے لی جاتی ہے، مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جب کاشتکاروں میں سے کوئی خراج (لگان) کی رقم لاتا ہے تو عامل اس سے کچھ سکّے نکال کر کہتا ہے کہ یہ تو "رواج" اور "رسوم" کی رقم ہوئی (اور اصل خراج میں اسی قدر اور باقی ہے)۔ |

اور اجارۂ فاسدہ اور مزارعتِ فاسدہ کے مباحث میں کتبِ فقہ میں یہ قانونی دفعہ مذکور ہے۔

| | |
|---|---|
| لانها کالبیع تفسد بالشروط الفاسدة فکل ما افسد البیع افسدها الخ[۲] | اس لئے کہ اجارہ، بیع کی طرح کا معاملہ ہے جو فاسد شرطوں کے ساتھ فاسد ہو جاتا ہے پس جو شرط بیع کو فاسد بنا دیتی ہے وہی اجارہ کو بھی فاسد کر دیتی ہے۔ |

[۱] کتاب الخراج ص ۱۰۹۔ [۲] سعیدیات ابواب معاملات نصف ثانی ص ۱۵۴ و بحر الرائق ج ۷، ص ۲۲۹۔ باب الاجارۃ الفاسدہ و مبسوط ج ۲۳ باب المزارعہ۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| اوشرط فیہ شرط لا یقتضیہ | یا ایسی شرط اس میں رکھ دی جو عقد اجارہ کی مقتضیات |
| العقد۔ [1] | میں سے نہیں ہے وہ بھی موجب فساد ہے۔ |

امام ابو یوسفؒ ہارون الرشید کو خراج سے متعلق احکام بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض تحصیلدار یہ غضب کرتے ہیں کہ اپنے ماتحتوں کو جب وصولِ خراج کے لئے بھیجتے ہیں تو ان کی اجرت مقرر کر دیتے ہیں اور اس کو اہلِ خراج سے وصول کرتے ہیں اور بعض مرتبہ یہ رقم اصل لگان سے بھی بڑھ جاتی ہے، یہ سب ظلم اور سخت گناہ ہے۔ امیر المومنین کے لئے واجب ہے کہ اس قسم کے تمام امور کا قلع قمع کر دے۔ فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| بلغنی انہ ربما وظف لہ اکثرمما | مجھ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ اکثر اس (حوالہ دار) کا مطالبہ |
| یطالب بہ الرجل من الخراج | اجرت خراج کی اصل رقم سے بڑھ جاتا ہے اور جب یہ |
| فاذا اتاھم ذلک الموجہ الیہ | (حوالدار) کاشتکاروں میں پہنچتا ہے تو کہتا ہے کہ خراج |
| قال لہ اعطنی جعلی الذی | کے علاوہ یہ میری مزدوری اور میرا حق ہے پس اگر |
| جعلہ لی الوالی فان جعلی کذا | انھوں نے اس کا مطالبہ نہ دیا تو ان کو مارتا ہے اور |
| وکذا فان لم یعط ضربہ و | ظلم و جبر کرتا ہے غریب کاشتکاروں کی گائے بیل، |
| عسفہ وساق البقر والغنم | اور بکریوں کے ریوڑ اور جو بھی ہاتھ لگتا ہے ہنکا لاتا اور |
| ومن امکنہ من ضعفاء | قبضہ میں کر لیتا ہے اور یہ سب ظلم و جور سے اُن سے |
| المزارعین حتی یاخذ ذلک | وصول کرتا ہے تو واضح رہے کہ یہ اہل خراج (لگان) |
| منھم ظلما وعدوانا وھذا | کے لئے سخت مضرت کا باعث ہے اور نتیجہ ہیں |
| کلہ ضرعلی اھل الخراج و | حکومت کی آمدنی کو بھی گھٹاتا ہے اور سب سے |
| نقص للفئ مع ما فیہ اثم الخ [2] | بڑی بات یہ کہ خدا کے یہاں یہ بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ |

(۳) ایک طریقہ یہ بھی رائج تھا کہ حکومت، تعلقہ داروں، جاگیرداروں اور بڑے بڑے

[1] سعیدیات ابواب معاملات نصف ثانی ص ۱۵۴ و بحر الرائق ج ۷، ص ۳۲۹ باب الاجارۃ الفاسدہ و مبسوط ج ۲۳ باب مزارعہ

[2] کتاب الخراج ص

Marfat.com

زمینداروں سے بیگار لیتی تھی یعنی جو کام لیتی تھی اس کا معاوضہ نہیں دیتی تھی اور تعلقہ دار و زمیندار اپنی جان بچا کر کاشتکاروں کو سامنے کر دیتے تھے اور وہی ظلم کا شکار بنتے تھے اور اں پر بس نہیں کرتے بلکہ گھریلو زندگی کی ضروریات میں خود بھی ان سے بیگار لیتے تھے۔ چنانچہ بیگار کا یہ سسٹم شاہنشاہیت پسند حکومتوں میں اب بھی کسی نہ کسی صورت سے رائج ہے اور نہ صرف کاشتکار بلکہ غریب طبقہ عام طریقہ سے اس کا شکار نظر آتا ہے۔

(۳) اسلام نے اس ظالمانہ روش کو بھی مٹا ڈالا اور حکومت اور صاحبِ زمین کے لئے یہ حرام قرار دیا کہ وہ کسی کاشتکار یا مزدور سے بغیر مقررہ اجرت اور باہمی رضامندی کے مفت جبریہ کوئی خدمت لے۔ اور ایک مفلس، غریب اور معاشی مضطر کی رضامندی حقیقی معنی میں رضا، کب کہلائی جا سکتی ہے؟ اس کے متعلق اسلامی نظریہ شاہ ولی اللہؒ اور دیگر علماء کی نقول سے گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے۔

محلّی ابنِ حزم میں تصریح ہے کہ مزارعۃ میں کاشتکار سے زمینِ معلوم کی کاشت سے متعلق کاموں کے علاوہ اور کوئی خدمت لینا قطعًا ناجائز ہے۔ مثلاً مکان بنوانا، یا مکان کی تعمیر کرانا یا مکان کی صفائی کرانا یا مرمت کرانا، یا باغ کی دیوار بنوانا یا اسی قسم کے اور کام لینا وغیرہ اور اس قسم کے امور کو شرائطِ مزرعۃ میں داخل کرنا معاملۂ مزارعۃ کو فاسد کرتا ہے اس لئے کہ عامل (کاشتکار) کے ذمہ صرف وہی امور ہیں جو اجرت پر لی ہوئی زمین کی کاشت سے متعلق ہیں۔

| | |
|---|---|
| لان السنۃ انما وردت بان | اس لئے کہ سنتِ نبوی سے صرف یہ نکلتا ہے کہ |
| الشرط علیھم ان یعتملوھا | کاشتکار کے ذمہ ایک ہی شرط ہے کہ وہ اجارہ پر |
| باموالھم و بانفسھم فقط[۱] | لی ہوئی زمین کو مال اور محنت کے ذریعہ بوئے اور |
| | جوتے (تاکہ پیداوار حاصل ہو) |

اس خاص قانونی دفعہ کے علاوہ اسلام نے اس سلسلہ میں کہ "بیگار" بدترین ظلم ہے، ایک

[۱] ج ۸ ص ۲۳۲۔ و بحر الرائق ج ۔ ص ۲۳۰ و ۲۳۹ ۔

Marfat.com

بنیادی اعلان بھی کیا ہے تاکہ نہ صرف کاشتکاروں سے بلکہ کسی بھی آدمی سے بہ جبر بلا معاوضہ یا اس کی محنت سے کم دیکر کام لینے کا کلیتہً انسداد ہو جائے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

| | |
|---|---|
| قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ ثلثۃ انا خصمھم یوم القیمۃ رجلٌ اعطیٰ بی ثم غدر ورجل باع حُرًا فاکل ثمنہ ورجل استاجر اجیرًا فاستوفی منہ ولم یعطہ اجرہ۔ ؎ | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تین قسم کے آدمی ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑا کروں گا، ایک وہ شخص کہ جس نے مجھ کو اپنا عہد دیا اور پھر غداری کی اور ایک وہ شخص کہ جس نے آزاد کو غلام بنا کر فروخت کیا اور اس کا ثمن کھایا اور ایک وہ انسان جس نے کسی شخص سے اجرت پر کام لیا اور کام پورا کرا لیا مگر اس کی واجبی اجرت نہ دی۔ |

حافظ ابنِ حجر عسقلانی اور شیخ بدر الدین عینی جیسے جلیل القدر محدثین اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے "رجل استاجر الحدیث" کے متعلق فرماتے ہیں کہ کسی شخص سے کام لیکر اس کی اجرت نہ دینا اس قدر شدید گناہ اس لئے ہے کہ وہ اپنے طرزِ عمل سے گویا یہ ثابت کرتا ہے کہ اس نے ایک آزاد شخص کو غلام بنا لیا۔ اور آزاد کو غلام بنانا جس قدر شدید گناہ ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ھو فی معنی من باع حرا واکل ثمنہ لانہ استوفی منفعتہ بغیر عوض وکانہ اکلھا ولانہ استخدمہ بغیر اجرۃ وکانہ استعبدہ ؎ | کسی سے خدمت اور کام لیکر اس کی واجبی اجرت نہ دینا اس معنی میں ہے کہ کسی آزاد شخص کو فروخت کر کے اس سے معیشت پیدا کرنا اس لئے کہ جب اس نے بغیر عوض کے اپنی منفعت کو پورا کر لیا تو گویا اس شخص کی ذات کو فروخت کر کے اس کو روزی بنا لیا اور اس لئے کہ بغیر اجرت دیئے خدمت لے لینا گویا اس کو اپنا غلام بھی بنا لینا ہے |

؎ بخاری باب الاجارہ۔ فتح الباری ج ۴ ص ۳۳۱

| | |
|---|---|
| واما الثالث فهو داخل | لیکن حدیث کے تیسرے جملہ کی شرح یہ ہے کہ وہ اسی |
| فی بیع حر لانہ استخدمہ | قسم میں داخل ہے کہ جس میں آزاد شخص کو فروخت |
| بغیر عوض وھذا عین | کرنے کی حرمت کا ذکر ہے اس لئے بغیر معاوضہ ادا |
| الظلم الخ ؎ | کئے کسی شخص سے خدمت لینا سراسر ظلم ہے۔ |

اسی طرح یہ فرمانِ رسالت ہے۔

| | |
|---|---|
| قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مزدور |
| اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان | کی اجرت اس کے پسینہ خشک ہونے پہلے ادا کرو۔ |
| یجف عرقہ۔ ؎ | |

اب ان حوالجات سے آپ یہ بھی اندازہ لگائیے کہ اسلام کا معاشی نظام سرمایہ اور محنت کے درمیان توازن قائم رکھنے میں کس درجہ دقتِ نظر سے کام لیتا ہے؟

(۳) ایران اور روم کی حکومتوں میں ایک یہ بھی طریقہ رائج تھا کہ اپنے تہواروں میں شادی اور غمی کی رسوم میں، اور مکان کو خام سے پختہ بنانے وغیرہ امور میں، کاشتکاروں سے بھینٹ لیتے تھے اور اکثر بھینٹ کا یہ تاوان لگان کے مساوی یا اس سے بھی زیادہ ہو جاتا تھا۔ مگر اپنی معاشی مجبوریوں کی وجہ سے وہ اس ظلم کو بہر حال برداشت کرتے تھے یا بہ جبر ان کو برداشت کرایا جاتا تھا، اس زمانہ میں بھی اگر اس کا صحیح اندازہ لگانا ہو تو تعلقہ داروں، جاگیرداروں اور بڑے بڑے زمینداروں میں شادی کے وقت "شادیانہ" ہاتھی اور موٹر کی خرید کے وقت "ہاتھیانہ" اور "موٹرانہ" اور تہواروں میں تہوار کی بھینٹ کے نام سے اب بھی یہ مظالم علی رؤس الاشہاد نظر آئیں گے۔

(۴) اسلام کے معاشی نظام کی وہ دفعات پڑھ لینے کے بعد جو زمین کی کاشت سے متعلق "اجارہ اور مزارعۃ کے احکام" نمبر ۳ میں نقل کئے گئے ہیں خود یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلام اس قسم کے ظالمانہ رسم و رواج کو جائز نہیں سمجھتا اور ظلم تصور کرتا ہے۔ نیز اس کے ظلم ہونے کی

؎ عمدۃ القاری ج ۵ ص ۱۵۹۔ ؎ ابن ماجہ باب الاجارہ

Marfat.com

ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ کاشتکاروں سے اس قسم کی مالی بھینٹ بغیر کسی معاوضہ اور بدل کے لی جاتی ہے یعنی اس کے مقابلہ میں کاشتکار کو لگان میں سے اسی قدر کمی یا معافی نہیں دی جاتی یا اضافہ لگان کے بغیر زمین میں . . . اضافہ نہیں کیا جاتا اور اسلامی قانون اس قسم کے معاملہ کو "جبر" قرار دیتا اور حرام بتاتا ہے اور کاشتکار کی مجبورانہ رضامندی کو رضاءِ حقیقی نہ سمجھتے ہوئے اس کو "ربوا" اور "سود" کی طرح کا معاملہ یقین کرتا ہے۔ چنانچہ کتب فقہ میں "معاملات کی بحث میں" جانبین سے رضا و رغبت اور بدل و عوض دونوں کو ضروری اور معاملے کے جواز کا مدار ٹھیرایا گیا ہے۔

اسی لئے امام ابو یوسفؒ نے ہارون الرشید کو ذمی کاشتکاروں سے وصولِ خراج (لگان) سے متعلق احکام بتاتے ہوئے یہ تصریح فرمائی ہے۔

| | |
|---|---|
| وآمرك ان لا تاخذ فی الخراج | ہارون! اور میں تجھ کو یہ حکم دیتا ہوں کہ تو خرج میں |
| الا وزن سبعة ليس فيها تبر | وزن سبعہ (درہم و دینار کی ایک خاص قسم جو عام |
| ولا اجور الضرابين ولا اذابة | طور پر رائج تھی) کے علاوہ نہ لینا کہ اس وزن میں خالص |
| الفضة ولا هدية النيروز و | سونے کے تبر داخل نہیں ہیں اور سکہ ڈھالنے والوں |
| المهرجان ولا ثمن الصحف | کی اجرت بھی نہ لینا اور نہ چاندی پگھلانے کی اجرت |
| ولا اجور الفتوح ولا اجور | لینا اور نہ نوروز اور مہرجان کے ہدایا (بھینٹ) لینا |
| البيوت ولا دراهم | اور نہ رسید کی لکھائی کی اجرت اور نہ نہر کے پانی کی |
| النكاح الخ | اجرت اور نہ مکانوں کی اجرت (ہاؤس ٹیکس) اور نہ |
| [1] | نکاح کا ٹیکس لینا۔ [2] |
| ولا يوخذ اهل الخراج برزق | اور اہلِ خراج سے نہ تحصیلدار کی تنخواہ مجرا کی جائے |
| عامل ولا اجر مدى ولا احتفاف | اور نہ تولنے یا ناپنے کی اجرت لی جائے اور نہ "کٹائی" |

[1] کتاب الخراج ص ۸۶۔ [2] ابو عبید کہتے ہیں کہ "دراہم النکاح" سے وہ ٹیکس مراد ہے جو دیہات میں پیشہ ور عورتوں پر غیر اسلامی حکومتوں میں لگایا جاتا تھا۔

Marfat.com

ولا نزلة ولا حمولة لطعام السلطان — کی اور نہ خلیفہ کے لئے رسد اور مہمان نوازی کے سلسلہ
ولا يدعى عليهم بنقيصة — میں کوئی بار ڈالا جائے اور نہ یہ بہانہ بنا کر اور الزام
فتوخذ منهم ولا يوخذ منهم ثمن — لگا کر کہ انھوں نے پیداوار میں سے چرا لیا ہے ان سے
صحف ولا قراطيس ولا اجور — مزید لیا جائے اور نہ رسید اور رجسٹر کی اجرت لی جائے
الفتوح ولا اجور الكيالين ولا — اور نہ نہروں کے پانی کی اور نہ تولنے والوں کی اور نہ
مؤنة لاحد عليهم في شي من — اس قسم کا کوئی اور بوجھ ان پر ڈالا جائے اور بٹائی کے
ذلك ولا قسمة ولا نائبة — اس حصہ کے علاوہ جو ہم نے بیان کر دیا ہے نہ
سوى الذى وصفنا من — کسی اور قسم کا حصہ لیا جائے اور نہ حادثہ کا تاوان
المقاسمة الخ [1] — ان پر ڈالا جائے۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی نے گورنر کوفہ عبدالحمید کو اس سلسلہ میں جو فرمان بھیجا تھا اس میں بھی یہی احکام درج تھے جو کتاب الخراج سے نقل کئے گئے ہیں [2]

اور امام ابو یوسفؒ نے اہل خراج پر عاملوں کی بے عنوانیوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی تنبیہ کی تھی کہ رشوت اور بھینٹ کی ظالمانہ رسوم کا کلیتہً انسداد ہونا چاہیے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

انما مذهبهم اخذ شئ من الخراج — ان عاملوں کا تو یہ مذہب ہے کہ بہرحال لینا چاہئے
كان او من اموال الرعية ثم انهم — خواہ وہ مقررہ خراج ہو یا رعیت کا ذاتی مال و متاع
ياخذون ذلك فيما يبلغني — اور مجھے جہاں تک معلوم ہوا ہے یہ ہے کہ یہ ظلم و جبر
بالعسف والظلم والتعدى ثم — اور سختی کرتے ہیں اور لکیر چھوڑتے ہیں، پھر حاکم اور
لايزال الوالى ومن معه قد نزل — اس کے کارندے اگر کسی گاؤں میں جاتے ہیں تو حق
بقرية ياخذ اهلها من نزله بما — مہمانی کے نام سے وصول کرتے ہیں جتنی کسان کی مقدرت
لايقدرون عليه ولا يجب عليهم — سے بھی زیادہ سے لیتے ہیں اور جو حق ان کے ذمہ نہیں
حتى يكلفوا ذلك [3] — ہے اس کو ظلماً حق بنا کر لیتے ہیں۔

[1] کتاب الخراج ص ۱۹ا [2] کتاب الاموال ص ۴۳ و ۴۴۔ [3] کتاب الخراج ص ۱۰۷۔

Marfat.com

**ایک مغالطہ** اس سلسلہ میں عموماً یہ کہا جاتا رہا ہے کہ "بیگار" اور "بھینٹ" کے اس رسم و رواج کا تعلق ایک کاشتکار کی کاشتکاری سے مطلق نہیں ہے بلکہ یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ زمیندار یا تعلقہ دار نے ان کے رہنے کے لئے مفت جگہ عطا کی ہے اور وہ رعایا کی طرح ان کے علاقہ میں آباد ہو گئے ہیں اور ان پر اجرتِ مکان کی جگہ اس قسم کے حقوق عائد کر دیئے گئے ہیں اور کاشتکاروں نے رعایا کی حیثیت میں برضا و رغبت ان حقوق کو منظور کر لیا ہے۔

سو یہ سخت مغالطہ یا فریب ہے اس لئے کہ "اسلام کے قانونِ معاملات" میں اس قسم کا مجہول معاملہ جائز ہی نہیں رکھا گیا اور ظلم اور مناقشہ کی راہ پیدا ہونے کے امکانات کی وجہ سے اس نے ایسے معاملات کو ناجائز کہا ہے اسلام کا قانون اس بارہ میں یہ ہے کہ جس طرح کاشت کے لئے زمین اجرت پر دی جا سکتی ہے۔ اسی طرح رہنے سہنے یا اور کسی ضرورت کے لئے بھی اجرت پر دی جا سکتی ہے اور دیگر معاملات کی طرح اس میں بھی جگہ کا تعین اور اس کی اجرت کا تعین ابتداءِ عقد ہی میں ضروری ہے کیونکہ یہ بھی اجارہ ہی کی ایک قسم ہے، اور اگر زمیندار اپنے مفاد کے "یعنی کاشت کی افزونی کے" پیشِ نظر یا کاشتکار کی آسانی اور راحت کی خاطر بغیر اجرت کے کاشتکار کو بساتا اور رہنے کے لئے زمین دیتا ہے تو یہ اس کا تبرع اور حسنِ سلوک شمار ہوگا اور اس صورت میں کاشتکار کے ذمہ نہ کوئی معاوضہ عائد ہوتا ہے اور نہ مبینہ حقوق ہی اس پر قائم کئے جا سکتے ہیں چہ جائیکہ وہ صاحبِ زمین کی محکوم رعایا یا غلام متصور ہو۔

البتہ زمیندار اور کاشتکار کے درمیان اجارہ اور مزارعۃ سے پیدا شدہ تعلقات کی بنا پر تہواروں میں ہدایا کا لین دین مسطورہ بالا "بھینٹ" کی مذموم رسم سے الگ باہمی تعاون کے استحکام کے لئے مفید طریقہ ہے بشرطیکہ رسم و رواج کی پابندی سے جدا محض رضا و رغبت کے ساتھ عمل میں آئے اور اس قسم کے ہدایا کے قبول و عدمِ قبول کی تفصیلات کتبِ فقہ میں قابلِ مراجعت ہیں۔

Marfat.com

(۵) اسلام سے قبل ایک طریقہ یہ بھی رائج تھا کہ کاشتکار جب اپنی ضرورت کے لئے زمین نقد لگان پر لیتا تھا تو مالکِ زمین اس سے اس قسم کی شرطیں لگاتے تھے جس سے زمین کی حیثیت مستقل طور پر بڑھ جائے اور جو کام یا ذمہ داری خود اپنے ذمہ عائد ہے وہ اس حیلہ سے کاشتکار پر عائد ہو کر مستقل مزید نفع حاصل ہو جائے۔

(۵) اسلام کے معاشی نظام میں اس قسم کے اجارہ کو اجارۂ فاسدہ میں شمار کیا گیا ہے اور اسلام کے معاشی نظام میں اس کے جواز کی گنجائش نہیں ہے۔ اگرچہ اس قسم کی جزئیات قانونِ اسلامی (فقہ) میں بہت کافی ملیں گی۔ لیکن نمونہ کے طور پر حسب ذیل جزئی کا ذکر کر دینا کافی ہے بحر الرائق میں ہے۔

| | |
|---|---|
| فعلم بھذا ان مایقع فی | اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ جو ہمارے زمانہ میں |
| زماننا من اجارۃ ارض | دستور ہو گیا ہے کہ موقوفہ زمین کو ایک معین اجرت (لگان) |
| الوقف باجرۃ معلومۃ علی | پر اس شرط کے ساتھ دیتے ہیں کہ زمین پر جس قدر بھی تاوان |
| ان المغارم وکلفۃ | پڑیں گے اور بیہودہ کاشت کے مقصد سے جدا زمین کی |
| الکاشف علی المستاجر | اصلاح کے لئے جو بھی محنت و مشقت پڑیگی اور زمین میں |
| او علی ان الجرف علی | نہر کی کھدائی کی ذمہ داری کاشتکار پر ہوگی یہ دستور |
| المستاجر فاسد الخ [1] | ناجائز اور فاسد اجارات میں سے ہے۔ |

پس اگر وقف کی زمین کا یہ حکم ہے تو زمیندار کی شخصی زمین کے لئے یہ حکم بدرجۂ اولیٰ نافذ العمل ہوگا۔ اس لئے کہ اس صورت میں متعاقدین (زمیندار اور کاشتکار) میں سے مالکِ زمین کاشتکار پر عقد کے خلاف ذمہ داری ڈالتا ہے جو صراحۃً ظلم ہے۔

(۶) کاشتکار اور اہلِ خراج پر گذشتہ تمام مظالم سے زیادہ سخت ظلم یہ ہوتا تھا کہ اگر پیداوار کی کمی کی وجہ سے یا قدرتی آفات کے نزول کے سبب سے یا کسی اور معقول عذر کی وجہ سے وہ

---

[1] بحر الرائق ج ۷، ص ۳۳۹ وشامی ج ۵ ص ۳۸۔

مقررہ لگان ادا نہیں کر سکتے تھے تو حکومت یا زمیندار زراعت کا سامان ہل، بیل، گاڑی، اور ضروریاتِ زندگی، کو نیلام کرا لیتے اور ان کو فروخت کر کے اپنا لگان وصول کر لیا کرتے تھے، نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ کاشتکار آئندہ کے لئے بھی اس قابل نہیں رہتا تھا کہ وہ محنت کر کے دوسری فصل میں روزی پیدا کر سکے اور اس کے لئے زندگی ایک مستقل عذاب بن جاتی تھی اور آفات سے پیدا شدہ نقصان کی وجہ سے لگان کی کمی یا معافی کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

(۶) اسلام کے معاشی نظام میں اس کو بھی "ظلم" قرار دیا گیا ہے اور مطالبہ لگان واجب ہونے کے باوجود وصولِ لگان کے سلسلہ میں آلاتِ زراعت کے نیلام کی اجازت نہیں دی گئی اس لئے کہ ایسا کرنا اس کو معاشی زندگی کے ذرائع سے محروم کرنے کے مرادف ہے جو کسی طرح جائز نہیں۔ چنانچہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے ایک مرتبہ شام کے ایک مشہور مقام عکبرا کے عامل کو اہلِ خراج کے سامنے نہایت سختی کے ساتھ یہ حکم دیا کہ تم کو ان سے خراج کا ایک ایک حبہ وصول کرنا چاہئے اور پھر فرمایا کہ مجھ سے دوپہر کو ملاقات کر لینا۔ جب عامل حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا۔

| | |
|---|---|
| انظر اذا قدمت علیہم فلا تبیعن | دیکھو جب تم ان کے یہاں پہنچو تو خراج (لگان) |
| لھم کسوۃ شتاء ولا صیف ولا رزقا | میں نہ تو ان کے سردی اور گرمی کے لباس کو فروخت |
| یاکلونہ ولا دابۃ یعملون علیہا | کرنا اور نہ ان کے روزانہ کھانے کی اشیاء کو اور نہ |
| ولا تضربن احدا منہم سوطا واحدا | ان جانوروں کو جن سے وہ کاشت کرتے ہیں اور |
| فی درھم ولا تقمہ علی رجلہ فی | نہ ان کو ایک کوڑا تک مارنا اور نہ ایک پیر پر کھڑا ہونے کی |
| طلب درھم ولا تبع لاحد منہم عرضا | سزا دینا اور نہ خانہ داری کے ضروری سامان میں سے |
| فی شئ من الخراج الخ[1] | کوئی شے خراج میں فروخت کرنا۔ |

یعنی ان کو اس قدر مہلت دو کہ وہ حالات کی درستی کے بعد بآسانی ادا کر سکیں اور اگر ان کے آلاتِ کاشت کو یا روزمرہ کی ضروریاتِ زندگی کو "خراج" میں لے لیا گیا تو پھر نہ صرف یہ کہ انکی زندگی

[1] کتاب الخراج ص ۱۶۔

Marfat.com

برباد ہوجائیگی بلکہ ساتھ ہی حکومت کے لگان اور مالگذاری کی آمدنی میں بھی کمی ہوتی چلی جائیگی۔

پس جو معاشی نظام ان ذمی کاشتکاروں کے لئے "جو کہ کاشتکار ہونے کے علاوہ حکومتِ اسلامی کی رعایا بھی ہیں" مسطورہ بالا مظالم کا سدباب کرتا اور ان کی بجائے بہتر سے بہتر حسنِ سلوک کا حکم دیتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ نظام ان کاشتکاروں کے حق میں کب ایسے مظالم کو برداشت کرسکتا ہے جو حکومت یا زمیندار کے ساتھ یا تو اجارہ کا معاملہ رکھتے ہیں اور یا مزارعۃ کا یعنی وہ اور زمیندار باہمی تعاون کے محتاج ہوکر معاملہ میں ایک دوسرے کے مساویانہ طور پر شریک ہیں۔ اور اس لئے بلاشبہ وہ مسطورہ بالا حسنِ سلوک کے زیادہ سے زیادہ مستحق ہیں۔

(۷) دورِ اسلام سے قبل، اور دورِ حاضر دونوں میں یہ دستور رہا ہے کہ حکومت، زمینداروں کو اجازت دیدیتی ہے کہ سرکاری افتادہ مگر شاداب و سبزہ زار زمینوں کو معمولی ٹیکس کے ذریعہ یا مفت "حمیٰ" چراگاہیں بنالیں اور ان کی حدود بندی کرکے ان کے درختوں اور گھانس وغیرہ سے عظیم الشان فائدے حاصل کریں، اور چوپاؤں کی افزائشِ نسل کرکے اپنی دولت میں اضافہ کرتے رہیں، اس کو عربی میں حمیٰ اور اردو میں "رکھا" کہتے ہیں۔

اس سے عموماً عوام اور غریب کاشتکاروں کے لئے ایک مصیبت نازل ہوجاتی ہے اور وہ اپنے مویشیوں کے لئے چارہ سے محروم ہوکر سخت دقتیں برداشت کرتے ہیں۔

(۷) اسلام نے اس ظالمانہ طریقہ کو روک دیا اور ایسا کرنے کی سخت ممانعت کردی۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم لا حمی الا للہ ورسولہ۔ (بخاری کتاب المزارعۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "حمی" یعنی مویشیوں کے لئے چراگاہ کی حدبندی اللہ اور اس کے رسول ؐ کے علاوہ کسی کے لئے روا نہیں ہے۔

یعنی یہ حق صرف خلافت "حکومت" کا ہے کہ جہاد اور صدقات کے مویشیوں کے لئے چراگاہ محدود کردے، اس کے علاوہ کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا۔

اس کی شرح میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ فرماتے ہیں۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| اقول لما کان الحمی تضییقا | میں کہتا ہوں جبکہ حمی کا دستور لوگوں کی ضروریات میں |
| علی الناس وظلما علیھم و | دشواری کا باعث اور ان کے مفادِ عامہ پر ظلم تھا اور باعث |
| اضرارا نھی عنہ [1] | نقصان تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناجائز فرمادیا۔" |

اور حضرت عمر بن الخطابؓ نے تو یہ بھی اعلان کر دیا کہ اگر بارش کی کمی یا کسی اور وجہ سے خودرو گھانس کی کمی ہو اور افرادِ ملک کے مویشی چارہ سے محروم ہوجائیں تب سرکاری "حمی" (رکھنا) بھی پبلک مفاد کے لئے عام کر دیا جائے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں -

| | |
|---|---|
| عن اسلم قال رأیت عمر بن الخطاب | زید بن اسلمؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے |
| رضی اللہ تعالی عنہ استعمل | تھے میں حضرت عمرؓ کے پاس اس وقت موجود تھا |
| مولی لہ علی الحمی فقال لہ ویحك | جب انھوں نے اپنے آزاد شدہ غلام "ہنی" کو سرکاری |
| یا ھنی اضمم جناحك عن الناس | چراگاہ پر نگراں بنایا تو فرمانے لگے اے ہنی! خبردار |
| واتق دعوۃ المظلوم فان دعوتہ | اپنے بازؤں کو لوگوں سے سمیٹے رکھ اور مظلوم کی بددعا |
| مجابۃ ادخل لی رب الصریمۃ | سے پرہیز کر اس لئے کہ وہ خدا کے یہاں مقبول ہے |
| ورب الغنیمۃ ودعنی | تو میری اس قائم کردہ چراگاہ میں بکریوں اور دیگر |
| من نعم عثمان بن عفان | چوپایوں کے ریوڑ والوں کو اجازت دے کہ وہ چراگاہ |
| وبن عوف فان ابن عفان | میں چرا سکیں۔ اور عثمان بن عفان اور ابنِ عوف |
| وابن عوف ان ھلکت ما | کے چوپایوں کی پرواہ نہ کر اس لئے کہ اگر ان کے چوپائے |
| شیتھما رجعا الی المدینۃ | ہلاک بھی ہوجائیں تو وہ مدینہ میں اپنے کھجوروں کے باغ |
| الی نخل وزرع وان ھذا | اور زمین کی کاشت سے فائدہ اٹھا سکیں گے اور اگر |
| المسکین ان ھلکت ماشیتہ | ان چرواہوں کے چوپائے مرگئے تو یہ مسکین چیختے پکارتے |
| جاء نی یصیح یا امیر المومنین | آئیں گے اور امیر المومنین! امیر المومنین کہہ کہہ کر |

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۰۴ -

Marfat.com

| | |
|---|---|
| یا امیر المؤمنین والماء | امداد طلب کریں گے اس لئے بیت المال کی رقم پر |
| والکلاء اھون علی من | بوجھ ڈالنے سے میرے لئے یہ زیادہ |
| ان اغرم لہ۔ | آسان ہے کہ ان کو چراہ کے گھاس پانی سے فائدہ |
| لہ | اٹھانے کی اجازت رہے۔ |

(۸) ایک یہ بھی دستور تھا کہ زمیندار، خودرو گھاس، تالاب، اور کھیتوں کا پانی، اور خودرو درختوں کی خشک لکڑی پر بھی بلا شرکت غیرے قابض رہتے تھے اور اپنی زمین کی ملکیت کے دعوی سے دوسروں کو اس سے تمتع نہیں اٹھانے دیتے تھے، یہ بھی عوام اور غرباء کے ایسے مفاد میں ظالمانہ دستبرد تھی جس کو خدائے تعالیٰ کی سخا، عام نے بغیر محنت ان کو بخشا تھا۔

(۸) اسلام نے اس قبضہ کی بھی مخالفت کی اور ان چارہ ہائے مویشی کے علاوہ جن کو غلہ کی طرح بیج ڈال کر اور محنت کر کے بویا جاتا ہے" اپنے مقام روئیدگی میں ان سب کا مفاد عام کر دیا اور کسی کو ان کی ذاتی ملکیت کا حق نہیں بخشا۔ الا اس قدر کہ محنت سے حاصل کر کے اس کو اپنی ملکیت میں لے آئے جیسا کہ گھسیارہ کا گھاس کاٹ کر اپنی ملکیت میں کر لینا، یا سقہ کا اپنی مشک میں بھر کر پانی کا مالک ہو جانا۔

| | |
|---|---|
| عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ | حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم |
| عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم | سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ضرورت |
| قال لا تمنعوا فضل الماء | سے بچے ہوئے پانی سے لوگوں کو اس لئے نہ روک |
| لتمنعوا بہ فضل الکلاء۔ | دیا کرو کہ اس بہانہ سے تم کو فاضل گھاس سے روکنے |
| (مسلم) | کا موقعہ مل جائے۔ |
| ولابی داؤد والمسلمون شرکاء فی | اور ابو داؤد میں ہے کہ تمام مسلمان پانی، گھاس |
| ثلاث فی الماء والکلاء والنار۔ | اور سوختہ میں برابر کے شریک ہیں۔ |

لہ کتاب الخراج ص ۱۰۵۔

Marfat.com

اور صحاح کی بعض روایات میں نمک کا اضافہ ہے اور بعض روایات میں ایسا کرنے والے پر قیامت میں خدا کے غضب نازل ہونے کی وعید آئی ہے۔

قال ابو عبید وھو عندی فی الارض التی لھا ربٌّ ومالك ویکون فیھا الماء العِدّ الذی وصفناہ والکلاء الذی تنبتہ الارض من غیر ان یتکلف لھا ربھا الذلك غرسا ولا بذرا [1]

ابو عبید کہتے ہیں یہ حکم میرے نزدیک اس زمین کے بارہ میں ہے جو کسی شخص کی ملوکہ ہو اور اس میں بیان کردہ جاری چشمہ کی طرح کا پانی ہو یا بغیر بیج ڈالے اور کھیتی کئے خودرو گھاس اُگی ہوئی ہو۔

ومن السحت ما یوخذ علی کل مباح کملح وکلاء وماء ومعادن الخ [2]

اور وہ ٹیکس ظلم ہے جو نمک، گھاس، پانی اور ظاہری کانوں پر لیا جائے۔

قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی: ولوان اھل قریۃ لھم مروج یرعون فیھا ویحتطبون منھا قد عرف انھا لھم فھی لھم علی حالھا یتبایعونھا و یتوارثونھا ویحدثون فیھا مایحدث الرجل فی ملکہٖ ولیس لھم ان یمنعوا الکلاء ولا الماء، ولا صحاب المواشی ان یرعوا فی تلك المروج ویستقوا من

ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں! اور اگر کسی اہلِ بستی کے متعلق یہ معلوم ہے کہ ان کی چراگاہیں" کہ جس میں وہ اپنے مویشیوں کو چراتے اور اس سے سوختہ حاصل کرتے ہیں" ان کی ذاتی ملک ہیں تو وہ ذاتی ملک ہی رہیں گی اور ان کو اس کے فروخت کرنے خریدنے اور ترمیم و تنسیخ کرنے کا حق ہے اور اس میں اُن کی وراثت بھی جاری رہے گی لیکن ان تمام باتوں کے باجود ان کو یہ حق ہرگز نہیں ہے کہ وہ چراگاہ کی خودرو گھاس اور اس کے پانی سے دوسروں کو روکیں اور چرواہوں اور مویشیوں والوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بغیر روک ٹوک ان چراگاہوں میں چرائیں اور

---

[1] الاموال لابی عبید ص ۳۰۰۔ [2] درمختار علیٰ حاشیہ ردالمحتار ج ۵ ص ۳۷۴۔

تلك المياہ تھ ۱؎ ان کا پانی نہیں پلائیں؟

یعنی اگر چراگاہیں حکومت کی ذاتی ملک اور افتادہ زمینوں کی قدرتی چراگاہیں بھی ہوں اور زمینداروں کی ذاتی ملک بھی ہوں تب بھی ان کو خودرو گھاس اور پانی سے دوسروں کو فائدہ اٹھانے سے روکنے کا حق نہیں ہے کیونکہ ان دونوں چیزوں میں تمام افراد برابر ہیں۔

مسطورہ بالا مظالم کا انسداد اور ان کی جگہ عادلانہ اصلاحات وانقلابات کے علاوہ اس سلسلہ میں چند اور مراعات بھی ہیں جو اس لئے متاجر اور کاشتکار کے حق میں تسلیم کی گئی ہیں کہ معاملہ زیرِ بحث میں باہمی تعاون اور شرکتِ منافع کا جو مقصد ہے وہ فوت نہ ہونے پائے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی تعمیل ہو سکے "جو باہمی معاملات کے لئے ایک بیش بہا اصول ہے"۔

| | |
|---|---|
| عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاضرر ولاضرار (مسند احمد) | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تمام معاملات زندگی میں یہ پیشِ نظر رہنا چاہیے) کہ نہ نقصان اٹھانا ہے اور نہ نقصان پہنچانا ہے۔ |

ارشادِ مبارک کا مطلب یہ ہے کہ صرف لین دین کے معاملات ہی میں نہیں بلکہ زندگی کے ہر اس شعبہ میں کہ جو باہمی تعاون اور اشتراکِ عمل کا محتاج ہے یہ گرانقدر اصول پیش نظر رہنا چاہیے کہ نہ مجھکو نقصان اٹھانا چاہیئے اور نہ کسی کو نقصان پہنچانا چاہیئے اور جو کچھ بھی ہو عدل و مساوات اور اخوۃ و مواساۃ کے نقطۂ نظر سے ہونا چاہیئے، لہٰذا اسلام کے معاشی نظام میں بھی اس اصول کو بنیاد کار بناتے ہوئے حسب ذیل دفعات کا اعلان کیا گیا ہے۔

(۱) اگر کوئی زمین، پانی میں غرق ہو جانے یا خشک سالی پیش آجانے کی وجہ سے قابلِ زراعت نہ رہے یا کسی آفت سے کھیتی تباہ ہو جائے تو اس سال کا خراج (مالگذاری) معاف ہے اور اگر آفت سے نقصان پہنچ گیا ہے تو بقدر نقصان معافی ہوگی اور خراج کی اس معافی میں

۱؎ کتاب الخراج ص ۱۰۲ وشامی ج ۵ کتاب احیاء الموات ص ۳۸۸۔

خراجِ موظف (نقدی لگان) اور خراج مقاسمہ (بٹائی) دونوں کا یکساں حکم ہے۔

ولا خراج ان غلب علی　　اور اگر کاشتکار کی زمین کو پانی کے سیلاب نے غرق کر دیا، یا
ارضہ الماء او انقطع او　　پانی سے محرومی نے زمین کو ناقابلِ کاشت بنا دیا یا کھیتی کو
اصاب الزرع آفۃ الخ　　کسی آفت نے برباد کر دیا تو ان سب صورتوں میں زمین کا
۱؎　　خراج (مالگذاری) معاف ہے۔

اور اگر کھیتی کو ضرر نقصان پہنچا ہے تو بقدرِ نقصان معاف ہوگا اور خلیفہ کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ ارضِ حکومت کے مزارعین کو حسبِ صوابدید کل خراج (مالگذاری) بھی معاف کر سکتا ہے۔ ۲؎

(۲) اگر کاشتکار نے حکومت یا زمیندار سے زمین کو اجارہ پر "بٹائی" (مزارعۃ) سے لیا ہے تو اس صورت میں بھی ان تینوں حالتوں میں مالگذاری اور لگان قطعاً معاف ہیں اور اگر کھیتی کو صرف نقصان پہنچا ہے تو بقدرِ نقصان معاف ہوگا اور موجودہ پیداوار ہی کی بٹائی کی جا سکے گی

(۳) اور اگر زمین کو نقد لگان (کرار الارض) پر لیا ہے تو اکثر فقہاءِ اسلام کے نزدیک اس صورت میں بھی تینوں حالتوں میں لگان یا مالگذاری معاف ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک زمین کے غرقِ آب ہو جانے اور پانی سے محروم ہو کر ناقابلِ کاشت ہو جانے پر تو معاف ہے لیکن کھیتی پر آفت آ جانے سے امام ابوحنیفہؒ کے فقہ میں حسبِ ذیل تفصیلات ہیں۔

رجل استاجر ارضا لیزرعها فزرعها　　کاشتکار نے اگر زمین کو کاشت کے لئے نقد لگان پر لیا
فاصاب الزرع آفۃ فهلك او　　اور اس کو بو لیا جوت لیا کھیتی کر لی پھر کھیتی کو آفت
غرق ولم ینبت کان علیہ الاجر　　نے آگھیرا اور وہ برباد ہو گئی یا پانی میں غرق ہو گئی، اور
ولو غرقت الارض قبل ان　　پیداوار نہ ہوئی تو لگان اس کے ذمہ واجب رہا اور اگر
یزرعها فلا اجر علیها وکذا　　زمین کھیتی سے پہلے ہی غرقِ آب ہو گئی تو لگان معاف
لو غصبها رجل فزرعها　　ہو جائے گا اور اسی طرح اگر کھیتی سے قبل کسی غاصب نے

۱؎ کنز مع شرح بحر الرائق ج ۵ باب الخراج ص ۱۱۷۔ ۲؎ کتاب الخراج ص ۸۶

Marfat.com

| | |
|---|---|
| الغاصب لا اجر علی المستاجر د | زبردستی زمین پر قبضہ کرکے اس کو کاشت کرلیا تو کاشتکا |
| ذکر الشیخ الامام المعروف | کے ذمہ لگان واجب نہیں ہوگا اور شیخ، امام مشہور |
| بخواہر زادہ انہ اذا استاجر ارضا | بہ خواہر زادہ فرماتے ہیں کہ اگر کاشتکار نے کھیتی کرلی اور بعد |
| للزراعة فزرع فاصطلم آفة | میں زراعت کسی آفت سے برباد ہوگئی تو اس صورت |
| کان علیہ اجر مامضی وسقط | میں بھی پورا لگان واجب نہیں ہوگا بلکہ جس عرصہ تک |
| علیہ اجر مابقی من المدة | کاشت موجود رہی اس مدت کا لگان واجب ہوگا۔ اور |
| بعد الاصطلام [1] | تباہی کے وقت سے آخر سال تک کا معاف ہوجائے گا۔" |
| رجل استاجر ارضا فزرعها فلم | "کاشتکار نے اگر زمین کو لگان پر لیا اور اس میں کاشت |
| یجد ماء یسقیها فیبس الزرع | کی پھر پانی میسر نہ آیا اور کھیتی خشک ہوگئی تو فقہاء کہتے ہیں |
| قالوا ان استاجرها بغیر | کہ اگر کاشتکار نے پانی کی شرط کے بغیر لگان پر لیا ہے اور |
| شرب فلم ینقطع ماء النهر | جس نہر سے پانی مل سکتا تھا اس کا پانی بھی منقطع نہیں ہوا |
| الذی یرجی منہ السقی فعلیہ | تو اس صورت میں کاشتکار پر لگان واجب ہے اور اگر |
| الاجر وان انقطع کان لہ | پانی کی سبیل منقطع ہوگئی اور وہ بن نہیں پڑتا تو اس کو |
| الخیار وان استاجرها بشربها | اختیار ہے کہ وہ زمین کو واپس کردے اور اگر زمین پانی |
| فانقطع منہ الشرب فجاء | کی شرط کے ساتھ لی ہے اور پانی کے ذرائع منقطع ہوگئے |
| وقت الذی یفسد فیہ الزرع | اور وہ وقت آگیا کہ جب پانی کی محرومی کی وجہ سے |
| عند انقطاع الماء ففسد الزرع | کھیتی ضائع ہوجاتی ہے اور ضائع ہوگئی تو اس صورت |
| سقط عنہ الاجر | میں کاشتکار سے لگان معاف ہے۔" |
| ولو استاجر ارضا بشربها للزرع | "اور اگر زمین کو پانی کی شرط کے ساتھ کھیتی کے لئے لیا ہو |
| فیها فخرب النهر الاعظم فلم | اور پھر بڑی نہر خراب ہوگئی اور یہ گولوں اور جھولوں سے |

[1] فتاوی قاضی خاں ج ۲ ص ۳۰۴ کتاب الاجارات

| | |
|---|---|
| يستطع سقيها فهو بالخيار | پانی حاصل نہ کرسکا اور سیرابی کی کوئی صورت نہ بن پڑی |
| ان شاء ردها وان شاء امسكها | تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو زمین کو واپس کردے اور |
| فان لم يرد حتی مضت المدة | چاہے تو قبضہ میں رکھے پس اگر واپس نہ کی اور مقررہ مدت |
| كان عليه الاجر اذا كان | ختم ہوگئی تو اگر یہ صورت ہے کہ اس کو ایسے ذرائع ممکن |
| بحال يمكنه ان يحتال بحيلة | ہیں کہ بغیر پانی کے وہ اس میں زراعت کرسکتا ہے |
| وزرع فيها شيئا بغير ماء بوجه | تب تو لگان واجب ہوگا اور اگر زراعت کی کوئی صورت |
| من الوجوه ولا حيلة فی ذلك | بھی نہیں ہوسکتی تو لگان واجب نہیں ہے۔ |

فلا اجر عليه الخ

| | |
|---|---|
| رجل استاجر ارضا فانقطع الماء | اگر کاشتکار نے زمین کو نقد لگان پر لیا پھر پانی میسر نہ |
| ان كانت الارض تسقی بماء الانهر | آسکا اور زمین کنویں وغیرہ کے پانی اور بارش کے پانی دونوں |
| وماء المطر فانقطع ماء المطر | سے سیراب ہونے والی ہے اور بارش کا پانی بھی منقطع ہوگیا |
| ایضا لا اجر عليه لانه لم يتمكن | تو اس صورت میں لگان معاف ہے اس لئے کہ اس صورت |
| من الانتفاع بها الخ [1] | میں وہ زمین سے فائدہ اٹھانے پر قادر نہیں ہے۔ |

اور جن بعض صورتوں میں امام ابو حنیفہؒ یا امام شافعیؒ کے نزدیک لگان واجب رہتا ہے ان کے نزدیک بھی یہ فیصلہ ہے کہ زمیندار کو کاشتکار سے اس وقت تک مطالبہ نہیں کرنا چاہئے جب تک کہ اس کے حالات درست نہ ہوجائیں اور وہ بآسانی لگان ادا کرنے کے قابل نہ ہوجائے چنانچہ شیخ منصور علی ناصفؒ "التاج الجامع للاصول کے باب "وضع الجوائح" سے متعلق احادیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ظاهر ما تقدم ان من استاجر | اس سے قبل جو احادیث مذکور ہوئیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے |
| ارضا وزرعها او اشتری زرعا | کہ اگر کسی نے زمین کو نقد لگان پر لیا اور زراعت کی یا زراعت |

[1] فتاویٰ قاضی خاں ج ۲ ص ۴۰۳۔

| | |
|---|---|
| او ثمراً بعد بدو صلاحه | کو یا درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کو ان کے قابلِ استعمال |
| ثم اصابته جائحة فالحکم | ہونے کے بعد خریدا پھر اس کو آفت نے آدبایا، اور |
| وضعها ای سقوط اجارة | برباد کردیا، تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ لگان اور زمین |
| الارض وثمن الزرع | اور پھلوں کی قیمت دونوں متاجر اور خریدار سے ساقط |
| والثمر بسببها وعلیه | ہوجائیں گی اور اسی پر فقہاء کی ایک جماعت نے فتویٰ |
| جماعة ومنهم الشافعی | دیا ہے اور امام شافعیؒ کا قولِ قدیم بھی یہی ہے اور ان کا |
| فی القدیم وقال فی الجدید | قول جدید اور امام ابو حنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ (اُن تفصیلات |
| وابو حنیفة علیه الضمان | کے ساتھ جو گذشتہ سطور میں بیان ہوچکیں) کاشتکار پر |
| ولکن ینبغی المدائن | لگان اور خریدار پر قیمت واجب ہے لیکن صاحب |
| التساهل معه للحدیث | زمین اور صاحبِ ثمر کو چاہئے کہ حدیثِ اول کے مطابق |
| الاول الخ ؎ | اپنے مطالبہ میں سہولت اور نرمی کا معاملہ کرے۔ |

لیکن لگان کی کمی اور معافی کا یہ حکم ان ہی صورتوں میں ہے کہ زمین اور کھیتی پر آئی ہوئی تباہی متاجر کے اختیار سے باہر ہے اور اگر یہ تباہی اور خرابی اپنے ہاتھوں سے لائی گئی ہے یا جان بوجھکر غفلت برتی گئی ہے تو پھر کمی یا معافی نہیں ہوسکتی اس لئے کہ یہ صاحبِ زمین کو نقصان پہنچانا ہے اور "ضرار" میں داخل ہے۔

(۴) اگر کاشتکار زمین کا خود مالک نہیں ہے اور حکومت اور کاشتکار کے درمیان زمیندار کا بھی دخل ہے تو سرکاری مالگذاری (عشر یا خراج) اصولاً زمیندار کے ذمہ ہے نہ کہ کاشتکار کے ذمہ چنانچہ فقہ میں اس کی جو جزئیات بیان کی گئی ہیں ان میں یہ تصریحات موجود ہیں۔

| | |
|---|---|
| والحاصل ان العشر عند | حاصل کلام یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عشر ہر حالت |
| الامام علی رب الارض | میں مالکِ زمین کے ذمہ واجب ہے اور امام ابو یوسفؒ |

؎ ج ۲ ص ۲۶۲ -

| | |
|---|---|
| مطلقاً وعندهما کذلك | اور امام محمدؒ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے اگر بیج مالک |
| لو البذر ولو من العامل | زمین کے ذمہ ہے اور اگر کاشتکار کے ذمہ ہو تو دونوں |
| فعلیهما ثم اعلم ان هذا | کے ذمہ بقدرِ حصہ ہوگا۔ اور واضح رہے کہ یہ تفصیل بھی |
| کله فی العشر اما الخراج | صرف عشر کے متعلق ہے۔ لیکن خراج اور نقد لگان |
| فعلی رب الارض اجماعاً | (کرار الارض) میں باتفاق ہر صورت میں مالگذاری |
| الخ ؎۱ | زمیندار کے ذمہ ہے" |
| وفی المزارعة ان کان البذر | اور مزارعة (بٹائی) میں اگر بیج مالکِ زمین کا ہے |
| من رب الارض فعلیه | تو "عشر" اسی پر واجب ہوگا اور اگر کاشتکار |
| ولو من العامل فعلیهما | کے ذمہ بیج ڈالنا ہے تو دونوں پر حصہ رسدی |
| بالحصة الخ ؎۲ | واجب ہوگا" |

ان تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں سرمایہ (زمین) اور محنت میں عادلانہ توازن کا بخوبی لحاظ رکھا گیا ہے اور خاص مسئلہ میں محنت کو سرمایہ کے مقابلہ میں نفع کا حق زیادہ دیا گیا ہے، نیز ان مسائل میں مالگذاری کے واجب ہونے نہ ہونے میں "بیج" کو اس لئے اہمیت دی گئی ہے کہ زمین کی کاشت کے مسئلہ میں جس کے ذمہ بیج ہوتا ہے حقِ انتفاع بھی اسی کو زیادہ حاصل ہوتا ہے۔

(۵) اگر زمین سرکاری ہے اور کاشتکار مقررہ لگان (کرا الارض) ادا کر رہا ہے تو اس کو زمین سے بے دخل نہیں کیا جائے گا اور یہ اس لئے کہ کاشتکار جبکہ زمین نہیں رکھتا اور اس نے اپنی معاشی زندگی کے لئے ایک زمین کو کرایہ پر حاصل کیا ہے تو اس کا یہ حق ہونا چاہیئے کہ جب تک وہ زمین کا واجبی لگان ادا کرتا رہے اس سے یہ معاشی ذریعہ چھینا نہ جائے۔ چنانچہ شامی نے ارضِ موقوفہ کی بحث میں یہ تصریح کی ہے۔

؎۱ بحر الرائق ج ۵ ص ۱۱۷۔ ؎۲ رد المختار ج ۲ باب العاشر ص ۵۶۔

| | |
|---|---|
| ثم اعلم ان اراضی بیت المال | یہ واضح رہے کہ بیت المال کی زمین کہ جن کو ارضِ |
| المسماۃ باراضی المملکۃ و | حوز اور ارضِ مملکت کہا جاتا ہے ان کو اگر کاشتکار |
| اراضی الحوز اذا کانت فی | کاشت کر رہے ہیں تو جب تک وہ اس کا مقررہ |
| ایدی زراعھا لا تنزع | لگان ادا کر رہے ہیں اُن زمینوں کو اُن کے قبضہ |
| من ایدیھم مادا موا یودونھا | نہیں نکالا جائے گا مگر وہ ان میں وراثت نہیں |
| ما علیھا ولا یورث عنھم | چلا سکتے اور نہ ان زمینوں کو فروخت کرنے کا |
| اذا ماتوا ولا یصح بیعھم | حق رکھتے ہیں لیکن دولت عثمانیہ میں یہ رسم جاری |
| لھا ولکن جری الرسم فی | ہوگئی ہے کہ اگر کسی کاشتکار کے انتقال کے وقت |
| الدولۃ العثمانیۃ ان من مات | اس کا لڑکا موجود ہے تو وہ سرکاری زمین اس |
| عن ابن انتقلت لابنہ مجانا | کی جانب مفت منتقل ہو جاتی ہے ورنہ تو پھر |
| والا فلبیت المال الخ [1] | بیت المال ہی کی جانب واپس ہو جاتی ہے۔" |

یہ حکم اگرچہ زمینِ وقف اور زمینِ حکومت سے متعلق ہے لیکن کاشتکار کے قبضہ سے نکالنے کی جو فقہی وجہ بیان کی گئی ہے "کہ وہ مقررہ لگان برابر ادا کر رہا ہے" چونکہ یہ وجہ شخصی زمیندار کی زمین پر بھی صادق آتی ہے اس لئے خلیفہ اور امیر المومنین کے اختیار میں ہے کہ وہ اگر چاہے تو یہی شخصی آراضی پر بھی عائد کر دے۔

نیز اس لئے بھی کہ جب کاشتکار کسی زمین کو محنت کے ذریعہ قابل کاشت بناتا ہے تو وہ یہ محنت اس یقین پر کرتا ہے کہ اس محنت کا پھل اس کے حصہ کے مطابق اس کو ضرور ملتا رہیگا پس اگر زمیندار کو یہ حق بغیر کسی قید و شرط کے حاصل ہے کہ وہ جب چاہے کاشتکار کو زمین سے اس لئے بے دخل کر دے کہ وہ مالکِ زمین ہے تو ایسی حالت میں وہ کاشتکار کے اس نفع کا غاصب ہوتا ہے جس کو کاشتکار کی محنت نے کاشتکار کے لئے وقتی کاشت کے علاوہ بطور ثمرۂ ممتدہ کے بخشا تھا

[1] رد المحتار ج ۳ باب العشر والخراج والجزیہ ص ۳۵۴۔

Marfat.com

البتہ اگر "زمین" عقد کے عرصہ بعد حالات وواقعات کی بنا پر ازدیادِ لگان کی مستحق ہے تو بلاشبہ صاحبِ زمین کو ازدیاد کے مطالبہ کا اسی طرح حق ہے جس طرح خصوصی حالات و واقعات کی بنا پر انتقاص (کمی) کے مطالبہ کا کاشتکار کو حق حاصل ہے۔

(۶) اگر کاشتکار نے رہنے کے مکان میں یا کاشت کی زمین میں کوئی درخت لگالیا ہے، اور اس سے زمین کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچتا تو صاحبِ زمین اس درخت کو اکھاڑنے پر مجبور نہیں کرسکتا اور اگر لگانا چاہتا ہے تو صاحبِ زمین کو اجازت دے دینی چاہئے اور یہ درخت کاشتکار ہی کی ملکیت میں رہے گا البتہ جب وہ زمین سے بے دخل ہوجائے یا اجارہ فسخ ہوجائے تو صاحبِ زمین اگر اپنی زمین کو اس درخت سے خالی کرانا چاہے تو کاشتکار کو اپنا درخت اکھاڑ لینا ہوگا۔

| | |
|---|---|
| للمستاجر غرس الشجر بلا اذن | ناظرِ وقت کی اجازت کے بغیر کاشتکار کو درخت لگالینے |
| الناظر اذا لم یضر بالارض | کا حق ہے بشرطیکہ زمین کو اس سے نقصان نہ پہنچتا ہو |
| ولیس لہ حفر الا باذن | اور اس کو ناظر کی اجازت کے بغیر زمین کی کھدائی کا |
| ویاذن لو خیرا والا لا و | حق نہیں ہے مگر ناظر کو چاہئے کہ اگر زمین کے لئے یہ امر |
| مابناہ مستاجر او غرسہ | بہتر ہے اور مضر نہیں ہے تو اجازت دیدے ورنہ نہیں |
| فلہ مالم ینوہ للوقف الخ | تاہم کاشتکار نے جو مکان بنایا ہے یا جو درخت لگایا ہے |
| لہ | وہ کاشتکار ہی کا ہے جب تک کہ وہ اس کو وقف نہ کردے" |

غرض یہ اور اسی قسم کے اور حقوق ہیں جو کاشتکار کی آسانیوں اور سہولتوں کے مدِّنظر قائم کئے گئے ہیں کیونکہ مبسوط اور دیگر کتبِ فقہ سے یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ مزارعۃ اور اجارۂ زمین کے جواز کا اہم مقصد تعاونِ باہمی کے ساتھ ساتھ مستاجر (کاشتکار) کی معاشی حاجت کا انسداد

لہ درمختار بردالمحتار ج ۳ ص ۵۹۳ بحث ارض موقوفہ و بحر الرائق ج ۸ ص ۱۳۔

Marfat.com

اور رفع ضرورت ہے۔ [1]

بنجر زمینوں کو مزروعہ بنانا

زراعت کو ترقی دینے اور اس کی افادیت کو وسیع کرنے کے لئے جو ذرائع اختیار کئے جانے چاہئیں ان میں سے ایک ذریعہ "احیاء اموات" ہے یعنی بنجر زمینوں کو کاشت کے قابل بنانا، گویا ناقابلِ کاشت زمین، مردہ زمین ہے۔ اور اس کو قابلِ کاشت بنانا اس کو زندگی بخشنے کے مرادف ہے چنانچہ اس مفہوم کو واضح کرنے کے لئے قرآنِ عزیز نے یہی اسلوبِ بیان اختیار کیا ہے۔

فاحیینا بہ الارض بعد موتہا پھر زندہ کردیا ہم نے پانی سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد

خشک چٹیل میدان، ریتلی زمینیں، پتھریلی زمینیں، اور خشک ٹیلے، عام طور پر ناقابلِ زراعت ہوتے ہیں مگر سخت محنت اور بعض زراعتی تدابیر کے ذریعہ ان میں سے اکثر حصہ کو قابلِ کاشت بنایا جاسکتا ہے۔ پس اسلام کے معاشی نظام کا یہ بھی ایک اہم حصہ ہے کہ ملک کی اس قسم کی تمام زمینوں کو زراعت کے قابل بنایا جائے اور خام پیداوار سے ملک کو مالا مال کیا جائے اور

---

[1] نوٹ :۔ اس بحث میں چند امور قابلِ لحاظ ہیں۔

(الف) خراج ان زمینوں پر عائد ہوتا ہے جو کاشت کرنے والوں کی ذاتی ملکیت ہوتی ہیں، اور اگر حکومت یا کسی دوسرے فرد کی زمین کو نقد اجرت پر کاشت کے لئے لیا جائے تو وہ "اجرتِ ارض" کہلاتی ہے، کتاب میں دونوں باتوں کی تفصیل کے باوجود ان مسائل میں دونوں کو ایک لفظ "لگان" ہی سے تعبیر کیا ہے اس لئے کہ اسلام کے اقتصادی نظام کے ان مسائل میں دونوں کے احکام یکساں ہیں۔ اور جن احکام میں فرق ہے وہ یہاں زیرِ بحث نہیں ہیں۔

(ب) عام بول چال میں لگان اور مالگذاری میں فرق ہے اگرچہ حاصل کے اعتبار سے دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ فرق یہ ہے کہ کاشتکار اگر خود مالکِ زمین ہے تو اس سے وصول شدہ ٹیکس "مالگذاری" کہلاتا ہے اگر حکومت اور کاشتکار کے درمیان زمیندار ہے تو حکومت جو ٹیکس زمیندار سے لیتی ہے وہ مالگذاری کہلاتا ہے اور زمیندار، کاشتکار سے جو محاصل لیتا ہے وہ لگان ہے۔

(ج) "عشر" کے علاوہ "جو کہ ایک مقررہ زکوٰۃ ہے" تخفیفِ لگان و مالگذاری کے مسائل "خراج" اور "اجارہ" (کراء الارض) دونوں سے متعلق ہیں۔

حتی الامکان زمینوں کو بنجر نہ رہنے دیا جائے اسی طرح جو زمینیں قابلِ کاشت ہونے کے باوجود غیر آباد پڑی ہیں یا لاوارث ہیں ان کو بھی مزروعہ بنایا جائے اور بیکار و معطل نہ رہنے دیا جائے۔

اسلام کے معاشی نظام میں اس کے لئے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ امیر المومنین افرادِ ملک کو ترغیب دے اور اعلان کرے کہ جو شخص ان زمینوں کے جس قدر حصہ کو آباد کرے گا وہ اس کا مالک قرار دیا جائے گا اس کو عربی میں "اقطاع" اور اردو میں "جاگیر" کہتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| وللامام ان یقطع کل موات و | اور امام کو چاہئے کہ وہ بنجر زمینوں کو اور غیر مملوکہ |
| کل ما کان لیس لاحد فیہ ملك | لاوارث زمینوں کو جاگیر کے طور پر دیدے (تاکہ وہ |
| ولیس فی ید احد ویعمل فی | مزروعہ بن سکیں) اور ان کے سلسلہ میں ایسا |
| ذلك بالذی یری انہ خیر | عمل اختیار کرے جس میں تمام مسلمانوں کی بھلائی |
| للمسلمین واعم نفعاً۔[1] | اور نفع عام ہو" |

اور فقہاء کے نزدیک بنجر زمین، سخت زمین، ریتیلی یا ریت چڑھی ہوئی زمین، پتھریلی زمین ٹیلے جو آبادی سے دور ہوں، اور جن کا نہ کوئی مالک ہے، یا مالک کا پتہ نہیں چلتا خلاصۂ کلام یہ کہ جو زمین ناکارہ پڑی ہو اور اس کی یہ خرابی قدیم اور عادی ہو (تو یہ سب موات ہیں) پس اگر کسی مسلمان یا ذمی (کافر) نے خلیفہ کی اجازت سے اس کو زندہ (قابلِ زراعت) کرلیا تو وہ زمین اسی کی ملکیت ہو جائے گی[2]

اور اگر امام یہ سمجھ کر کہ زمین بہت زیادہ محنت اور خرچ کے بعد قابلِ کاشت ہوسکتی ہے ایک دو سال کا لگان بھی معاف کردے تو اس کو ایسا کرنے کا مجاز ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی زمینوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

| | |
|---|---|
| من عمر ارضاً لیست | جس شخص نے ایسی زمین کو کاشت کے قابل بنالیا جو |
| لاحد فھواحق بھا[3] | کسی کی ملک نہیں ہے تو وہ شخص ہی اس کی ملکیت کا مستحق ہے" |

---

[1] کتاب الخراج ص ۶۶۔ [2] سیدیات فی المعاملات ص ۳۰۰ و ۳۰۱۔ [3] مسند احمد و بخاری۔

Marfat.com

من احیا ارضا مواتا فھی لہ[۱] جس شخص نے مردہ زمین کو زندہ کرلیا وہ اسی کی زمین ہے

لیکن اس کے لئے تین شرطیں ہیں، ایک یہ کہ وہ زمین فناءِ شہر میں شامل نہ ہو یعنی عام شہری ضروریات کے کام میں نہ آتی ہو۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں۔

اور اے امیرالمومنین! آپ نے ان زمینوں کے متعلق دریافت کیا ہے جو فوج کشی کے ذریعہ سے یا مصالحت کی راہ سے فتح کی گئی ہیں اور ان زمینوں کے متعلق دریافت کیا ہے جو بعض دیہات میں اس حالت کے اندر موجود ہیں کہ نہ ان میں مکان ہونے کے نشانات پائے جاتے ہیں اور نہ زراعت کے تو ان کے متعلق کیا مشورہ ہے؟ پس اگر ایسی زمینوں میں نہ مکانیت کے اثرات ہوں اور نہ زراعت کے اور نہ وہ اہلِ بستی کے حق میں فئ ہو اور نہ قبرستان ہو اور نہ چراگاہ اور نہ وہ کسی کی ملکیت ہو اور نہ کسی کی مقبوضہ تو ایسی زمین "ارض موات" ہے پس جو شخص اس کو، یا اس میں کے بعض حصہ کو زندہ (کاشت) کرلے تو وہ اسی کی ملک ہوجائے گی۔ اور آپ کے لئے ایسی زمینوں کے متعلق جاگیر کے طور پر دیدینے کا بھی اختیار ہے اگر مناسب سمجھیں اور اجرت پر کاشت کرالینا یا کوئی دوسرا مناسب طریقہ اختیار کرلینا بھی جائز ہے۔[۲]

دوسری شرط یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایسی زمین پر اجازتِ امام سے قبضہ کرلینے کے بعد تین سال تک اس کو بنجر رہنے دیا اور جاگیر دینے کا جو مقصد تھا وہ پورا نہ کیا تو وہ زمین اس کے قبضہ سے نکال لی جائے گی اور کسی دوسرے شخص کو دیدی جائے گی جو اس کو کاشت کرے اس لئے کہ اس نے اس مفاد کو پورا نہ کیا جس کے لئے زمین اس کو بطورِ جاگیر دی گئی تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے۔

عادی الارض للہ وللرسول ثم لکم من بعد۔ فمن — افتادہ (غیر مملوکہ) زمین اللہ اور اس کے رسول (خلافت) کی ہے۔ پھر ان کے بعد تمہارے لئے ہے۔ پس جس شخص

---

[۱] کتاب الخراج ص ۶۴ - [۲] ؍؍ ص ۶۲ و ۶۳

Marfat.com

| | |
|---|---|
| احیا ارضا میتا فہی لہ | نے اس کو زندہ (کاشت) کرلیا تو وہ اسی کی ملک ہے |
| ولیس لمحتجر حق بعد ثلاثٍ | اور بے کاشت روک رکھنے والے کا حق تین سال |
| (الحدیث) سلہ | کے بعد ساقط ہو جاتا ہے۔ |

بلال بن حارث مزنی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت بڑا "مربعہ" جاگیر کے طور پر دیدیا تھا، مگر وہ اس تمام کو کاشت میں رکھنے سے معذور تھے اس لئے ایک کافی حصہ آراضی بیکار پڑی رہتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان کو بلا کر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو اس لئے جاگیر دی تھی کہ اس کو کام میں لاؤ اور فائدہ اٹھاؤ مگر اتنے بڑے حصۂ آراضی کو تم کام میں لانے سے معذور ہو، لہذا بقدر ضرورت رکھ لو اور باقی واپس کردو تاکہ میں حاجتمند مسلمانوں میں تقسیم کردوں۔

| | |
|---|---|
| فقال لا افعل واللہ شیئاً | بلال بن حارثؓ نے جواب دیا کہ یہ جاگیر رسول اللہ صلی اللہ |
| اقطعنیہ رسول اللہ صلی اللہ | علیہ وسلم کی بخشی ہوئی ہے خدا کی قسم میں ہرگز اس میں سے |
| علیہ وسلم فقال عمر واللہ | کچھ نہ دونگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم تجھکو یہی کرنا |
| لتفعلن فاخذ منہ ما عجز | ہوگا۔ اور جس قدر آراضی کو وہ کام میں لانے سے |
| عن عمارتہ فقسمہ | عاجز تھے اس کو حضرت عمرؓ نے ان سے واپس لیکر |
| بین المسلمین۔ سلہ | مسلمانوں میں تقسیم کردیا۔ |

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ زمین کنوئیں، باؤلی، تالاب اور چشمہ کی "حریم"[3] نہ ہو۔

---

سلہ کتاب الخراج ص ۶۵۔ سلہ کتاب الاموال لابی عبید ص ۲۹۰ وکتاب الخراج ص ۶۲

سلہ جنگل میں کنوئیں، باؤلی، تالاب اور چشمہ کی ضروریات اور ان کی حفاظت کے لئے چار جانب جو جگہ چھوڑی جاتی ہے اس کو "حریم" (باڑہ) کہتے ہیں۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد کے مطابق جو کنوئیں چوپایوں کے پانی پینے کے لئے بنائے گئے ہیں ان کے چار جانب چالیس گز زمین چھوڑی جائے اور جو زراعت کے لئے بنائے گئے ہیں ان کے لئے ساٹھ گز مربع زمین اور چشموں کے لئے پانچسو گز زمین مربع چھوڑنی چاہیے۔

کتاب الخراج ص ۱۰۰ وسعیدیات جزء ۲ ص ۳۱۲۔

Marfat.com

بنجر زمینوں کے آباد کرنے اور کاشت کے قابل بنانے کا دوسرا طریق یہ ہے کہ حکومت (خلافت) خود اپنی نگرانی میں کاشت کرائے اور وہ حکومت ہی کی ملکیت رہیں۔

ایسی زمینوں کے لگان کے متعلق فقہی احکام یہ ہیں کہ اگر یہ زمین "ذمی" کے قبضہ میں دی گئی ہے تو باتفاقِ آراء اس پر خراج مقرر کیا جائے گا اور اگر "مسلم" کے قبضہ میں دی گئی ہے تو امام ابو یوسفؒ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اگر وہ زمین عشری زمینوں سے ملحق یا اس کا جز ہے تو اس پر "عشر" واجب ہوگا اور اگر خراجی زمینوں سے ملحق یا اس کا حصہ ہے تو اس پر "خراج" عائد ہوگا۔

اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر عشری زمینوں کے پانی سے اس زمین کو سیراب کیا گیا ہے تو اس پر عشر عائد ہوگا اور اگر خراجی زمینوں کے پانی سے سیراب کی گئی ہے تو خراج واجب ہوگا۔[1]

چنانچہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس جانب پوری توجہ فرمائی اور اذن عام دیدیا کہ جو شخص ایسی زمین کو آباد کرے گا وہ اسی کی ملک ہو جائے گی اور اگر کسی نے قبضہ سے تین سال تک اس کو مزروعہ نہ بنایا یا آباد نہ کیا تو اس کے قبضہ سے نکال لی جائے گی، اس فرمان کا خاطر خواہ اثر ہوا اور اس طرح قلمرو خلافت کی تمام زمینیں مزروعہ اور آباد ہو گئیں اور حکومت کی ترقی کا باعث بنیں۔[2]

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ احیاء موات کے لئے اقطاع (جاگیر دینے) کا یہ طریقہ سلف میں مسلسل جاری رہا ہے۔

> فرماتے ہیں:۔ اقطاع (جاگیر دینے) کے بارہ میں ان آثار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مختلف قوموں کو زمینیں دی ہیں اور آپ کے بعد خلفا نے بھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس عمل میں یہ حکمت سمجھی کہ اس ذریعہ سے اسلام کے ساتھ قوموں کی رغبت بھی بڑھتی ہے اور زمین کی آبادی بھی ہوتی ہے اور اسی طرح آپ کے خلفاء اس کو اسلامی بیت المال کی رفاہیت و ترقی اور دشمن کو زک دینے کا سبب سمجھتے تھے یعنی مالی خوشحالی

[1] فتاویٰ عالمگیری و کتاب الخراج ص ۶۵۔ [2] کتاب الخراج ص ۶۵۔

Marfat.com

حکومت کے ساتھ رعایا کی وفاداری کا موجب ہوتی ہے۔ ؎۱

**نہریں** زراعت کی ترقی اور وسعت کے سلسلہ میں چوتھا ذریعہ "وسائل آبپاشی کو سہل الحصول اور وسیع بنانا" ہے۔ اسی وجہ سے زراعتی ترقی میں "نہروں" اور "آبپاشی کے کنوؤں" کو بہت دخل ہے اور آبپاشی کی وسعت ہی ایک ذریعہ ہے جو زراعت کی بیش از بیش ترقی کا باعث ہوتا ہے۔ اس لئے اسلام نے بھی اپنے اقتصادی نظام میں اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے اور اس کو عملی صورت دینے اور اس کے افادہ کو زیادہ سے زیادہ عام بنانے کے لئے چند اصول مقرر کئے ہیں۔

(۱) تالاب، کھیتیاں، جوہڑ، کنویں اور چشمے اگر شخصی ملکیت نہیں ہیں تو ان میں تمام پبلک کا یکساں حقِ انتفاع ہے اور وہ کسی بھی حال میں شخصی ملکیت نہیں بن سکتے۔

قرآن عزیز میں ناقۂ صالح (علیہ السلام) کے واقعہ میں ہے۔

| | |
|---|---|
| لها شرب ولكم شرب يوم معلوم۔ ؎۲ | "ناقہ کے لئے ایک دن پانی کی باری ہے معین اور تمہارے لئے ایک دن معین" |
| ونبئهم ان الماء قسمة بينهم كل شرب محتضر۔ ؎۳ | اور ان کو مطلع کردو کہ پانی ان کے اور ناقہ کے درمیان باری سے بٹا ہوا ہے لہذا اپنی باری پر پہنچنا چاہئے۔ |

اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب مبسوط میں ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تمام مسلمان تین چیزوں میں برابر کے شریک ہیں، پانی، گھاس اور آگ، اور دوسری روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا ان تینوں چیزوں میں برابر کے حصہ دار ہیں اور یہ روایت پہلی روایت سے عام ہے کیونکہ اس میں مسلمان اور کافر سب کی شرکت کا اعلان ہے اور واقعہ بھی یونہی ہے کہ تمام انسان ان چیزوں میں برابر کے حقدار ہیں اور پانی کے بارہ میں یہ شرکت وادیوں کے پانی اور دریاؤں (یعنی خودرد پانی) سے متعلق ہے مثلاً سیحون، جیحون، فرات، دجلہ، نیل وغیرہ۔ اس لئے کہ ان سے فائدہ

؎۱ کتاب الخراج ص ۶۲۔ ؎۲ سورۂ شعراء۔ ؎۳ سورۂ قمر۔

Marfat.com

اٹھانا ایسا ہے جیسا کہ سورج کی دھوپ اور ہوا سے فائدہ حاصل کرنا کہ اس میں تمام کائنات انسانی مساوی شریک ہیں اور کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اس افادہ سے دوسرے کو روک دے یا اس کی مثال راستہ اور شارع عام کی سی ہے جس پر ہر مسلم و کافر سب کو چلنے کا برابر حق ہے اور لفظِ شرکت سے اصل اباحت اور انتفاع میں تمام انسانوں کا مساوی ہونا مراد ہے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ان کی ملک ہو اس لئے کہ پانی وادیوں اور دریاؤں میں کسی کی بھی ملکیت نہیں ہوتا۔[1]

(۲) اور اگر یہ "پانی" شخصی ملکیت میں بھی ہو تب بھی عام حالات میں پینے اور استعمال کرنے کے لئے دوسروں کو اس سے یکساں فائدہ اٹھانے کا حق ہے کیونکہ "پانی" اپنے مقام میں کسی کی بھی شخصی ملک نہیں ہے اور نہ اس حالت میں اس کی خرید و فروخت جائز ہے۔ البتہ انسانوں اور حیوانوں کے پینے اور نہانے جیسی ضرورتوں کے علاوہ "آبپاشی کے لئے" مالکِ زمین سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے اور بصورتِ اذن مالک کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ اس کی اجازت دے اور اگر ایسا کرنے میں خود اس کی اپنی زراعت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو وہ دوسروں کو آبپاشی کرنے سے روک دینے کا مجاز ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب سعدیات، مبسوط اور کتاب الخراج میں ہے۔

اور بعض "پانی" ذاتی ملک بھی ہوتے ہیں جو شخصی کنوؤں، حوضوں، گولوں اور خاص چشموں کی صورتوں میں نظر آتے ہیں تو ان میں بھی ہر شخص کو پانی پینے اور اپنے چوپایوں کو پانی پلانے کا عام حق ہے جیسا کہ گذشتہ حدیث سے واضح ہے اور اگر چوپایوں کی آمد و رفت سے کنوؤں یا نہر کی فصیلوں کے تباہ ہونے اور خراب ہوجانے کا خطرہ ہو تو مالک زمین اس کی حفاظت کی حد تک روک بھی سکتا ہے البتہ ایسے کنوؤں، حوضوں اور خاص چشموں سے دوسروں کو آبپاشی کرنے کا حق نہیں ہے[2]

---

[1] مبسوط ج ۲۳ ص ۱۶۴ - [2] سعدیات جزء ۲ ص ۳۰۲ -

Marfat.com

| | |
|---|---|
| والماء فی الحوض لیس مملوکًا لصاحب الحوض فلا یجوز بیعه [1] | "اور حوض میں جمع شدہ پانی صاحب حوض کی ملک نہیں ہے اس لئے اس حالت میں اس کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔" |
| ولہ ان یمنع السقی للارض و الزرع والنخل والشجر ولیس لاحد ان یسقی شیئًا من ذلک الا باذنه [2] | "اور مالک کا یہ حق ہے کہ وہ زمین، کھیت، کھجوروں کے باغ، اور درختوں کی آبپاشی سے روک دے اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر آبپاشی کا اقدام کرے۔" |

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کے غلام نے ان کو خط لکھا کہ میں نے آپ کی زمینوں کی آبپاشی اور باغوں کی سیرابی کے بعد باقی پانی کا معاملہ تیس ہزار درہم میں دوسرں سے کرلیا ہے اور آپ کی اجازت کا طالب ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا، میں تمہارا مطلب سمجھ گیا لیکن میرے پیش نظر وہ حدیث ہے جس میں ضرورت سے فاضل پانی اور گھاس کو روکنے اور دوسروں کو فائدہ نہ پہنچنے دینے والے شخص کے بارہ میں سخت وعید کا تذکرہ اور قیامت میں رسوائی کا ذکر کیا گیا ہے لہذا تم زمینوں اور باغوں کی سیرابی و آبپاشی کے بعد ہمسایوں کو موقع دو کہ وہ اس پانی سے مفت اپنے کھیت اور باغ سیراب کریں اور اس میں درجہ بدرجہ نزدیکی کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ والسلام [3]

آبپاشی کے لئے کثرت سے نہریں کھدوائی جائیں اور اس کا تمام خرچ بیت المال (سرکاری خزانہ) پر لازم ہے اور اگر بیت المال میں گنجائش نہیں ہے تو اہلِ دول پر جبر کیا جائے گا کہ وہ حکومت کو اس معاملہ میں مدد دیں۔

"اور اگر نہریں حکومت کی جانب سے کھودی جارہی ہیں تو ان کا تمام خرچ بیت المال کے ذمہ ہے اس لئے کہ وہ مصلحتِ عامہ کے لئے ہیں لہذا کسی خاص جماعت پر اس کا خرچ نہیں ڈالا جاسکتا

---

[1] سوطہ ج ۲۳ ص ۹۴، [2] کتاب الخراج ص ۱۵ [3] ، ص ۹۶

کیونکہ بیت المال میں اگر مال موجود ہے تو اسی قسم کی مصالح کے لئے ہے اور اگر بیت المال میں گنجائش نہیں ہے تو خلیفہ لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ نہروں کی اس کھدائی میں صرف کے ذمہ دار ہوں اس لئے کہ بیت المال میں روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے اگر نہروں کی کھدائی نہ کی جائے گی تو یہ لوگوں کے لئے بہت بڑے نقصان کا باعث ہوگا اور یہ شاذ و نادر بات ہے کہ عام مصالح کی خاطر لوگ برضا و رغبت خرچ پر تیار ہو جائیں اور چونکہ امام مصالح عامہ کا نگراں ہے اس لئے اس کو اس معاملہ میں جبر کرنے کا حق ہے۔" لہ

"اور امام کے ذمہ واجب ہے کہ بڑی بڑی نہریں کھدوائے اگر عامۃ المسلمین کے مفاد کے پیش نظر ایسا کرنا ضروری ہو" لہ

(۴) جو چھوٹی چھوٹی نہریں عام مصالحِ آبپاشی اور بہم رسانیِ آب کے لئے نہ بنائی جائیں بلکہ ان کو اہلِ محلہ یا اہلِ قصبہ و شہر اپنی ذاتی ضروریات کے لئے بنانا چاہیں تو اگر اس میں مصالح عامہ کو نقصان نہ پہنچتا ہو اور جس دریا یا بڑی نہر سے پانی لیا جائے گا اس کو نقصان پہنچ کر عام ضروریات کے لئے حرج پیدا نہ کرتا ہو تو امام ایسی خصوصی نہروں کی اجازت دے سکتا ہے البتہ ان کے اخراجات کا بار مطالبہ کرنے والوں پر پڑے گا حکومت کا خزانہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

"اور اگر نہر کسی کی ذاتی ملکیت میں اس کی خاص اپنی ضرورت کے لئے بنائی گئی ہے تو اس کے مصارف کا تمام بار اسی پر ہوگا کیونکہ وہ اسی کا حق ہے اور اس کی منفعت خاص اسی کی جانب راجع ہے۔" لہ

(۵) آبپاشی کی نہریں اور کنوئیں پبلک کی مصالح عامہ اور معاشی وسائل کی ترقی کے لئے ہیں، حکومت کے محاصل میں اضافہ کرنے کے نقطۂ نظر سے نہیں ہیں اس لئے حکومت کی نہروں اور کنوؤں سے آبپاشی کرنے والوں سے یا تو قطعاً محصولِ آبپاشی نہ لیا جائے یا صرف اس قدر لیا جائے

---

لہ سیدیات جز ۲ ص ۳۰۴ و کتاب الخراج ص ۹۶-۹۸ و مبسوط ج ۲۳ ص ۱۷۸، لہ کتاب الخراج ص ۹۷
لہ سیدیات جز ۲ ص ۳۰۴ و مبسوط ج ۲۲ کتاب الشرب۔

Marfat.com

جس قدر ان نہروں اور کنوؤں کی بقاء کے لئے ضروری ہو باقی انتظامات کا کل خرچ بیت المال پر ڈالا جائے۔ مبسوط میں ہے۔

"کیا تم کو یہ معلوم نہیں! کہ امام پر یہ واجب ہے کہ بیت المال کے مال سے چھوٹے بڑے پل اور مہمان سرائیں تیار کرائے اسی طرح اس کے ذمہ یہ بھی واجب ہے کہ اس بڑی نہر کا خرچ بھی بیت المال ہی پر ڈالے اور اسی طرح اس کے کناروں کی درستی و اصلاح کا بھی اگر اس کی خرابی کی وجہ سے غرق ہونے کا اندیشہ ہے۔" [۱]

بہرحال اسلامی نظام اقتصادی میں ان اصول کے پیش نظر حضرت عمر بن الخطاب ؓ کے زمانہ خلافت میں اس محکمہ پر خاص توجہ دی گئی، نہریں جاری کی گئیں، بند باندھے گئے، تالاب بنائے گئے، پُلیں اور چھوٹی نہریں نکالی گئیں اور اس طرح زراعت کو بھی ترقی دی گئی اور پانی کی قلت کا حل بھی کیا گیا۔

اسی سلسلہ میں بصرہ کی "نہر ابو موسیٰ" [۲] جو دجلہ سے کاٹ کر بنائی گئی اور کوفہ کے علاقہ انبار کی "نہر سعد" اور مصر کی "نہر امیر المومنین" مشہور نہریں ہیں۔ اور فاروق اعظم ؓ کے بعد نہر ثار، نہر دبیس، نہر اساورہ، نہر عمرو، نہر حرب، وغیرہ کا ذکر تاریخی کتب میں آج تک موجود ہے جن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ [۳]

زراعت اور ترقیِ زراعت کی یہ داستان بہت طویل ہے اور اس کے تمام شعبوں کی اصلاحات کا قانون، اسلامی تاریخ کا اہم جزو شمار ہوتا ہے، یہاں صرف اختصار کے طور پر چند نمونے پیش کرنے پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔

[۱] مبسوط ج ۲۳ کتاب الشرب ص ۱۷۵ و کتاب الخراج ص ۹۴ و ۹۸۔ [۲] فتوح البلدان ص ۳۵۲ و ۳۵۳ و مقریزی ص ۷۱۔ [۳] حسن المحاضرہ ص ۹۳ و ۹۴ [۴] فتوح البلدان ص ۳۵۳۔

Marfat.com

# زمین سے متعلق خصوصی احکام

**زمین اور انفرادی ملکیت**

زراعت سے متعلق احکام اور گذشتہ صفحات میں بیان شدہ اسلام کے معاشی نظام سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام کا معاشی نظام "زمین" اور "ذرائع پیداوار" میں انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے؟ بیشک یہ صحیح ہے، اور اس لئے صحیح ہے کہ اسلام کی نظر میں "زمین" یا "ذرائع پیداوار" کا انفرادی ملکیت ہونا دراصل معاشی نظام کے فساد کا باعث نہیں ہے بلکہ اس میں "اعتدال و توازن کا فقدان" راہِ فساد کھولتا ہے۔

نیز اُس کے نزدیک انفرادی ملکیت کا انسداد انسان کے جائز انفرادی حقوق و فرائض پر ضرب کاری کے مرادف اور قوائے عملی میں جمود و تعطل پیدا کرنے کا موجب ہے اس لئے اس قسم کا اقدام گویا فطرت کے ساتھ بغاوت ہے اس لئے وہ کہتا ہے کہ صحیح طریق کار یہ ہے کہ قوانینِ فطرت (نوامیسِ الٰہیہ) کی مطابقت کے ساتھ ساتھ ایک جانب "زمین" اور "وسائل پیداوار" میں انفرادی ملکیت کو ایک حد تک جائز قرار دیا جائے اور دوسری جانب اجتماعی مفادات کے پیشِ نظر اس پر ایسے قیود و شرائط عائد کر دئے جائیں کہ جو انفرادی ملکیت میں اعتدال و توازنِ حقیقی کو برقرار رکھیں کیونکہ علم الاخلاق اور علم الاجتماع دونوں کا یہ مسلمہ نظریہ ہے کہ "انفرادی حقوق و فرائض میں اعتدال ہی اجتماعی حقوق و فرائض کے لئے بہترین کفیل ہے"۔

اسی نظریہ کے ماتحت اسلام نے اپنے معاشی نظام میں "زمین کی انفرادی ملکیت" کو چند شرائط و قیود کے ساتھ "ایک حد تک تسلیم کیا ہے جن میں سے بعض کا ذکر زراعت کی بحث میں آچکا ہے اور ان سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کا معاشی نظام کس طرح سرمایہ دارانہ مفاسد کا انسداد اور سدِباب کر کے عام رفاہیت و خوشحالی کے سامان مہیا کرتا ہے۔

Marfat.com

**زمینداری سے متعلق اسلامی ترغیبات**

اس سلسلہ میں پہلی بات جو جاذب توجہ ہے وہ یہ ہے کہ زمین کے متعلق انفرادی ملکیت کے جواز کو مان لینے کے باوجود اسلام کے معاشی نظام میں کیا زمینداری سسٹم (Landlordism) کی موجودہ ظالمانہ روش کو صحیح تسلیم کیا گیا ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں۔ اسلام موجودہ زمینداری سسٹم کے جابرانہ اور غلط طریقہ ہائے کار کو کیسے جائز قرار دے سکتا ہے جبکہ وہ اس مباح زمینداری کو بھی غیر پسندیدہ سمجھتا ہے جو انصار اور مہاجرین کے درمیان "اجارہ" اور "مزارعۃ" کی صورت میں رائج تھی۔

| | |
|---|---|
| عن رافع بن خدیج قال نھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن امر کان لنا نافعا اذا کانت لاحدنا ارض ان یعطھا ببعض خراجھا او بدراھم وقال اذا کانت لاحد کم ارض فلیمنحھا اخاہ او لیزرعھا۔ ؎ | حضرت رافع بن خدیج نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک ایسے کام سے منع فرما دیا جو (بظاہر) ہمارے لئے نفع بخش تھا، وہ یہ کہ ہم میں سے کسی شخص کے پاس زمین ہو تو وہ اس کو نہ بٹائی پر دے اور نہ نقد لگان پر اور فرمایا کہ اگر تم میں سے جس کے پاس زمین ہو تو وہ یا خود کاشت کرے یا اپنے مسلمان بھائی کو کاشت کے لئے احسان کے طور پر مفت دے۔" |
| عن ابی ھریرۃؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من کانت لہ ارض فلیزرعھا او لیمنحھا فان ابی فلیمسک ارضہ۔ ؎ | "حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے پاس زمین ہو اس کو چاہئے کہ خود کاشت کرے یا دوسرے کو کاشت کے لئے منت احسان کے طور پر دیدے اور اگر دونوں میں سے کوئی بات کرنے کو آمادہ نہیں تو اپنی زمین کو یوں ہی روکے رکھے۔" |
| عن جابر بن عبد اللہ قال نھی | حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم |

؎ ترمذی باب الزکوٰۃ و بخاری باب المزارعہ۔ ؎ مسلم باب المزارعۃ۔

| | |
|---|---|
| رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ زمین کے ذریعے |
| ان یؤخذ للارض اجرا وحظ۔[۵۱] | عوض کا با اجارہ کا فائدہ اٹھایا جائے " |
| وکان ابن عمر رضی اللہ عنہما یکری | حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) اپنی زمین کو |
| مزارعہ علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم | عہد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر ابتدا امارت |
| وابی بکر و عمر و عثمان و صدرا من | حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک کاشتکاروں کو |
| امارۃ معاویۃ فلما سمع حدیث رافع | لگان پر دیتے رہے مگر جب انھوں نے رافع |
| ترک ذالک خشیۃ ان یکون | کی حدیث سُنی تو اس عمل کو اس خوف سے ترک |
| النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد احدث | کردیا کہ شاید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر |
| فیہ شیئاً۔ [۵۲] | عمر مبارک میں یہ فیصلہ دیا ہو۔ |

یہ روایت الفاظ کے معمولی ردوبدل کے ساتھ جلیل القدر صحابہؓ سے ثابت ہے اور اپنے مفہوم کے اعتبار سے شہرت کے اونچے درجہ تک پہنچ گئی ہے اس روایت کے الفاظ سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زمین کو نقد لگان یا بٹائی پر دینے کو جائز قرار نہیں دیتے اور اس طرح زمینداری کے نفسِ جواز کی بھی گنجائش باقی نہیں رہتی بلکہ زمین کی انفرادی ملکیت تسلیم کرتے ہوئے یا خود کاشت کی اجازت مرحمت فرماتے ہیں اور یا دوسرے بھائی کے ساتھ حسنِ سلوک کی۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ کا مذہب یہی ہے کہ زمین کو نہ نقد لگان پر دینا جائز ہے اور نہ بٹائی پر اور یہ کہ زمینداری کسی طرح بھی جائز نہیں ہے مگر اس روایت کے مقابلہ میں بعض دوسری روایات بھی ہیں جو الفاظ و معانی کے اعتبار سے پہلی روایت ہی کی برابر شہرت کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان روایات میں صاحبِ زمین کو نقد لگان اور بٹائی دونوں پر دینے کی اجازت نکلتی ہے اور نہ صرف یہ بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے خلفاء راشدین اور بعد کے زمانہ تک صحابہ تابعین تبع تابعین اور امت کے افراد کے عملی تواتر سے بھی یہی ثابت ہے کہ وہ زمین کو نقد لگان اور بٹائی پر دیتے رہے ہیں۔

---

[۵۱] مسلم ج ۱ ص ۵۲۴۔ [۵۲] بخاری کتاب المزارعۃ۔

Marfat.com

عن حنظلة بن قيس رضي الله عنه قال سألت رافع بن خديج عن كراء الارض فقال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عنه فقلت أبالذهب والورق قال فلا بأس به [1]

حنظلہ بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رافع بن خدیج سے زمین کو اجارہ لینے کی بابت دریافت کیا انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے تب میں نے کہا کہ چاندی اور سونے کے بدلے یعنی نقد لگان پر بھی منع ہے تو انھوں نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اعطى خيبر اليهود على ان يعملوها ويزرعوها ولهم شطر ما خرج منها [2]

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو خیبر کی زمین اس شرط پر دی کہ وہ اس میں کاشت کریں اور جو پیداوار ہو وہ نصف بٹائی پر ہو۔

عن سعد بن ابي وقاص ان المزارع في زمن النبي صلى الله عليه وسلم كانوا يكرون مزارعهم [3]

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ مالکانِ زمین، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنی زمینوں کو کرایہ پر دیا کرتے تھے۔

ابو جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جو تہائی یا چوتھائی حصہ کی بٹائی پر زمین کی کاشت نہ کرتا ہو اور حضرت علیؓ، سعد بن مالک، عبد اللہ بن مسعود، عمر بن عبد العزیز، قاسم، عروہ، آلِ ابو بکر، آلِ عمر، آلِ علی اور ابن سیرین رضی اللہ عنہم یہ سب اپنی زمینیں اسی طرح کاشت پر دیا کرتے تھے۔ [4]

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں جو بات سب سے بہتر ہم نے سنی ہے وہ یہ ہے کہ زمین کو نصف تہائی، یا چوتھائی بٹائی کے ہر طریق پر دینا جائز ہے یہی منقح اور صحیح ہے اور میرے نزدیک زمین کا یہ معاملہ "مال مضاربۃ" کی طرح کا معاملہ ہے

[1] بخاری، مسلم، ابو داود، نسائی، کتاب المزارعہ۔ [2] بخاری کتاب المزارعہ [3] ابو داود، نسائی۔ [4] بخاری کتاب المزارعہ۔

(یعنی جیسا کہ وہ باتفاق جائز ہے اسی طرح یہ بھی جائز ہے) اور امام ابوحنیفہ بٹائی کی ان تمام صورتوں کو ناجائز فرماتے ہیں (اور صرف نقد لگان پر جائز سمجھتے ہیں)۔ ؎

یہ تمام روایاتِ حدیثی وفقہی اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ صاحب زمین اگر خود کاشت نہ کرے تو دوسرے کو نقد لگان یا بٹائی پر دیسکتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

لہذا دونوں قسم کی احادیث میں جو تضاد اور تخالف ہے جب تک وہ صاف نہ ہو جواز و عدم جواز کا فیصلہ ناممکن ہے چنانچہ تین جلیل القدر صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے اس ظاہری تضاد کو دور کرنے کے لئے جو ارشاد فرمایا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

(۱) حضرت رافع بن خدیج ؓ "جو عدم جواز کی روایت کے راوی ہیں" فرماتے ہیں کہ زمین کو اجارہ پر دینے کی یہ ممانعت اس بات سے متعلق ہے کہ مزارعۃ (بٹائی) میں زمیندار اور کاشتکار کے درمیان زمین کے حصص متعین ہوں کہ اس جانب کے حصہ کی پیداوار ہماری ہوگی اور اس دوسرے حصہ کی کاشتکار کی کیونکہ یہ معاملہ مناقشہ کا باعث ہے، نہیں معلوم کہ زمین کے کس حصہ میں پیداوار ہو جائے اور کس حصہ میں بالکل نہ ہو، اور یہ بات اس سے بھی متعلق ہے کہ صاحبِ زمین یہ شرط لگائے کہ نہر کے متصل حصۂ زمین کی پیداوار میری ہوگی اس لئے کہ اس میں بھی کاشتکار کے حق میں سخت نقصان کا اندیشہ ہے اور معاملہ مُہمل ہو جاتا ہے۔

| | |
|---|---|
| عن رافع بن خدیج قال حدثنی | رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ ہم سے ہمارے چچاز ہیرین |
| عمای انھم کانوا یکرون الارض | رافع نے فرمایا وہ نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں |
| علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم | زمین کو کرایہ پر دیا کرتے تھے اور یہ شرط لگایا کرتے تھے کہ |
| بما ینبت علی الاربعاء او شیٔ | نہر کے قریب کے حصۂ زمین کی پیداوار ہماری ہوگی یا اس |
| یستثنیہ صاحب الارض فنھی | معین حصۂ زمین کی پیداوار ہماری رہیگی جب نبی اکرم |
| النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذالک[۹۳] | صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا تو ایسا کرنے سے منع فرمایا |

؎ کتاب الخراج لابی یوسف ص ۸۸ ۹۳ بخاری کتاب المزارعۃ۔

Marfat.com

حضرت رافع بن خدیج کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زمینداری کی ممانعت سے متعلق جو روایت بیان کی ہے وہ اسی قسم کے مناقشات کے پیشِ نظر ہے نہ کہ نفسِ مسئلہ کی ممانعت کی بنا پر۔

(۲) اور حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ معاملہ حرام یا ناجائز ہے بلکہ ازرہِ اخوت و مواساۃ باہمی آپ کی رغبت یہ ہے کہ زمین سے متعلق اجارہ یا مزارعۃ کا معاملہ نہ ہو بلکہ مسلمان یا تو خود کاشت کریں اور یا باہمی رفاقت و مروت کے پیشِ نظر دوسرے ضرورتمند بھائی کو کاشت کے لئے مفت دیدیں اور اس طرح حسنِ سلوک کریں۔ اسی لئے شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس کو "نہی تنزیہ و ارشاد" سے تعبیر کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| قال ابن عباس رضی اللہ عنہما | حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا |
| ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم ینہ | کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو اجارہ پر دینے |
| عنہ ولکن قال ان یمنح احدکم | کو ممنوع نہیں قرار دیا بلکہ یہ پسند فرمایا کہ اپنے بھائی |
| اخاہ خیر لہ من ان یاخذ | (کاشتکار) سے معاوضہ لینے کی بجائے مفت |
| شیئاً معلوماً [۱] | حسنِ سلوک کے طور پر دیدے۔ |
| ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعۃ کو حرام نہیں کیا |
| لم یحرم المزارعۃ ولکن امر ان | مگر یہ ترغیب دی کہ باہم حسنِ سلوک اور رفق کا معاملہ |
| یرفق بعضھم ببعض الخ [۲] | کریں، لین دین کا معاملہ اس بارہ میں نہ کریں۔ |

(۳) اور حضرت زید (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں چونکہ آپ کے زمانہ میں زمین سے متعلق بہت سے مناقشے اور قضیے پیش ہوتے اور اس معاملہ میں کثرت سے جھگڑے پیدا ہوتے رہتے تھے۔ اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص وقت تک کے لئے مصلحۃً ممانعت فرما دی ورنہ دراصل اس کو حرام نہیں کیا۔

[۱] بخاری کتاب المزارعۃ۔ [۲] مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی۔

Marfat.com

او علی مصلحة خاصة بذلك الوقت من جهة كثرة مناقشتهم في هذه المعاملة حينئذ وهو قول زيد رضی اللہ عنہ الخ [1]

یا یہ ممانعت خاص مصلحت کی بنا پر وقتی ممانعت تھی اور اس لئے تھی کہ اس معاملہ میں اس زمانہ میں کثرت سے مناقشات پیش آتے رہتے تھے اور یہ حضرت زید کا قول ہے۔

حضرت رافعؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زیدؓ کی یہ توجیہات اگرچہ اس باب میں متفق ہیں کہ زمین کو اجارہ اور مزارعہ پر دینا اصل معاملہ کے اعتبار سے ممنوع نہیں ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے لیکر خیر القرون کے پورے دور کا "متواتر تعامل" بھی اس عدم ممانعت کا موئید ہے، تاہم حدیثِ ممانعت نے اس سلسلہ میں فقہاءِ اسلام پر جو اثر ڈالا وہ بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ کا مذہب یہ ہے کہ افرادِ امت کے درمیان زمین کا اجارہ اور اس کی مزارعۃ دونوں ناجائز ہیں اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نقد لگان (اجارہ) پر دینا درست ہے اور مزارعۃ (بٹائی) نادرست، اور طاؤس اور ابن حزم فرماتے ہیں کہ بٹائی (مزارعۃ) پر زمین کا دینا جائز ہے اور نقد لگان (اجارہ) پر نادرست اور جمہور علمائے امت فرماتے ہیں کہ زمین کو نقد لگان اور بٹائی دونوں صورتوں میں اجارہ پر دینا جائز ہے اور یہی سلف و خلف کا تعامل رہا ہے گویا اس مسئلہ میں جس قدر بھی عقلی احتمالات ہو سکتے تھے وہ سب ہی کسی نہ کسی فقیہ کا مختار ہیں اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ نقد لگان کے جواز سے متعلق جو روایت کتبِ احادیث میں مذکور ہے، امام نسائی فرماتے ہیں کہ اس روایت میں وہ جملہ کہ جس سے صراحۃً نقد لگان پر زمین کا دینا ثابت ہوتا ہے "مدرج" ہے یعنی سعید بن مسیبؒ کا مقولہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔ [2]

اسی طرح زمین کو بٹائی پر دینے کے جواز میں جو فقہاء یہودِ خیبر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان "مخابرہ" معاملۂ خیبر کو وجہ استدلال قرار دیتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ اس کے متعلق یہ جواب دیتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ "یہود" خیبر کی زمینوں کے مالک تسلیم کر لئے گئے تھے اس لئے مخابرہ (مزارعۃ)

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۱۷ باب التبرع والتعاون۔ [2] فتح الباری ج ۵ ص ۲۰۔

Marfat.com

کا یہ معاملہ دراصل حکومت اور ذمی رعایا کا معاملہ تھا اور یہ "خراجِ مقاسمہ" (بٹائی کے ذریعہ خراج) کہلاتا ہے اور معاملہ زیرِ بحث افرادِ امت کے درمیان زمینداری و کاشتکاری سے متعلق ہے، اور اس کے لئے حدیث میں صریح ممانعت ہے۔

ان تمام تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانۂ نبوت سے زمانۂ خلافتِ راشدہ تک زمین کو نقد لگان یا بٹائی پر دینا اگرچہ معمول بہ رہا ہے تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوضاحت اس کا اظہار فرمایا ہے کہ وہ زمینداری کے اس معمولی اور سادہ طریق کو بھی غیر پسندیدہ اور اخلاق و مروت سے نازل سمجھتے ہیں یا ایسے حالات ہیں کہ اس سلسلہ میں باہمی مناقشات کی کثرت افرادِ امت کے درمیان بغض و عداوت اور جنگ و جدل کی صورت پیدا کر دے، امام کو اس کی اجازت مرحمت فرماتے ہیں کہ وہ اس سسٹم کو جماعتی مصلحت کے پیشِ نظر ممنوع قرار دیدے۔ ؎

پس اسلام کے اقتصادی نظام میں زیادہ سے زیادہ ایسی زمینداری کے جواز کی شکل تو پائی جاتی ہے جس میں "زمیندار اور کاشتکار" معاملۂ زمینداری میں دو شریکِ کار کی حیثیت سے شمار ہوتے ہوں مگر دنیا کے دورِ قدیم اور دورِ جدید کا یہ جاگیردارانہ سسٹم "جس میں زمینداری، تعلقہ داری، جاگیرداری، جابرانہ نظام ..... کی شکل میں نظر آتی اور بڑے بڑے زمیندار، کاشتکاروں کی جان و مال تک پر متصرف نظر آتے ہیں" اسلامی معاشی نظام سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتا اور اسلام کا اقتصادی قانون اس سسٹم کو ناجائز قرار دیتا ہے۔

علاوہ ازیں اسلام کے نظامِ حکومت سے معلوم ہوتا ہے کہ اقتصادی نظام میں اسلام کا نمایاں امتیاز یہ رہا ہے کہ "زمین" کے متعلق اقطاع (جاگیر) اور عطیہ (مربعہ جات) کے ثبوت کے باوجود مملکتِ مفتوحہ کی زمینوں کا بہت بڑا حصہ حکومت کے ہاتھ میں تھا پبلک کے ہاتھ میں نہیں رکھا گیا۔

---

؎ اگر خلیفۂ اسلام مصلحتِ عامہ یا اسلامی مصلحت کے پیشِ نظر خود کاشت مملوکہ زمینوں کو مستثنیٰ کر کے زمینداری سسٹم کو ممنوع قرار دینا چاہے تو خرید کردہ زمینوں کے متعلق از بس ضروری ہے کہ مالکِ زمین کو زمین کی واجبی قیمت بیت المال سے ادا کرے۔

چنانچہ اس زمانہ میں انصار اور مہاجرین کے صاحبِ املاک و جائداد ہونے کے صرف یہ معنی تھے کہ بعض صحابہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے عطیہ "جاگیر" کے طور پر کچھ زمین دیدی تھی جو ان کی سادہ گذر کے لئے کام دے، یا انھوں نے محنت کر کے بنجر زمینوں کو پیداوار کے قابل بنالیا تھا جو پیمائش کے اعتبار سے آج کی طرح بڑے بڑے گاؤں نہ تھے بلکہ مزروعہ زمینیں تھیں۔ ان ہی کو بعض صحابہ دوسروں کو اجارہ پر دیتے تھے اور بعض خود کاشت کیا کرتے تھے اور ان ہی کے درمیان خرید و فروخت کا سلسلہ جاری تھا باقی ممالکِ مفتوحہ کی تمام تر اراضی حکومت کی جانب سے اصل باشندوں کے قبضہ میں رہیں اور ان کی مالگذاری شخصی ملکیت کی بجائے بیت المال کا مال قرار پایا۔

یہ شکل کہ دیہات کے دیہات اور رقبے کے رقبے اشخاص و افراد کے قبضے میں اس طرح ہوں کہ ان کے ساتھ کاشتکاروں اور انسانی ہستیوں کی بھی ایک طرح کی بیع وشریٰ ہوتی ہو اور وہ غلاموں اور محکوموں کی طرح زمینداروں کے اغراض کا آلۂ کار بنتے ہوں تو اس قسم کی جائدادوں اور زمینداریوں کا اسلامی نظامِ حکومت میں کہیں شائبہ بھی نظر نہیں آتا بلکہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے رومیوں کے اس طرزِ زمینداری کو ظالمانہ نظام کہکر بالکل ختم کردیا تھا اور ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار دیدیا تھا بلکہ دورِ فاروقی میں تو ہم کو یہ نظر آتا ہے کہ جو ممالک ایران، روم، مصر، شام، عراق فتح کئے گئے ان میں ایرانی بادشاہ کی مختصر ذاتی املاک کے علاوہ جو مسلمانوں کو جاگیر میں دیدی گئیں عام کاشتکاری ان ہی لوگوں کی رہی جو سابق میں اس کے مالک تھے اور خراج کے نام سے غیر مسلموں کی زمینوں سے اور عشر کے نام سے مسلمانوں کی مملوکہ زمینوں سے "حکومت" لگان و مالگذاری وصول کرتی رہی اور ان کا حقِ ملکیت حکومت کے علاوہ افراد و اشخاص کو نہیں بخشا گیا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عراق اور شام فتح ہوا تو صحابہ نے مطالبہ کیا کہ ان ملکوں کی زمینوں کو ہم پر تقسیم کرکے ہمیں ان کا مالک بنادیا جائے حضرت بلالؓ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو خصوصیت کے ساتھ اس پر اصرار تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار فرمایا اور فرمایا کہ اگر ان زمینوں کا تم مجاہدین کو زمیندار بنادیا جائے تو سرحدوں کے انتظامات، شہروں اور ملکوں کے انتظامات،

لشکروں کی ضروریات، بعد میں آنیوالے مسلمانوں کی حاجات، اور دیگر غرباء کی ضروریات کے لئے اس قدر کثیر آمدنی کہاں سے آئیگی لہذا یہ ہرگز نہ ہوگا بلکہ یہ سب حکومت کے ہاتھ میں رہیں گی اور ان کی آمدنی تمام مسلمانوں کی ضروریات اور مذکورہ بالا حاجات کے لئے وقف ہوگی۔

**استصواب رائے عامہ** اراضی کے متعلق یہ ایک خاص قسم کا معاملہ تھا اس لئے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اس بارہ میں اختلاف ہے تو اول جلیل القدر صحابہ کی مجلسِ مشاورت منعقد کرکے اس مسئلہ کو ان کے سامنے پیش کیا اور بعد میں استصواب رائے عامہ کیلئے مجلسِ عام منعقد کی اور فرمایا۔

| | |
|---|---|
| فانی واحد کاحدکم وانتم الیوم | میں تمہاری ہی طرح ایک فرد ہوں اور تم کو آج |
| تقرون بالحق خالفنی من خالفنی | حق کا فیصلہ کرنا ہے بعض میری رائے کے مخالف ہیں |
| ووافقنی من وافقنی ولست ارید | اور بعض موافق اور میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تم میری |
| ان تتبعوا ھذا الذی ھوای معکم | خواہش کی پیروی کرو، تمہارے پاس خدا کی دی ہوئی |
| من اللہ کتاب ینطق بالحق فواللہ | سچی کتاب ہے جو حق کو واضح کرتی ہے، بخدا میں |
| لئن کنت نطقت بامر اریدہ | جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں بجز حق کے ارادہ کے میرا |
| ما ارید بہ الا الحق۔ [1] | کوئی دوسرا ارادہ ہرگز نہیں ہے۔ |

اس کے بعد تقریر فرماتے ہوئے اپنے دعوے کو قرآنی دلائل سے مدلل کیا اور ان دلائل کو سن کر سب نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا۔

| | |
|---|---|
| فقالوا جمیعاً الرای رایك | ان سب نے کہا رائے وہی صحیح ہے جو آپ فرماتے ہیں جو آپ نے |
| فنعم ما قلت وما رایت | فرمایا اور مناسب سمجھا ہے وہی بہتر اور خوب ہے۔ |

اور اس طویل واقعہ کو نقل کرکے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ انھوں نے مجاہدین اور فاتحین کے درمیان اراضی کو تقسیم کرنے سے انکار کردیا اور اپنی رائے کی موافقت میں قرآنِ عزیز کے دلائل پیش کئے یہ سب

---

[1] کتاب الخراج ص ۲۵ - [2] یعنی صفحہ

اللہ تعالیٰ کی توفیق کا نتیجہ تھا اور درحقیقت اس ہی میں تمام مسلمانوں کی بھلائی تھی، اور خراج کا جمع ہونا اور اس کا مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ ہونا جماعتی مفاد کے اعتبار سے تقسیم اراضی کے مقابلہ میں بدرجہا مفید تھا۔[۱]

بہرحال حضرت عمرؓ اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں جس قدر ممالک بھی فتح کیے گئے، ان کی اراضی کا معاملہ بیشتر حکومت ہی کے ہاتھ میں رہا اور کاشتکاروں سے حاصل شدہ لگان (خراج) حکومت کے ذریعہ بیان کردہ ضروریات پر صرف ہوتا رہا اور باوجود مجاہدین و فاتحین کے اصرار کے ان کا کوئی حصہ بطور جائداد کے فاتحین کو نہیں دیا گیا۔

اور ایک زمانہ تو ایسا گذرا ہے کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے تمام مسلمانوں کو زمینداری اور کاشتکاری دونوں سے یک قلم روک دیا اور فرمایا کہ جبکہ مسلمانوں، ان کے اہل وعیال، اور ان کے غلاموں تک کا وظیفہ بیت المال سے دیا جا رہا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ سب کے سب حکومت (خلافت) کے کارآمد پرزے نہ بنیں اور جہاد و اعلاءِ کلمۃ اللہ کے والنٹیر ہونے کی بجائے بیلوں کی دم سے لگے پھریں۔ چنانچہ نظام العالم والامم میں طنطاوی نے تفصیل کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے فرماتے ہیں۔

جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مال بہت بڑھ گیا اور لوگوں کے روزینے مقرر ہو گئے اور رجسٹر مرتب ہو گئے تو عاملوں اور قاضیوں کے مشاہرے بھی مقرر کر دیئے گئے اور پونجی جمع کرنے کی ممانعت کر دی گئی، زمینداری کو ممنوع کر دیا گیا اور زراعت اور مزارعۃ دونوں ہی کی ممانعت کر دی گئی اس لئے کہ ان کے، ان کے اہل وعیال اور ان کے غلاموں اور آزاد شدہ غلاموں تک کے وظائف بیت المال سے مقرر کر دیئے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان ہر وقت ایک لشکری کی حیثیت سے کوچ کے منتظر رہیں اور ان کو نہ کھیتی کا انتظار روک سکے اور نہ خوش عیشی اور عیش کوشی اس سے باز رکھ سکے اور یہ حکم یہاں تک آگے بڑھا کہ اگر کوئی ملک کا قدیم ذمی باشندہ بھی مسلمان ہو جاتا تو اس کی تمام جائداد و املاک

---

[۱] کتاب الخراج ص ۲۴ تا ۲۹۔

Marfat.com

اس کی بستی کے ذمیوں میں تقسیم کردی جاتی اور وہی ان املاک کا خراج ادا کرتے اور صرف اس کا مال اور حیوان اس کے سپرد کردیئے جاتے تھے اور خلافت کی جانب سے اس کا وظیفہ (ماہانہ) بیت المال سے مقرر کردیا جاتا تھا اور اس حکم کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بھی اپنی خلافت کے دور میں جاری کیا کیونکہ وہ ہر معاملہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ کی پیروی کے عادی تھے۔ لہ

| | |
|---|---|
| عن عبد اللہ بن هبیرۃ قال ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ امر منادیا ان یخرج الی امراء الاجناد یتقدمون الی الرعیۃ ان عطاءھم قائم وان الرزق عیالھم سائل فلا یزرعون۔ لہ | عبد اللہ بن ہبیرہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مصر میں تمام اسلامی لشکر کے سرداروں میں یہ منادی کرادی کہ تمام مسلمانوں کے وظائف مقرر ہیں اور ان کی اولاد کے بھی لہذا کوئی مسلمان نہ کاشتکاری کرے اور نہ زمینداری۔ |

شریک بن سُمَی غطفیؒ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے یہ عذر کر کے کہ وظیفہ میری معاش کی پوری کفالت نہیں کرتا بغیر اجازت کاشتکاری شروع کردی، عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع کی حضرت عمرؓ نے شریک کو دربارِ خلافت میں بلا بھیجا اور فرمایا کہ میں تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ آئندہ کے لئے یادگار رہے، شریک نے کہا میں تائب ہوتا ہوں آپ معاف فرما دیجئے تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معافی دی۔ لہ

الحاصل۔ اسلام میں "زمینداری" کے غیر پسندیدہ ہونے اور بیشتر حصۂ زمین کے حکومت (خلافت) کے قبضہ میں رہنے کے باوجود سلف و خلف کے تعامل اور علماءِ امت کے اجماع کے پیشِ نظر یہ مسلّم ہے کہ "مالکِ زمین اپنی زمین کو کرایہ پر دے سکتا ہے اور "زمیندار" کی اصطلاح بھی اس پر صادق آسکتی ہے" مگر یہ ضرور سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام کے اس حکمِ جواز میں زمیندار کا وہ تصور جو آج سرمایہ دارانہ نظام میں پایا جاتا ہے مطلق نہیں ہے اور نہ اس میں موجودہ تعلقہ داری اور اسٹیٹ کی کوئی گنجائش ہے جو کہ "اکتناز" کی شکلوں میں سے ایک شکل ہے۔ اس لئے کہ علاوہ ان تمام مظالم و مفاسد کے جن کا

لہ نظام العالم والامم للطنطاوی ج ۲ ص ۱۸۳ و ۱۸۴۔ لہ حسن المحاضرہ ص ۷۰۔ لہ "

Marfat.com

ذکر گذشتہ سطور میں کیا جا چکا ہے۔ ان دونوں کی بنیاد تقسیم دولت (وراثت) کی بجائے جمع دولت اور مخالفت تقسیم وراثت پر قائم ہے۔

بلکہ وہاں لگان پر زمین دے کر زمیندار کہلانے کے صرف اسی قدر معنی تھے کہ سادہ اور ضروری معاش کو حاصل کرنے کے زیادہ بہتر اور عمدہ طریقہائے کار کے علاوہ ایک یہ طریقہ بھی تھا کہ بعض اصحاب زمین خود کاشت کرنے کی بجائے اپنی زمین کو لگان یا بٹائی پر اس طرح اٹھا دیتے تھے جس طرح تجارت میں "مضاربت" کا معاملہ کیا جاتا ہے اور بس، وہاں آقائی اور غلامی تھی نہ حاکمی و محکومی، اور نہ یہ حالت تھی کہ زمیندار صرف زمین کے لگان سے عیش و راحت کی اونچی کرسی پر صدر نشین ہو، اور زمین میں محنت کرنے والا کاشتکار معمولی معاش کے لئے تباہ حال رہے۔

باہمی تعاون و اشتراک کے ساتھ زمینداری اور کاشتکاری کا یہی معاملہ تھا جو اسلام کے دورِ اول میں مہاجرین و انصار کے درمیان بھی رہا ہے جبکہ بیشتر مہاجرین کاشتکار اور انصار صاحبِ زمین و املاک تھے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں (ذمیوں) کے مابین بھی رہا ہے اور کسی ایک معاملہ سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہاں زمیندار و کاشتکار کے یہ معنی تھے جو آج کے سرمایہ دارانہ اور جابرانہ دور میں پائے جاتے ہیں۔

اور جس طرح اسلام "تعلقہ داری" اور "جاگیر داری" کے موجودہ جابرانہ سسٹم کو جائز نہیں کہتا اسی طرح کاشتکار کو بھی یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ صاحبِ زمین کی زمین پر اشتراکِ عمل کے بعد زبردستی قابض ہو جائے اور اس کو اپنی ذاتی ملکیت کی طرح سمجھنے لگے، اس لئے کہ اس قسم کی تمام شرکتوں میں اصل مال صاحبِ مال ہی کا ہے اور صاحبِ محنت کی شرکت منافع میں ہے نہ کہ اصل شے میں۔

چنانچہ ایسے شخص کے بارہ میں جو کسی کی مملوکہ شے پر زبردستی قبضہ کر لے اور عدالت میں جا کر حاکم سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لے "سخت وعید" آئی ہے۔

| | |
|---|---|
| عن ام سلمۃ ان رسول اللہ صلی اللہ | حضرت ام سلمہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ |
| علیہ وسلم قال انما انا بشر و انکم | علیہ وسلم نے فرمایا میں ایک انسان ہوں اور تم میرے |
| تختصمون الی ولعل بعضکم | پاس جھگڑے لاتے ہو اور ایسا ہو سکتا ہے کہ تم میں |

Marfat.com

| | |
|---|---|
| ان یکون الحن بحجتہ من | ایک دوسرے کے مقابلہ میں کوئی اپنے معاملہ کی دلیل |
| بعض فاقضی لہ علی نحو | زیادہ خوبی اور چرب زبانی سے بیان کرے اور میں |
| ما اسمع فمن قضیت لہ بحق | اس کی دلیل سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں پس |
| اخیہ شیئاً فلا یاخذہ فانما | جس شخص کے لئے میں اس کے فریق بھائی کا حق دلا دوں |
| اقطع قطعۃ من النار۔ | وہ ہرگز اس کو نہ لے اس لئے کہ میں اس کو آگ (جہنم) |
| ؎۱ | کا ٹکڑا دے رہا ہوں۔ |

البتہ حکومت کی ملکیت کے علاوہ خرید کردہ آراضی کے مالکوں کی اکثریت کی وجہ سے اگر پیداوار کی زمینوں پر قبضہ ہو چکا ہو اور بعض غریب کاشتکار زمین کے لئے محتاج ہوں تو اس حالت میں امام اور حکومت دو طریقے اختیار کرنے کے مجاز ہیں۔ (۱) غیر مملوکہ افتادہ اور غیر مزروعہ زمینیں کاشتکاروں میں مفت تقسیم کر دے۔ (۲) جاگیرداروں کے پاس اگر ایسی زمینیں موجود ہوں جو زراعت کے کام نہ آرہی ہوں وہ ان کے قبضہ سے نکال کر کاشتکاروں میں تقسیم کر دے، اور ان پر سرکاری (لگان) مقرر کر دے۔

**تجارت** وسائلِ معیشت میں سے دوسرا اہم وسیلہ "تجارت" ہے اس لئے اس کے ذرائع کی توسیع بھی اقتصادی نظام کا جزوِ اعظم ہے اور حکومت کے فرائض میں داخل۔ چنانچہ فقہاءِ امت فرماتے ہیں

| | |
|---|---|
| فالبیع والشراء من اکبر الوسائل لباعثۃ | "تجارت" اس دنیا میں معاشی اعمال میں سب سے |
| علی العمل فی ھذہ الحیوۃ الدنیا واجل | بڑا وسیلۂ معاش ہے اور تمدن و حضارت کے |
| اسباب الحضارۃ والعمران ؎۲ | اسباب میں سے سب سے بڑا سبب۔ |

لہٰذا اسلام نے بھی اپنے معاشی نظام میں اس کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کو دو حصوں پر تقسیم کیا ہے (۱) صحیح اصولِ تجارت (۲) فاسد اصولِ تجارت۔ پہلے حصہ کے بارہ میں وہ افرادِ ملک و ملت کو ترغیب بھی دیتا ہے اور ان اصول کے ماتحت ذرائع اور وسائلِ تجارت کی

---

؎۱ بخاری، مسلم و مشکوٰۃ باب الاقضیہ۔ ؎۲ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربع ج ص ۲۰۲

Marfat.com

توسیع کے لئے آئین و قوانین بھی ذکر کرتا ہے اور دوسرے حصہ کی مذمت بھی کرتا ہے اور ان کے انسداد کے لئے احکام بھی بیان کرتا ہے۔

**تجارت کی ترغیب**

اقتصادی نظام کی ترقی و برتری کا راز سب سے زیادہ تجارت میں مضمر ہے جو قوم یا ملت جس قدر اس سے دلچسپی لیتی ہے وہ اسی قدر اپنی اقتصادی بہبود کی زیادہ کفیل بنتی ہے اور جس قوم یا جس ملک کے باشندے تجارت سے دلچسپی نہیں رکھتے وہ اقتصادی نظام میں ہمیشہ دوسروں کے دستِ نگر رہتے ہیں اور اسی راہ سے دوسری اقوام ان کے تمدن، تہذیب، معیشت، اور سیاست بلکہ "مذہب" پر قابض ہو جاتی اور ان کو غلام بنا کر مطلق العنانہ حکومت کرتی ہیں۔

ہندوستان جیسا بڑا ملک اور ایشیا و یورپ کے دوسرے چھوٹے بڑے ملک آج غیروں کے استبداد اور مظالم کے شکار اسی راہ سے ہوئے ہیں۔ انگریزوں کے ہاتھ میں ہندوستان تجارت ہی کی راہ سے آیا، مصر پر اسی اجارہ داری کے نام سے قبضہ کیا گیا، ایران کی سابقہ غلامی تیل کی تجارت ہی کی رہینِ منت تھی اور آج بھی اسی راہ سے اس پر پنجۂ استبداد مضبوط کیا جا رہا ہے۔ عراق و شام پر قبضہ کی تہ میں یہی اصول کار فرما ہے۔ موصل میں چشمے اور دمشق میں کانیں ظاہر ہونے سے پہلے "ماہرین دریافت" کی سیاحانہ تگ و دو کا نتیجہ آخر یہی ہوا جو معاشی دستبرد کی صورت میں ظالم طاقتوں کی جانب سے ہوا کرتا ہے۔

جرمنی اسی تجارت کے فروغ اور اپنی قوم کی اقتصادی و معاشی ترقی کی خاطر نوآبادیات کا بھوکا ہے اور آہستہ آہستہ ان کو ہضم کرتا جاتا ہے، اٹلی نے حبشہ کو اسی کی خاطر تباہ و برباد کیا اور ہسپانیہ کی تباہی و بربادی کا راز اسی میں مضمر ہے۔ مشرقِ بعید میں جاپان کے چین پر بے پناہ مظالم اسی داستان کا ایک ورق ہیں اور فلسطین میں برطانیہ کے سفاکانہ مظالم کا راز بھی اسی میں مضمر ہے۔

غرض شرق و غرب اور ایشیا و یورپ کی موجودہ جنگ و پیکار اور ہوسِ ملک گیری غیر مہذب ممالک کو مہذب بنانے کے لئے وجود پذیر نہیں ہوئی بلکہ وجود پذیر منڈیوں کے اضافہ اور اپنے معاشی حالات کو بہتر بنانے کے لئے مظلوموں پر معاشی دستبرد کی خاطر عمل میں لائی جا رہی ہے۔

Marfat.com

جس قوم میں تجارت نہیں ہے وہ آج نہیں تو کل ضرور غلام بن کر رہیگی اور جو ملک تجارت کی برکتوں سے محروم ہے وہ صبح نہیں تو شام تک ضرور قعرِ ہلاکت میں گر کر تباہ ہو جائے گا۔ اسلام نے اسی لئے بار بار تجارت کی ترغیب دی، اس کے فضائل و برکات سنائے، دنیوی فوائد بتائے اور دینی بشارتیں سنائیں۔

| | |
|---|---|
| فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (جمعہ) | جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل (مال تجارت ورزق) کو تلاش اور حاصل کرو |

یہاں "فضل" سے مراد طلب رزق و مال ہے اور آیت کا شانِ نزول ترغیبِ تجارت پر مبنی ہے۔

| | |
|---|---|
| لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (نساء) | اپنا اموال کو آپس میں باطل کی راہ سے نہ کھاؤ بلکہ باہمی رضا کے ساتھ تجارت کی راہ سے نفع حاصل کرو |
| يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ (بقرہ) | اے ایمان والو تم خرچ کرو ان پاک چیزوں میں سے جو تم نے کمائی ہیں۔ |

مشہور تابعی مفسر مجاہد آیت کے جملہ "ما کسبتم" کی تفسیر میں کسب سے مراد تجارت لیتے ہیں [۱]

| | |
|---|---|
| قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشھداء [۲] | رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچے اور امانتدار تاجروں کا حشر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ |

کنز العمال کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" جو شخص تجارت کرتا ہے اس کے یہاں خیر و برکت اور رفاہیت پیدا ہوتی ہے۔ [۳]

| | |
|---|---|
| عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال التجار یحشرون یوم القیمة فجارا الا من اتقی وبر وصدق [۴] | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تاجر فاسق و فاجر اٹھیں گے مگر یہ کہ انھوں نے پرہیزگاری بھلائی اور سچائی سے کاروبار کیا ہو۔ |

[۱] بیہقی کتاب البیوع ج ۵ [۲] ترمذی ابواب البیوع [۳] العضا بالثالث فی انواع الکسب ادا سا۔ [۴] ترمذی وبیہقی فی شعب الایمان

**تجارت کے بنیادی اصول** اسلام کے اقتصادی نظام میں تجارت اور باہمی کاروبار کی صحت اور درستی کا مدار حسب ذیل اصول پر مبنی ہے۔

(۱) تجارت کا جواز چونکہ باہمی تعاون پر قائم ہے اس لئے تمام معاملاتِ تجارت میں جانبین سے تعاون کا وجود ضروری ہے یعنی یہ نہ ہونا چاہیے کہ متعاقدین (دو معاملہ داروں) میں سے ایک کا زیادہ سے زیادہ نفع دوسرے کے زیادہ سے زیادہ نقصان پر موقوف ہو۔

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (مائدہ) — بھلائی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم پر ہرگز کسی کے ساتھ تعاون نہ کرو۔

(۲) معاملہ میں جانبین سے حقیقی رضا کا وجود ضروری ہے اضطراری رضا معتبر نہیں یعنی یہ نہ ہو کہ ایک شخص برضا و رغبت اس معاملہ کے لئے آمادہ نہیں ہے مگر اس کی اضطراری کیفیت اس کی رضا کی قائم مقام بن گئی ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ الآیہ (نساء) — اے ایمان والو تم آپس میں ایک دوسرے کے مال کو باطل کی راہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت کی راہ سے باہمی رضامندی کے ساتھ معاملہ ہو۔

(۳) اہلِ معاملہ۔ معاملہ کی اہلیت بھی رکھتے ہوں یعنی عاقل، بالغ یا ممیز[1] اور آزاد ہوں یعنی ناسمجھ بچہ، مجنوں، معتوہ اور مجبور و مکرہ نہ ہوں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رفع القلم عن ثلثۃ عن المجنون المغلوب حتی یبرء وعن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم الحدیث[2] — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر کہ تین شخصوں پر تکلیف شرعی عائد نہیں ہے، مجنوں پر، سونے والے پر، اور نابالغ بچہ پر۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع المضطر[3] — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبر اور زبردستی کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے

---

[1] یعنی اگرچہ بالغ نہ ہو مگر کاروبار کی سمجھ رکھتا ہو۔ [2] ابوداؤد۔ [3] ابوداؤد ابواب البیوع۔

Marfat.com

(۴) معاملہ میں کسی قسم کا دھوکہ، خیانت، ضرر و نقصان اور معصیت کا دخل نہ ہو یعنی ان اشیار کا کاروبار نہ ہو جن کا استعمال شریعتِ اسلامی نے معصیت اور حرام قرار دیا ہے۔

| | |
|---|---|
| قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ |
| افضل الکسب بیع مبرور وعمل | بہترین کسب بیع مبرورؔ ہے اور دستکاری |
| الرجل بیدہ (الحدیث) لہ | سے معاش پیدا کرنا۔ |
| والبیع المبرور والبیع الذی | اور بیع مبرور ایسی بیع وشرا کو کہتے ہیں کہ جس میں |
| یبتر فیہ صاحبہ فلم یغش | متعاقدین ایک دوسرے سے تعاون اور بھلائی کا |
| ولم یخن ولم یعص اللہ | معاملہ کریں یعنی نہ اس میں دھوکا ہو نہ خیانت، |
| فیہ الخ ؎ | اور نہ خدا کی معصیت لازم آتی ہو۔ |
| قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ نقصان |
| لاضرر ولا ضرار۔ | اٹھانا ہے اور نہ نقصان پہنچانا۔ |

اور ان اصول کے خلاف حسب ذیل اصول تجارت کے مقصد کو فاسد اور باطل کرتے ہیں اور اس لئے اسلام کے معاشی نظام میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے اور وہ ان اصول کے ماتحت کاروبارِ تجارت کو فاسد اور باطل قرار دیتا ہے۔

(۱) افزونی مال اور حصولِ نفع کا ایسا معاملہ جس میں باہمی تعاون قطعاً مفقود ہو اور ایک جانب کا فائدہ دوسری جانب کے یقینی نقصان پر مبنی ہو۔ مثلاً جوا (میسر) لاٹری اور سٹہ کے تمام انواع واقسام۔ اس لئے کہ ان کی بنیاد واساس بے شبہ ایسے معاملہ پر مبنی ہے کہ متعاقدین میں سے ایک جانب کا نفع دوسری جانب کے سر تا سر نقصان کا سبب بنتا ہے۔

| | |
|---|---|
| یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ | یہ لوگ آپ سے شراب اور قمار کے متعلق دریافت کرتے ہیں |
| قُلْ فِيْهِمَا إِثْمٌ كَبِيْرٌ (بقرہ) | آپ فرما دیجئے ان دونوں باتوں میں بہت بڑا گناہ ہے۔ |

لہ و ؎ کتاب الفقہ علی الاربع الجزء الثانی ص ۲۰۲۔

Marfat.com

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَ — بلاشبہ شراب، جوا، بت اور پانسے کار شیطان
الْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ — ہیں، پس ان سے بچو، تاکہ تم کو فلاح
فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (مائدہ) — نصیب ہو۔

(۲) مالی نمو اور حصولِ نفع کا وہ معاملہ جس میں جانبین سے کسی ایک جانب میں حقیقی رضا، نہ پائی جاتی ہو بلکہ اضطراری اور جبری رضا، کو حقیقی رضا، کے قائم مقام رکھا گیا ہو مثلاً سود (بیاج) یا کسی اجیر کی اس کی محنت کے مقابلہ میں غیر واجبی اجرت۔

أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (بقرہ) — اللہ تعالیٰ نے بیع (جائز تجارت) کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام
نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اضطراری مجبور کی خرید
عن بيع المضطر الخ [1] — فروخت (معاملہ) کو منع فرمایا ہے۔ (یعنی اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے سے)

حضرت شاہ ولی اللہ (رحمۃ اللہ) جبری اور اضطراری رضا، کو اسلامی نقطۂ نظر سے غیر معتبر قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

فان المفلس يضطر ان التزم — اس لئے کہ "مفلس" مضطر اور مجبور ہوتا ہے کہ جس چیز
مالا يقدر على ايفائه وليس رضاه — کے پورا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا اس کو اپنی بیچارگی کی وجہ
رضا في الحقيقة فليس من العقود — سے اپنے ذمہ لازم کر لے اور یہ رضا ہرگز حقیقی رضا نہیں ہے
المرضية ولا الاسباب — پس ربوا جیسا معاملہ" نہ پسندیدہ معاملات میں سے ہے
الصالحة وانما هو باطل — اور نہ کاروبار کے صالح اور درست معاملات میں سے
وسحت الخ [2] — اور بے شبہ یہ معاملہ باطل اور ظلم ہے۔

(۳) ایسا کاروبار جو اسلام کی نگاہ میں "معصیت" ہو مثلاً شراب، مردار، اصنام (بت) خنزیر وغیرہ کی بیع و شرا، یا ان اشیاء کی خرید و فروخت جو اپنی ذات میں نجس اور ناپاک ہوں۔

حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير (مائدہ) — اے مسلمانو! تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کر دیا گیا ہے

[1] ابوداؤد۔ [2] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۰۳۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| عن جابر انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: ان اللہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر و الاصنام الخ ؎۱ | حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت کو حرام کر دیا ہے۔ |

(۴) وہ معاملات کہ جن میں جانبین سے عقد ہو جانے کے باوجود بھی نزاع اور مناقشہ کی صورتیں باقی رہیں اور کسی بھی فریق کے لئے ضرر و نقصان کا باعث ثابت ہوں۔ کیونکہ یہ مقصدِ تجارت کے منافی ہے۔ مثلاً مبیع یا ثمن یا دونوں میں ابہام رکھا گیا ہو اور تصریح نہ کی گئی ہو کہ کس قیمت میں خریدا ہے یا کس شے کو خریدا ہے یا ایک معاملہ کو دو معاملے بنالے یعنی یہ کہے اگر نقد خریدیئے گا تو اس شے کی قیمت سو روپیہ ہے اور اگر ادھار لیجئے گا تو دو صد روپیہ اس کی قیمت ہے۔ یا جن معاملات میں مبیع (مال) کو دیکھنا ضروری ہے اس کو دیکھے بغیر کر لیا، یا بیع و شرا میں ایسی شرط لگادی جو معاملہ کا جزء یا رکن نہیں ہے یا بیع مجہول کرلی یعنی دونوں جانب صرف باتیں ہی رہیں اور مبیع و ثمن دونوں میں سے کوئی بھی موجود نہیں تھا تو یہ اور اسی قسم کے معاملات میں تعاونِ باہمی کی بجائے نزاع اور مناقشہ کی بنیاد پڑتی ہے۔

| | |
|---|---|
| نھی النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عن بیعتین فی بیعۃ ؎۲ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاملۂ بیع کو دو معاملاتِ بیع بنانے کی ممانعت فرمائی ہے۔" |
| نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع وشرط۔ ؎۳ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کے ساتھ (خارج) شرط لگانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ |
| نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابیع ما لیس عندی ؎۴ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو منع فرمایا ایسی شے کے فروخت کرنے سے جو بیع کے وقت میری ملکیت میں نہیں ہے۔ |

؎۱ رواہ الجماعۃ۔ نیل الاوطار ج ۵ ؎۲ نسائی و ترمذی ؎۳ معجم الاوسط للطبرانی ؎۴ ترمذی

(۵) وہ معاملہ جس میں دھوکا اور فریب مضمر ہو مثلاً ایک شے کی خرید یا فروخت منظور ہو مگر خاص غرض کے ماتحت معاملہ میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا اور ایک دوسری شے کے ضمن میں اس کو لے لیا گیا ہے اس طرح کہ اگر ضمنی شے جو بہت ناقص ہے یا سب سے بہتر ہے اس معاملہ کے اندر شامل ہو گئی تو معاملہ کر لیا ورنہ معاملہ کے تمام شرائط مکمل ہو جانے کے بعد معاملہ سے انکار کر دیا

| | |
|---|---|
| نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الحصاۃ وبیع الغرر[۱] | "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکے کے معاملہ کو بھی حرام قرار دیا ہے اور کنکری پھینک کر کسی شی کی خریداری کرنے کو بھی" |
| نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم عن الملامسۃ والمنابذۃ[۲] | "بند گانٹھوں کا معاملہ یا کسی شے کو صرف چھو دینے یا کسی شے کو صرف بائع یا مشتری پر ڈال دینے سے بیع و شرا کا معاملہ کر لینے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ |
| نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن النجش[۳] | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملۂ لین دین میں کھوٹ اور (بدمعالگی) کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ |

چونکہ یہ اور اسی قسم کے دوسرے معاملات میں یا قمار کے جراثیم پائے جاتے ہیں اور یا متعاقدین میں سے کسی ایک کے ضرر و نقصان کا باعث بن کر بدمعالگی "نجش" اور مناقشہ کا باعث ہوتے ہیں اس لئے اسلام کے معاشی نظام نے اس قسم کے تمام معاملات اور کاروبار کو فاسد و باطل کہہ کر ممنوع قرار دیا ہے۔

| | |
|---|---|
| نہی رسول اللہ عن تلقی الرکبان۔[۴] | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر سے نکل کر باہر تجارت کے قافلہ سے جا ملنے کو منع فرمایا ہے۔ |

اس ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ کسی شہر میں قحط پڑ رہا ہے اور لوگوں کو مثلاً غلہ کی سخت حاجت ہے یہ دیکھ کر چند ارباب دولت شہر سے باہر نکل کر کسانوں، کاشتکاروں اور سادہ لوح تاجرین غلہ کے پاس پہنچے اور غلہ کو سستی قیمت پر خرید لیا تاکہ شہر میں اس کو من مانی گراں قیمت پر فروخت کریں

[۱] مسلم۔ [۲] بخاری ومسلم۔ [۳] بخاری۔ [۴] بخاری

Marfat.com

یا ناواقف کاشتکاروں اور تاجروں کو شہر کے نرخ کا پتہ نہ دیتے ہوئے باہر ہی سستے سے سستے داموں غلہ خرید لیا اور جب وہ فروخت کرنے والے شہر میں داخل ہوئے تو ان کو معلوم ہوا کہ ہمارے ساتھ فریب کیا گیا، اسلام کے اقتصادی نظام کی اصطلاح میں اس کو "تلقی جلب" اور "تلقی رکبان" کہتے ہیں اور اس کے نزدیک یہ طریقہ خرید و فروخت چونکہ بیجا نفع خوری پر مبنی ہے اس لئے ممنوع ہے۔

حنفی فقہ نے اس ممانعت کی حکمت و علت پر بحث کرتے ہوئے یہ فیصلہ دیا ہے کہ یہ ممانعت جب مؤثر ہوتی ہے کہ ایسے کاروبار سے یا شہر اور کسب کو نقصان پہنچتا اور بازار کے نرخ پر برا اثر پڑتا ہو، یا فروخت کرنے والوں کو دھوکے میں ڈالا اور بازار کے نرخ کے بارہ میں ان کو مغالطہ دیا گیا ہو، اور اگر یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو پھر یہ بیجا نفع خوری میں داخل نہیں ہوگا۔ اور اسی قسم کی ایک شکل کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جملوں میں ظاہر فرمایا ہے۔

| | |
|---|---|
| نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یبیع حاضر لباد۔ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ شہری گاؤں والوں کے لئے بیع و شراء کا معاملہ نہ کرے۔ |

اسلام کے اقتصادی نظام کی اصطلاح میں "بیع حاضر للبادی" کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کا تجارتی مال شہر میں موجود ہے مگر وہ بیجا نفع خوری کے لئے شہر والوں کی حاجت و ضرورت کے باوجود ان کے ہاتھ فروخت نہیں کرتا بلکہ سادہ لوح دیہاتیوں میں جا کر گراں قیمت پر فروخت کرتا ہے یا شہریوں اور دیہاتیوں کے درمیان خرید و فروخت میں مانع ہو کر دیہاتیوں کی جانب سے خود ذمہ دار بن جاتا اور گراں قیمت پر اشیاء خرید کراتا ہے۔ پس اگر یہ معاملہ جانبین میں سے کسی کے لئے بھی نقصان اور ضرر کا باعث ہے تو اس قسم کا کاروبار ممنوع ہے ورنہ اگر محض سمسار (دلال) کی حیثیت سے حصول نفع مقصود ہے اور متعاقدین کے لئے باعث مضرت نہیں ہے تو درست ہے۔

بہرحال اسلام کے اقتصادی نظام میں ایسے تمام تجارتی کاروبار کو ممنوع قرار دیا گیا ہے جن میں یا قمار کی صورت بن جاتی ہو یا سود کی اور اگر یہ دونوں امور نہ ہوں تو پھر وہ نزاع اور مناقشہ کی ایسی شکلیں پیدا کرنے کا باعث اور سبب بنتے ہوں جن سے تعاونِ باہمی اور ہر دو جانب میں جائز نفع کا

Marfat.com

فقدان لازم آتا ہو اور بیجا نفع خوری کے لئے راہیں پیدا ہوتی ہوں۔

**صنعت وحرفت** وسائلِ معیشت کے شعبوں میں سے تیسرا اہم شعبہ "صنعت وحرفت" ہے، اور بے شبہ تمدن وحضارت کی ترقی میں صنعت وحرفت کو بھی نمایاں دخل ہے اور تجارت کے ساتھ ساتھ صنعت وحرفت کی برکات بھی بہت زیادہ ہیں بلکہ یہ خود تجارت کا ہی ایک اہم حصہ ہے اور تجارت کا بہت بڑا مدار اسی کی ترقی پر ہے۔

اسلام کا ابتدائی دور "مشینوں" کا دور نہ تھا، اس لئے اس ذریعہ سے صنعت وحرفت کی جو ترقیاں ہو رہی ہیں ان کا تذکرہ "ملوں اور کارخانوں" کی بحث میں آئیگا۔ مشینیں جن صنعتی اغراض کے لئے بھی استعمال کی جائیں اور آئندہ ایجادات میں کام میں لائی جائیں اور ان کے استعمال کے جو طریقے بھی بن پڑیں اسلام کے اقتصادی نظام میں ان سے متعلق اساسی وبنیادی احکام بھی آئندہ صفحات میں بیان ہوں گے لیکن دستی مصنوعات اور دستی کاروبار کے لئے اسلام نے ترغیبات کا سلسلہ بھی رکھا ہے اور اس کی انواع واقسام اور بعض جزئی تفصیلات تک کا بھی ذکر کیا ہے اور توجہ دلائی ہے کہ معاشی زندگی کی ترقی میں یہ ایک نہایت مرغوب اور پسندیدہ عملی جدوجہد ہے۔

| | |
|---|---|
| عن المقدام عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال | مقدام کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم |
| ما اکل احد طعاماً قط خیراً من ان یاکل | نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی |
| من عمل یدہ وان نبی اللہ داؤد علیہ السلام | کھانا نہیں ہے اور حضرت داؤدؑ نبی اپنے |
| کان یاکل من عمل یدہ [1] | ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ |

حضرت داؤدؑ "زرہ" بناتے اور جنگ کے لئے لوہے کی قمیص کی صنعت کا کام کرتے تھے حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

خالدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ انسان کے لئے کسبِ معاش کا کونسا ذریعہ بہتر ہے؟ فرمایا، دستکاری۔ [2]

---

[1] بخاری ابواب البیوع۔ [2] ابن ماجہ۔

Marfat.com

اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بسند منقول ہے۔

| | |
|---|---|
| کان داؤد زرّادًا و | داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے اور آدم علیہ السلام |
| کان آدم حرّاثاً وکان | کاشتکاری کرتے تھے اور نوح علیہ السلام بڑھئی کا |
| نوح نجارًا وکان ادریس | کام کرتے تھے اور حضرت ادریس درزی کا پیشہ کرتے |
| خیاطًا وکان موسیٰ | تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرانے کا |
| راعیاً۔ ؎ | کام کرتے تھے۔ |

اسلام سے پہلے "قریش" اگرچہ تجارت کے خوگر تھے اور سورۂ "ایلاف" میں گرمی و سردی کے کاروانِ تجارت کی آمدورفت کا اسی لئے تذکرہ کیا گیا ہے تاہم اس کے علاوہ بھی بعض دوسرے ذرائع آمدنی ان کی معاش کا ذریعہ تھے بلکہ بعض اوقات وہ ان کو تجارت پر بھی ترجیح دیتے تھے یعنی جوا، غارت ولوٹ، اور سودی لین دین۔

اسلام نے ان فاسد اور باطل راہوں کو بند کرکے صرف جائز طریقہ ہائے تجارت کو باقی رکھا، ان کی ترغیب دی، اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بُصریٰ کی منڈی میں حضرت خدیجہؓ کے مال کی خرید وفروخت فرمائی اور اس طرح مسلمانوں کے لئے اسوۂ حسنہ پیش فرما کر ان کو بااخلاق تاجر بنایا، بننے، سینے، جوتیاں بنانے، برتن بنانے اور اسی قسم کی گھریلو ضروریات کو خود تیار کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی، عورتوں کو کاتنے کی ترغیب دی تو مردوں کو بننے کی تلقین کی اور اس طرح دستکاری سے روزی کمانے کو دنیوی فلاح بھی بتایا اور اخروی شادکامی کی بشارتوں سے بھی نوازا۔

اسلام نے اس بارہ میں بھی صرف ترغیبات اور ضروری اصلاحات ہی تک اپنی رفتار کو محدود نہیں رکھا بلکہ تجارت اور صنعت وحرفت کی ترقی کے ذرائع کو وسیع کیا اور خلافتِ راشدہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دورِ حکومت میں عرب سے باہر ایران، شام، عراق، مصر اور روم میں

---

؎ فتح الباری ج ۴ کتاب البیوع۔

تجارتی منڈیاں قائم، اور ان کی ترقی کے لئے بہتر سے بہتر سہولتیں مہیا کی گئیں۔

**تجارت وصنعت کے عملی وسائل**

مادی ترقی کے اس دور میں تجارت وصنعت کی ترقی وکامیابی میں دو چیزوں کا بہت دخل ہے۔ (۱) شرح تبادلہ (۲) محصولات درآمد وبرآمد۔ اسلامی اقتصادی نظام کے دورِ اول میں پہلی چیز کا وجود نہیں تھا، اس لئے کہ اس زمانہ کی تجارت بیشتر اشیاء کے بدلہ میں اشیاء ہی کے ذریعہ ہوا کرتی تھی اور کہیں کہیں ٹکسالی سکہ اور چاندی، سونے کی غیر مسکوک ڈلیوں کے ذریعہ بھی لین دین ہوجایا کرتا تھا۔ اس لئے تبادلۂ سکہ جات کے جو اثرات آج کل کی تجارت پر پڑتے ہیں اور اقتصادی فلاح وبہبود یا تباہی وبربادی لاتے ہیں، اُس زمانہ میں ان کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔ البتہ دوسری چیز یعنی درآمد وبرآمد پر محصول کا سسٹم اس زمانہ میں بھی رائج تھا۔

ایک قومی وملکی حکومت اپنا فرض سمجھتی ہے کہ وہ اپنے ملک اور اپنی قوم کی تجارتی ترقی کے لئے شرح مبادلہ اور محصولات کو اس طرح قائم کرے جس سے نقصان کی بجائے فائدہ اور ناکامی کی جگہ کامیابی کے ساتھ ملک مالامال ہو، چاہے دوسرے ممالک اور دوسری اقوام کو اس کی وجہ سے کتنا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے۔

لیکن چونکہ اسلام عالمگیر پیغام اور اخوتِ عالم کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ اس لئے اس معاملہ میں وہ ایسے ترجیحی سلوک کا قائل نہیں ہے جس سے ملکوں اور قوموں کے درمیان تجارت کے نام سے معاشی دستبرد اور تجارتی حسد وبغض پیدا ہو، اور نتیجہ میں ایک کی غلامی اور دوسرے کی آقائی یا ایک کی خوشحالی اور دوسرے کی تباہی ظاہر ہو۔ اس لئے اس نے تجارت کے محصولات کے بارہ میں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا جس سے دوسروں کو نقصان پہنچے اور درآمد وبرآمد پر اس قسم کی پابندیاں نہیں عائد کیں جو اس مہذب دور کی حکومتوں نے استحصال بالجبر کے لئے ایجاد کرلی ہیں اس نے تو فطری تقاضے کے مطابق یہی فیصلہ دیا ہے کہ تجارت معاشی ذرائع میں سے ایک بہترین ذریعہ ہے لہذا اس کو اپنے اور پرائے کا فرق کئے بغیر ٹیکسوں اور محاصل سے معاف رکھا جائے

Marfat.com

تاکہ خدا کی کائنات کے مختلف حصوں کی مخصوص اشیاء دوسرے حصوں میں آسانی کے ساتھ لی دی جاسکیں۔ اور خدا کی تمام مخلوق، محبت اور پریم کے ساتھ ایک دوسرے کا تعاون حاصل کر سکے اور خالقِ کائنات کی یہ ساری کائنات ایک برادری اور ایک ہی کنبہ بن جائے، لیکن جب تک یہ صورتِ حال نہ پیدا ہو اس وقت تک اپنی جماعتی زندگی کی فلاح کے لئے مساویانہ سلوک پر عملدرآمد کیا جائے۔ لہٰذا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب عراق اور شام کے گورنروں نے یہ اطلاع دی کہ نصاریٰ و یہود کے ممالک میں جو مسلمان تاجر جاتے ہیں اُن سے مالِ تجارت پر محصول لیا جاتا ہے، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ حکم دیا کہ اگر وہ ہمارے ملکوں میں مالِ تجارت لیکر آئیں تو جس حساب سے وہ ہمارے تاجروں سے محصول لیتے ہیں اسی حساب سے اُن سے بھی محصول لیا جائے اور اس کا اصطلاحی نام عشور رکھا گیا۔

| | |
|---|---|
| وکان مذھب عمر فیما وضع من ذلك | حضرت عمرؓ کا یہ مذہب ہے کہ وہ مسلمانوں سے |
| انه کان یاخذ من المسلمین الزکوٰۃ | زکوٰۃ لیتے تھے اور اہلِ حرب سے عشور وصول |
| ومن اھل الحرب العشر تاما لانھم | کرتے تھے۔ اس لئے کہ حربی حکومتوں کا یہ |
| کانوا یاخذون من تجار المسلمین | دستور تھا کہ جب مسلمان تاجران کے ملکوں |
| مثلہ اذا قدموا بلادھم۔ | میں جاتے تو اسی طرح کا محصول وہ ان سے |
| لہ | وصول کرتی تھیں۔ |

اور اس کے باوجود حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ تھا کہ ایک تاجر سے سال میں صرف ایک ہی مرتبہ لیا جائے خواہ وہ سال کے اندر متعدد بار مال درآمد و برآمد کیوں نہ کرے نیز پھلوں پر محصول معاف تھا۔

مسطورہ بالا امور کے علاوہ خلافتِ اسلامیہ نے اور دوسرے طریقوں سے بھی تجارت و صنعت کو فروغ دیا اور اقتصادی حالت کو ترقی دینے کی راہ اختیار کی۔ مثلاً

(۱) اسلام سے پہلے عرب کی تجارت کا بہت بڑا تعلق مصر، روم، ایران اور ہندوستان کے

لہ کتاب الاموال لابی عبید ص ۵۲۱۔

Marfat.com

ساتھ تھا اور اس کے لئے انھوں نے حسب ذیل مقامات میں منڈیاں قائم کر رکھی تھیں۔ [۱]

دومۃ الجندل، مشقر، ہجر، صحار، ریا، شحر، عدن، صنعا، رابیہ، حضر موت، عکاظ، ذوالمجاز، بصری

اسلامی خلافت نے بھی ان کو باقی رکھا اور جلیل القدر صحابہؓ نے خود بھی کاروبار کیا اور قرآن عزیز نے وابتغوا من فضل اللہ کہہ کر اس کو اور زیادہ مضبوط بنا دیا، مدینہ طیبہ کے مقام سُنح میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کپڑے کا گودام اور کارخانہ تھا۔ [۲] حضرت عمرؓ کی تجارت کا تعلق حجاز سے لیکر ایران تک وسیع تھا۔ [۳] حضرت زبیرؓ کی بھی کپڑے کی تجارت تھی اور شام کے ساتھ بیوپار کرتے تھے۔ خاص حجاز میں "عکاظ" کی منڈی ۱۲۹ھ تک قائم رہی۔ [۴]

حضرت عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید کا تجارتی کاروبار حبشہ میں نجاشی اور اس کے اعیانِ سلطنت کے ساتھ چلتا تھا۔ [۵] اور اس طرح بیشتر صحابہ تجارتی کاروبار میں مشغول تھے۔

اسی طرح مدینہ طیبہ میں یہود کی تجارتی منڈیاں اور صنعت و حرفت کے کارخانے تھے انصار مدینہ نے صنعت و حرفت کا کام اُن ہی سے سیکھا اور اسلام قبول کرنے کے بعد پھر انہی کے ہاتھ میں یہ کام آ گیا، یہود نے ان کو کپڑا بُننا، رنگ سازی، تلواریں، زرہ اور دیگر آلات جنگ، نیز کاشتکاری کے آلات بنانا سکھایا۔ [۶]

بری تجارت کے علاوہ بحری تجارت کا بھی یہی حال تھا چنانچہ اسلام سے پہلے اور اسلام کے زمانہ میں اہلِ عرب کی تجارتی برآمد میں سونا، چاندی، تانبا، موتی، لوہا، جواہرات، خوشبوئیں، کھانے کا مسالہ، چمڑا، کھال، زین پوش، بھیڑ اور بکری تھے۔ اور درآمد میں دوسرے ملکوں سے کپڑا، غلہ، ہتھیار، آئینہ اور دوسری آرائش کی چیزیں، مشک، سیاہ مرچ، عودِ ہندی، قسط ہندی، تمر ہندی، کافور، زنجبیل، صندل، ناریل اور لونگ وغیرہ اشیاء تھیں، قرآنِ عزیز نے بحری تجارت کے متعلق ایک جگہ اس طرح ترغیب دی ہے۔

---

[۱] الاسلام والحضارۃ العربیہ ج ۲ ص ۱۱۶۔ از تاریخ یعقوبی ج ۱۔ [۲] ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۱۔ [۳] الاسلام والحضارۃ العربیہ ج ۲ ص ۱۰۸۔ [۴] مسند احمد ج ۱ ص ۶۲ و ج ۳ ص ۳۴۷۔ (حدیث متعلقہ جبہ سندسی) [۵] فتح الباری ج ۳ ص ۴۴۹
[۵] فتح الباری ج ۳ ص ۴۶۹۔ [۶] الاسلام والحضارۃ العربیہ ج ۱ ص ۱۳۰۔

Marfat.com

وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ    اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ سمندر میں پانی پھاڑ کر چلتی
لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ (فاطر)    ہیں تاکہ تلاش کرو اس کے فضل (تجارت) کو۔

ان تفصیلات کے ذکر سے یہ مقصد ہے کہ تجارت اور صنعت و حرفت جو اقتصادی نظام کی جان ہے، اسلام نے اپنے اقتصادی نظام میں اس کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا اور اس کو فروغ دینے اور کامیاب بنانے میں امکانی کوشش کی۔ بلکہ اسلامی حکومت نے کہ جس کا ابتدائی مرکز حکومت سرزمین حجاز تھا، تجارت اور صنعت و حرفت ہی کو اقتصادی زندگی کا سب سے بڑا ذریعہ تسلیم کیا اور اسلامی روایات نے مذہبی بشارات کے ساتھ اس کی پرزور تائید کی۔

حاصل کلام یہ کہ اسلام کے معاشی نظام نے تجارت اور صنعت و حرفت کے بارہ میں یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ تجارت و صنعت اصولاً محاصل کی پابندی سے آزاد ہوں ورنہ کم از کم سخت پابندیوں، سخت ڈیوٹیوں اور سخت محصولات سے بلاشبہ آزاد ہونی چاہئیں تاکہ دنیا میں عام خوشحالی اور فارغ البالی پیدا ہو اور ہر شخص کو سامانِ معیشت مہیا کرنے میں آسانی ہو، لیکن اس کے مقابلہ میں تہذیب کے اس دورِ جدید میں دنیا کی خوشحالی اور انسانوں کی فارغ البالی کے لئے کیا کیا سامان فراہم کئے گئے ہیں اور اقتصادیات کو مستقل علم و فن بنانے کے مدعیوں نے دنیا کی اقتصادی بدحالی کو کس حد تک دور کیا ہے؟ اس کا جواب مجھ سے زیادہ آپ دے سکتے ہیں۔

**دارالضرب یا ٹکسال**

تجارتی کاروبار اور تمام قسم کے لین دین میں "سکہ" بہت اہمیت رکھتا ہے، انسان کے ابتدائی دورِ تمدن میں چیزوں کا لین دین عموماً چیزوں ہی کے ذریعہ سے ہوا کرتا تھا اس کے بعد سونا چاندی، تانبا قسم کی دھاتوں کے ٹکڑوں کے ذریعہ ہونے لگا اور تیسرے دورِ ترقی میں "سکہ" نے ان دونوں کی جگہ لے لی۔ سکہ کے وجود میں آنے کے بعد ترقی کا ایک درجہ یہ آیا کہ دارالضرب کا مطبوعہ کاغذ "نوٹ" کے نام سے دھات کے سکہ کا قائم مقام ہو گیا اور اب یہ بحث چھڑ گئی کہ کسی ملک کی اقتصادی ساکھ جب قائم رہ سکتی ہے کہ اس کے دارالضرب میں وہ دھات جو سکہ کا معیار قرار دی گئی ہو اتنی مقدار میں موجود ہو جس مقدار میں نوٹ جاری کئے گئے ہیں۔

Marfat.com

لیکن اس ترقی کے نتائج جس قدر تباہ کن ثابت ہوئے ہیں وہ آفتاب کی طرح روشن ہیں کیونکہ یہ ایجادِ نو ایک ایسا حربہ ہے کہ محض محکوم اقوام کی اقتصادی حالت ہی کو برباد نہیں کر رہا ہے بلکہ رقیب حکومتیں ایک دوسرے کو تباہ کرنے کے لئے ان دو حربوں ہی سے کام لیتی رہتی ہیں جو بیجا شرح مبادلہ اور کاغذی سکہ کے نام سے مشہور ہیں۔

ممکن ہے کہ زمانہ کی بعض ضروریات اس مہلک ایجاد کے جواز کے لئے معقول دلائل و وجوہ بیان کر دیں لیکن پھر بھی یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اس کا نقصان اور ضررِ عظیم اس کے فائدہ سے بہت زیادہ ہے۔

واثمھما اکبر من نفعھما — اور ان دونوں کا نقصان ان کے نفع سے بڑھا ہوا ہے۔

اس لئے اسلامی اقتصادی نظام ایسے "کاغذ" کو سند تو تسلیم کر سکتا ہے لیکن "سکہ" تسلیم نہیں کر سکتا تاکہ کسی وقت بھی اس کاغذ کا مالک کاغذ کی اصل سے محروم نہ رہ جائے اور کسی قوم یا ملک کو اس راہ سے برباد و تباہ کرنے کا حیلہ ہاتھ نہ آجائے جیسا کہ آج محکوم قوموں کے ساتھ ہو رہا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ جب غلام آباد ہندوستان میں نوٹ رائج ہوا تو علماءِ اسلام کے مابین یہ علمی بحث چھڑ گئی کہ یہ سکہ ہے یا اس کی سند ہے اور نوٹ کے ذریعہ زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے یا نہیں اور منی آرڈر کے ذریعہ "زکوٰۃ" یا کسی امانت کی رقم کو نوٹوں کی وساطت سے پہنچایا جا سکتا ہے یا نہیں، اس بارہ میں ہندوستان کے مشاہیر علماء عدمِ جواز کے قائل تھے۔

ہمارے روشن خیال حضرات کو جب اس بحث کا علم ہوا تو انھوں نے حسبِ عادت اس کا کافی مذاق اڑایا اور اس جانب مطلق توجہ نہ فرمائی کہ آخر اس بحث و مذاکرہ کی بنیاد کیا ہے؟ تاہم اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے جب اس فیصلہ سے بہت بڑا حرج ہونے لگا تو ان علماء نے اگرچہ مجبوراً عمومِ بلویٰ عام ابتلا کی فقہی اصطلاح کے مطابق جواز کا فتویٰ دیا لیکن اصل حکم کے اعتبار سے اس کو سکہ تسلیم نہیں کیا۔

خلافتِ راشدہ کے دورِ خلافت میں دار الضرب موجود تھا اور اس میں سکے ڈھالے جاتے تھے۔ سونے اور چاندی کے سکے قسم قسم کے رائج تھے جو درہم و دینار کے نام سے موسوم تھے۔

| | |
|---|---|
| وضرب الدراهم علی النقط الفارسی | حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکومتِ فارس کے طرز پر سکوں کے |
| وزاد فی بعضہا الحمد للہ وفی | لئے دار الضرب قائم کیا اور بعض سکوں پر "الحمد للہ" اور |
| بعضہا محمد رسول اللہ [۱] | بعض پر "محمد رسول اللہ" کے نقش کا اضافہ کیا۔ |

مقریزی نے کتاب النقود الاسلامیہ میں تصریح کی ہے کہ دورِ اسلام میں حضرت عمر (رضی اللہ) پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے چاندی، سونے کی سادہ ڈلیوں کو مدور سکوں میں تبدیل کیا جو نوشیروانی سکوں کے مشابہ تھے اور بعض پر "لا الہ الا اللہ وحدہ" بعض پر "الحمد للہ" اور بعض پر "محمد رسول اللہ" نقش کرایا اور یہ کہ ان کے زمانہ میں دس درہم کا مجموعی وزن چھ مثقال کے برابر ہوا کرتا تھا۔[۲]

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے بصرہ میں حضرت علی (رضی اللہ) نے ۴۰ھ میں چاندی کا سکہ ڈھالنے کے لئے دار الضرب قائم کیا۔[۳] اور بستانی کی دائرۃ المعارف میں ہے

| | |
|---|---|
| درہم ادرہما اسم لمضروب | درہم چاندی کے سکہ کو کہتے ہیں جو دار الضرب میں |
| مدور من الفضۃ والمشہور | ڈھالا گیا ہو اور مدور ہو اور مشہور یہ ہے کہ اس گول سکہ |
| ان تدویرہ فی خلافۃ الفاروق | کی شکل میں حضرت فاروق کے زمانہ میں دی گئی ہے |
| وکان قبلہ علی شکل النواۃ | ورنہ اس سے قبل وہ غیر منقش کھجور کی گٹھلی کی شکل |
| بلا نقش الخ [۴] | میں تھا۔ |

اور عام کتبِ سیرت میں عبد الملک بن مروان کا نام لیا جاتا ہے اور بعض نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی جانب ابتدار کی نسبت کی ہے چنانچہ ماوردی کی الاحکام السلطانیہ،[۵] بلاذری کی فتوح البلدان اور ابنِ جریرؒ وابن کثیرؒ کی تاریخ میں تفصیلات مذکور ہیں۔

میرے نزدیک یہ اختلاف حقیقت پر نہیں بلکہ شہرت وعدم شہرت پر مبنی ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چاندی سونے کو خام سکوں کی شکل میں ڈھالنے کی ابتدار اگرچہ فاروقِ اعظم کے زمانہ میں ہو گئی

---

[۱] تاریخ الاسلامی السیاسی۔ [۲] ص ۴۹۵۔ [۳] اشاعت ۱۳ - ج ۱۷، ص ۹۰۴۔ [۴] ج ۷، ص ۶۷

[۵]

تھی لیکن سادہ ڈلیوں کا سلسلہ بھی برابر جاری تھا بعد میں آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہوئے عبد الملک کے زمانہ میں صرف دار الضرب (ٹکسال) کا سکہ ہی استعمال ہونے لگا چنانچہ مذہب واخلاق کی دائرۃ المعارف سے یہی پتہ چلتا ہے۔ ؎۱

دار الضرب (ٹکسال) کی حیثیت؟

چونکہ سکہ عوام کی کاروباری زندگی کی سہولت کا ایک ذریعہ ہے اس لئے اس کے دار الضرب کا مقصد نفع عوام ہے نہ کہ حکومت کا مخصوص شعبۂ آمدنی، اس لئے اسلامی نظامِ اقتصادی میں ٹکسال کو صرف حکومت کے خزانہ ہی کے لئے مخصوص نہ ہونا چاہئے بلکہ عوام کو یہ سہولت ہونی چاہئے کہ اگر وہ اپنی مملوکہ دھات سے مروجہ سکہ کو مسکوک کرنا چاہیں تو کرا سکیں چنانچہ فتوح البلدان میں مروان بن الحکم کے دار الضرب سے متعلق تصریح ہے کہ وہ حکومت اور عوام دونوں کے لئے عام تھا۔ ؎۲

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں

(۱) شرح مبادلہ "امام" اور اس کی "مجلس شوریٰ" کی رائے پر اصولِ بالا کی روشنی میں موقوف ہے کہ وہ عام اقتصادی ترقی کے لئے جو صورت بھی مفید سمجھیں اختیار کریں۔

(۲) محصولات یعنی کسٹم ڈیوٹی وغیرہ میں اپنی جانب سے سختی کا قائل نہیں ہے اور اپنے نظام میں تجارت کو وسعت دینے کے لئے "بے قید تجارت" کا حامی ہے۔ لیکن اس نظریہ کی ہمہ گیری اسی وقت ممکن ہے کہ اس کی تعلیمِ حق کی طرح اس کا نظامِ حکومت بھی عالمگیر ہو اور جب تک یہ صورتِ حال موجود نہیں ہے اس وقت تک کے لئے وہ دوسرے ممالک اور اپنے ممالک کے درمیان انصاف کے مطابق معاملہ کو اختیار کرنا پسند کرتا ہے، وہ نہ دوسروں کو نقصان دینے کا خواہشمند ہے اور نہ خود اپنے لئے مضرت قبول کرنے پر آمادہ ہے۔

علی پاشا مصری اقتصادی بحث میں لکھتے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ ان جیسے اقتصادی مسائل میں مشہور و معروف مذاہب دو ہیں اول مذہب حریت

؎۱ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجز اینڈ ایتھکس ج ۳ ص ۷۰۶۔ ؎۲ ص ۴۵۴۔

Marfat.com

(آزاد تجارت) اس مذہب کا دعویٰ یہ ہے کہ اجنبی برآمد پر کسی قسم کا ٹیکس نہ لگایا جائے اور تجارت کو آزاد چھوڑ جائے۔ اجنبی پیداوار اور حاصلات کی چونکہ انگریزوں کو بہت ضرورت ہے اس لئے ان کے اکثر ممالک کی اقتصادی پالیسی یہی ہے اور جب اس مذہب کے مدعی غیر ممالک کے مال پر ٹیکس کے قایل نہیں ہیں تو اندرونِ ملک کی مصنوعات پر تو کسی طرح ٹیکس کو جائز نہیں سمجھتے دوسرا مذہب حمایت (ترجیحی تجارت) اس مذہب کا دعویٰ یہ ہے کہ جب کسی ملک میں مصنوعات کی کثرت ہو جاتی ہے تو اس کی قوت اور نفوذِ قوت بہت ترقی کر جاتی اور بہت موثر ہو جاتی ہے، اس لئے قومی حکومت کا فرض ہے کہ اپنی ملکی مصنوعات کی حفاظت کرے اور ان کو مقدم رکھے اور اس کے ساتھ ترجیحی سلوک کرے (یعنی غیر ملکی تجارت پر بھاری ٹیکس لگائے)۔ [۱]

ان میں سے دوسرے نظریہ میں اقتصادی کشمکش اور ملکی و بین الاقوامی عناد و بغض کی بو آتی ہے اور پہلا نظریہ اگرچہ صحیح ہے لیکن اس کے تسلیم کرنے والی اقوام کا عمل اس کے خلاف سخت منافقانہ ہے اور وہ دوسرے نظریہ کے قائلین سے زیادہ محکوم اقوام سے اپنے لئے ترجیحی سلوک کرانے اور ان سے فائدہ اٹھانے بلکہ ان کو تباہ کرنے کے لئے آزاد تجارت کی حمایت کرتی ہیں۔ ہندوستان میں برطانوی تجارتی پالیسی اس کی روشن مثال ہے۔

اس لئے جب تک تمام دنیا کی قومیں اخلاق کی اس مثلِ اعلیٰ تک نہ پہنچ جائیں جو بمصداق فرمانِ مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم)

کلکم بنی آدم و آدم خلق من تراب (مسند بزار) — تم سب ایک باپ آدم کی اولاد ہو اور آدم کی تخلیق مٹی سے کی گئی ہے۔

الخلق عیال اللہ (الحدیث) — تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔

اخوت اور مساواتِ انسانی کا بلند درجہ ہے، اس وقت تک اقتصادی نظام کے لئے بہتر طریق کار یہ ہے کہ ایک طرف اسلام کے معاشی نظام کی جانب سے یہ سعی رہنی چاہئے کہ تجارت جیسی

---

[۱] خواطر فی الفضا والاقتصاد والاجتماع ص ۲۱۱ و ۲۱۲ مختصراً۔

مفید چیز" آزاد ہو، اور اس سے سب کو حسب ضرورت فائدہ اٹھانے کا موقعہ میسر آئے اور اُس مبارک وقت کے آنے تک غیر مسلم اقوام سے عدل وانصاف کے ساتھ مساویانہ تجارتی تعلقات قائم رہیں چنانچہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمانِ ذیشان ہمارے اس دعوے کی روشن مثال ہے [1]

**تجارتی بدعنوانیوں کا انسداد**

تجارت کو اقتصادی نظام کا اہم جز قرار دینے اور اپنے نظام میں تجارتی سہولتیں اور جائز آسانیاں بہم پہنچانے کے باوجود اسلام کا اقتصادی نظام ان تمام بدعنوانیوں کا سدِباب کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے جو درحقیقت "اقتصادی نظام" کے مقصد اور نصب العین کو تباہ و برباد کرنے کا باعث بنتی ہیں اور تجارت کے نام سے عام بدحالی اور قابلِ نفرت سرمایہ داری کو فروغ دیتی ہیں۔ اقتصادی نظام کو برباد کرنے اور اس کو کھوکھلا بنانے میں بدعنوانیوں کی جس قدر بھی تفصیلات و جزئیات ہو سکتی ہیں وہ صرف دو بنیادوں پر قائم ہیں، اسلام نے اپنی اصطلاح میں ان کو دو خصوصی نام سے موسوم کیا ہے۔

(۱) احتکار (۲) اکتناز

احتکار سے مراد یہ ہے کہ دولت سمٹ کر کسی ایک ہی طبقہ میں محصور و محدود ہو جائے اور اکتناز کے معنی یہ ہیں کہ دولت کے عظیم الشان خزانے افراد کے پاس جمع ہو جائیں اور ان کے پھیلاؤ اور تقسیم کی کوئی راہ باقی نہ رہے، اسلام نہ اس کو منظور کرتا ہے اور نہ اُس کو، اس لئے وہ ہر معاشی و اقتصادی شعبہ میں ان دونوں کے خلاف قانون سازی کے ذریعہ جہاد کرتا اور ان دونوں ملعون راہوں کو بند کرتا ہے۔

احتکار کے سلسلہ میں ارشاد نبویؐ ملاحظہ ہو۔

| | |
|---|---|
| قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ احتکار |
| من احتکر فھو خاطئ [2] وفی روایۃ | کرنے والا خطاکار ہے۔ اور ایک جگہ فرمایا کہ |
| المحتکر ملعون۔ [3] | اس پر خدا کی پھٹکار ہے۔ |

"فقہ" میں احتکار سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص "غلہ" وغیرہ کو بہت بڑی مقدار میں اس لئے

[1] کتاب الاموال لابی عبید ص ۵۲۱۔ [2] مسلم ابوداؤد، ترمذی، کتاب البیوع [3] طیبی شرح مشکوٰۃ کتاب البیوع

Marfat.com

خرید لے کہ بازار گراں ہو جائے اور پبلک میں اس چیز کی مانگ کا مرکز صرف وہی بن جائے اور پبلک اس کے مقررہ نرخ پر مجبور ہو جائے۔ اور وہ من مانی گراں فروشی کر سکے۔

اس "احتکار" کی مثال کے لئے اس زمانہ میں زیادہ کُنج دکاؤ کی چنداں ضرورت نہیں ہے مہاجنوں کا گروہ جو کاشتکاروں کو قرض کے نام سے سود پر روپیہ دے کر ان کی کمائی کو "غلہ کی شکل میں" دستبرد کرتا اور ان سے ارزاں نرخ پر خرید کر کھتیوں (غلہ کے خزانوں) میں بھر رکھتا ہے اور اس طرح ارزانی و گرانی کا کفیل بن جاتا ہے۔ "احتکار" کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اس گروہ کے اس عمل سے کاشتکار اور عوام الناس جس قدر پریشان ہوتے اور بعض موسموں میں اقتصادی بدحالی کے شکار بنتے رہتے ہیں اس کا نتیجہ بد ہندوستان کے باشندوں کے سامنے شاہد عدل ہے۔

سودی لین دین کے بعد اگر کوئی معاملہ عام بدحالی کا باعث ہے تو وہ یہی تجارتی کاروبار ہے جو اجناس و اشیاء کے احتکار کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

قمار یا سٹہ "احتکار" کی دوسری جزئی "قمار" ہے اس سے ہماری مراد صرف "جوئے" کی وہ عام شکل نہیں ہے جو نقد کے ذریعہ کھیلا جاتا ہے بلکہ وہ تمام صورتیں اس میں شامل ہیں جو تجارت کے نام سے کی جاتی ہیں، لیکن حقیقت میں قمار ہی کی قسمیں کہلاتی ہیں۔ مثلاً "سٹہ" آپ اگر کاروبار سے واقف ہیں تو اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ "تجارتی جوا" ملک کے اقتصادی نظام کو کس طرح تباہ اور پراگندہ کرتا، اور بغیر محنت نفع حاصل کرنے کے لالچ میں کس طرح ہزاروں گھروں کو خانماں برباد کر کے چھوڑتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں اس کی بہت سی شکلیں رائج تھیں مثلاً ملامسہ، منابذہ، بیع حصاۃ وغیرہ ملامسہ کا طریقہ یہ تھا کہ بائع و مشتری کے درمیان یہ طے ہو جاتا تھا کہ بغیر دیکھے اور حقیقت معلوم کئے ہوئے مشتری جس کپڑے یا شے کو چھو دے گا وہ اس کا مالک ہے اور منابذہ میں یہ طے ہوتا تھا کہ جو کپڑا یا شے بائع، مشتری کی جانب پھینک دیگا وہ بغیر معاملہ کے مشتری کی چیز سمجھا جائیگا اور بیع حصاۃ یہ ہوتی تھی کہ متعدد اشیاء فروخت کے نام سے رکھدی جائیں اور لوگ ٹھکری یا اسی قسم کی کسی شے کو ان کی طرف پھینکیں جس چیز کو وہ ٹھکری چھو جائے خواہ وہ کسی قیمت کی ہو مشتری کی

Marfat.com

ملکیت ہو جائے گی۔ موجودہ دورِ ترقی کے مہذب تجارتی جوئے لاٹری اور ریس، سب اسی قسم کے معاملات میں داخل ہیں۔

اسلام ان کو "میسر" قمار اور جوا قرار دیتا ہے اور اس قسم کے تمام معاملات کو با اصول تجارت کے لئے تباہ کن سمجھتا، اور معاشرتی تباہی کا پیش خیمہ یقین کرتا ہے اور ان باتوں کے علاوہ سوسائٹی کے اخلاق اور کیرکٹر کے لئے باعثِ ذلت و رسوائی جانتا ہے۔

کیونکہ یہ معاملات اکثر جنگ و جدل کا باعث بنتے ہیں۔ مواساۃ، رواداری، ہمدردی، اور مروت کو تباہ اور دوسرے کی تباہی میں اپنا فائدہ سمجھنے کی ترغیب دے کر انسانی جوہر کو برباد کرتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| یسئلونک عن الخمر والمیسر | (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) وہ آپ سے شراب اور قمار کی بابت پوچھتے |
| قل فیھما اثم کبیر۔ (بقرہ) | ہیں، آپ فرما دیجئے ان دونوں چیزوں میں بہت بڑا گناہ ہے |
| انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس | بلا شبہ شراب، جوا، بت، پانسے یہ سب سرتاسر |
| من عمل الشیطان فاجتنبوہ (مائدہ) | نجاست ہیں اور کارِ شیطان ہیں پس تم ان سے بچو۔ |
| انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم | بلاشبہ شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کی راہ سے |
| العداوۃ والبغضاء فی الخمر و | تمہارے درمیان بغض و عداوت قائم کردے اور تم کو اللہ |
| المیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن | کی یاد اور نماز سے روک دے۔ پس کیا تم ان برائیوں |
| الصلوۃ فھل انتم منتھون (مائدہ) | سے باز رہو گے؟ |

حکیم الامۃ شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس قسم کے معاملاتِ قمار کی مضرت کی حکمت اس طرح بیان فرماتے ہیں:

• اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا اور بساطِ ارض پر ان کی معاش کا انتظام فرمایا اور اس سے نفع حاصل کرنے کا ان کو موقع بہم پہنچایا تو انسانوں کے درمیان جنگ و جدل اور کشمکش برپا ہو گئی۔ تب خدا کے قانون کا یہ فیصلہ ہوا کہ جو شخص ذاتی محنت، وراثت یا دوسرے کسی جائز اور صحیح طریق سے کسی چیز کا مالک ہے اس کی چیز میں دوسرا کوئی شخص مزاحمت اور کشمکش کا حقدار نہیں ہے۔ البتہ دوسرے کو بدل کے ذریعہ خریداری اور معتبر و صحیح رضامندی کے ساتھ

Marfat.com

معاملت سے اس چیز کو حاصل کرنے کا حق ہے بشرطیکہ خرید و فروخت کرنے والوں کے درمیان اس معاملہ کا علم یقینی ہو اور فریب چالبازی اور دغل فصل کا اس میں ہرگز کوئی شائبہ نہ ہو اور جبکہ انسان مدنی الطبع ہے اور اس کی معیشت باہمی تعاون کے بغیر ناممکن ہے تو حق تعالیٰ نے باہمی تعاون و معاونت کو بھی ضروری قرار دیا ہے پس اگر کوئی معاملہ اس طرح کیا جائے جس میں نہ صحیح بدل موجود ہو اور نہ باہمی تعاون پایا جاتا ہو بلکہ دوسرے کو نقصان دیکر نفع حاصل کرنا مقصود ہو جیسے "قمار" یا اس میں صحیح رضا مندی موجود نہ ہو جیسے سود تو یہ تمام طریقے باطل اور ظلم ہیں اور ایسے معاملات ناجائز اور حرام ہیں۔[1]

بہرحال اسلام کے اقتصادی نظام میں اس قسم کے تمام تجارتی کاروبار کے لئے مطلق کوئی جگہ نہیں ہے جو یا صریح "قمار" ہوں اور یا ان کی تہ میں مالی ترقی کا وہی جذبہ کارفرما ہو جو "قمار" میں پایا جاتا ہے اور اگر علم الاقتصاد اور علم الاخلاق دونوں کے ماہرین سے اس بارہ میں دریافت کیا جائے تو بغیر کسی اختلاف کے وہ بھی یہی رائے دیں گے بلکہ رائے دے چکے ہیں کہ "قمار" کی قسم کے تمام معاملات اجتماعی زندگی اور سوسائٹی کے لئے تباہ کن ہیں۔[2]

غرض احتکار کی یہ دوسری قسم ہے جو اس لئے ممنوع ہے کہ یہ بھی دولت اور سرمایہ کو بعض افراد یا گروہ میں مخصوص کر دینے کا باعث بنتی اور ایک کو تباہ و برباد کرکے دوسرے کے فائدہ کی صورت نکالتی ہے اور یہ اخلاق اور انسانیت کی نگاہ میں سب سے بڑا جرم اور سوسائٹی کی نظر میں ناقابل معافی گناہ ہے۔

سود | احتکار کی سب سے ملعون قسم "سودی لین دین" ہے۔ جس اقتصادی نظام میں اس کا عمل دخل ہے وہ یکسر برباد اور تباہ ہے، یہ کروڑوں انسانوں کو مفلس و محتاج بنا کر ایک مخصوص طبقہ میں دولت کو سمیٹتا اور ان کو اس کا واحد اجارہ دار بنا دیتا ہے۔

ابتداء عالمِ انسانی سے ہمیشہ دو نظریے کارفرما رہے ہیں، ایک "عادلانہ نظام کا نظریہ" اور دوسرا "سرمایہ دارانہ نظام کا نظریہ"۔

[1] خلاصہ باب اقتضاء الرزق ج ۲ ص ۱۰۳ مصری۔ [2] دائرۃ المعارف فرید وجدی نصف دوم ج ۷ ص ۹۴۴ و ۹۴۳۔

Marfat.com

پہلے نظریہ کا مطالبہ یہ ہے کہ انسانوں میں ایک ایسا اجتماعی نظام قائم ہو جس میں نہ بڑے بڑے کروڑپتی ہوں اور نہ مفلس و محتاج طبقے بلکہ ایک طرح کی درمیانی حالت ہو جس میں معیشت کے درجات کا نظری تفاوت اگرچہ موجود ہو لیکن حقِ معیشت کی مساوات ضرور قائم ہے۔ وہ اس کا طالب نہیں ہے کہ سب کی معیشت کے سامان ایک ہی طرح کے ہوں لیکن اس کا ضرور خواہشمند ہے کہ سب کو حسب ضرورت ملے اور ترقی و سعی کی راہیں سب پر یکساں طور پر کھلی ہوں۔

حق اور خدا کے فرستادہ سچے مذاہب ہمیشہ اسی نظریہ کے داعی رہے ہیں اور اسلام نے اسی نظریہ کو کامل اور مکمل نقشہ کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

دوسرے نظریہ کا مطالبہ یہ ہے کہ دنیا کے کارخانے میں قدرت کے ہاتھوں نے معاشی نقطہ نظر سے انسانی مخلوق کو دو حصوں پر تقسیم کیا ہے کچھ خدائی اور آقائی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور کچھ بندگی اور محکومی کے لئے۔ اسی طرح قدرت کا یہ منشا ہے کہ بعض انسانی گروہ دولت و ثروت کے مستقل اجارہ دار ہوں، جائز و ناجائز طریقوں سے دولت کو فراہم کریں اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو صرف اپنے ہی لئے مخصوص کرلیں اور بعض طبقے مفلس، محتاج، دریوزہ گر اور نانِ جویں سے ہمیشہ مجبور و مقہور رہیں، اور تفاوتِ درجات کے اس ہولناک فرق کو اعتدال پر لانے کا کسی کو بھی حق نہ ہو، یہ نظریہ طاغوتیوں اور آدم رو شیاطین کا ہے اور ان کے اس نظریہ کی عملی کامیابی کی سب سے بڑی بنا ہی "مہاجنی سود" ہے، جو مہذب اور غیر مہذب شکلوں میں بڑے بڑے گروہوں اور جماعتوں کا خون چوس کر ایک چھوٹی جماعت کو قارون کا خزانہ بخشتا ہے، اور خدا کی مخلوق میں سے ایک کو دوسرے کا محکوم بناتا ہے۔ بہرحال "سود" ملعون سرمایہ داری کے لئے ہمیشہ سے بہت بڑا پشت پناہ رہا ہے۔

اسلام کی دعوت کا مرکز اولین "عرب" بھی اس لعنت میں گرفتار تھا اور مشرکین عرب "تجارت" اور "سود" میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ اور ہندوستان کے مہاجنوں اور دنیا کے سودخوار یہودی گروہوں کی طرح وہ بھی اس لین دین کو اپنی فرزانگی اور بیدار مغزی کا ہنر جانتے تھے۔

قالوا انما البیع مثل الربوا (بقرہ) وہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت اور تجارتی کاروبار اسی طرح کی چیز ہے جیسا کہ سود کا لین دین۔

Marfat.com

گویا ان کی نگاہ میں "سود" کا کاروبار ایسا صحیح کاروبار تھا کہ وہ بیع وشرا اور تجارتی لین دین کے جواز کے لئے اس کو دلیل بناتے تھے، چہ جائیکہ اس کو ناجائز اور حرام سمجھتے، یا معذرت کے طور پر یہ کہتے کہ جس طرح تجارت درست ہے اسی طرح سودی لین دین بھی کیوں درست نہ ہو؟

اگر آج بھی سود خوار جماعتوں سے سود کے جواز میں دلیل طلب کرو گے تو ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد ان کا وہی جواب ہوگا جو ان کے پیشروؤں نے دیا تھا۔

**ربوا یا سود کی حقیقت**

"ربوا" کے لغوی معنی کسی شے کے بڑھنے یا زیادہ ہونے کے ہیں اور ظاہر ہے کہ کسی شے کے مطلق بڑھنے یا زیادہ ہونے کو "اصطلاحی ربوا" نہیں کہہ سکتے اور نہ اس پر حرمت کا اطلاق جائز ہو سکتا ہے بلکہ "ربوا" مال میں ایک خاص قسم کے نفع یا زیادت (اضافہ) کا نام ہے جو کاروباری دنیا کی نگاہ میں بیع وشرا کی طرح ایک جائز معاملہ سمجھا جاتا تھا مگر اسلام نے کائناتِ انسانی کی فلاح وبہبود اور نظامِ معیشت میں رفعتِ اخلاق اور باہمی اخوت ومواسات کی بقا کی خاطر حرام قرار دیا ہے اور نہ صرف ان ہی خاص شکلوں کی ممانعت کی ہے جو دعوتِ اسلام سے قبل جاری تھیں بلکہ اپنی جانب سے ایسے اصول بیان کئے جن کے زیرِ اثر قرض اور بیع وشرا دونوں میں شائبہ سود و ربوا کا کلیتہً انسداد کر دیا تا کہ اسلام کا معاشی نظام ربوا اور شائبہ ربوا دونوں سے پاک اور بالاتر ہو جائے۔ کیونکہ اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں اہلِ عرب ربوا یا سود کو صرف "قرض" کے اندر ہی محدود سمجھتے تھے اور بیع وشرا یا تجارتی کاروبار کو غیر مشروط طور پر جائز قرار دیتے تھے۔ اس لئے جب ان کے سامنے اسلام کا نظریہ "حرمتِ سود" آیا تو کفارِ عرب نے فوراً یہ کہہ دیا کہ بیع (خرید وفروخت) جس سے نفع کی توقع کی جاتی ہے ——— یہ بھی تو سود ہی کی طرح کا ایک معاملہ ہے پس اگر نفع وزیادت سود کو حرام قرار دیتی ہے تو بیع وشرا کو بھی حرام ہونا چاہئے۔ ان کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ قرض کے ماسوا کاروبار تجارت میں بھی ربوا (سود) کا سوال پیدا ہو سکتا ہے۔

غرض اسلام کے معاشی نظام میں "اصطلاحی ربوا" کا اطلاق مروجہ مہاجنی سود سے زیادہ وسیع اور معاملۂ قرض اور معاملۂ تجارت دونوں سے وابستہ ہے۔

Marfat.com

مہاجنی سود ابھی ذکر ہو چکا کہ اہلِ عرب قرض اور دین کے ذریعہ جو نفع کماتے تھے صرف اس کو ربوا یا سود سمجھتے اور اس کے جواز کے قائل تھے اور یہ وہی معاملۂ ربوی تھا جس کو آج "مہاجنی سود" سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ آج کی طرح مشرکینِ عرب میں بھی اس لین دین کے مختلف طریقے رائج تھے۔

(۱) ایک طریقہ یہ تھا کہ صاحبِ ضرورت کو نقد روپیہ قرض دیتے اور ایک مدت معین کر کے فی روپیہ کچھ مقدار سود کی لگاتے تھے۔

(۲) دوسری صورت یہ تھی کہ جب معین مدت ختم ہو جاتی تو سود اور اصل قرض کو ملا کر اپنی اصل رقم قرار دیتے اور پھر اس مجموعہ پر سود لگانا شروع کر دیتے اسی کا نام "سود در سود" ہے۔

(۳) زیور، ہتھیار، یا اسی قسم کی اشیار رہن رکھتے اور ان کے عوض قرض دیتے اور اگر معین مدت میں قرضدار قرض ادا نہ کر سکتا تو روپیہ پر سود لگاتے اور اشیار کی قیمت کم سے کم قرار دے کر ان کو ہضم کر جاتے۔ فقہار کی اصطلاح میں اس کو "ربا نسیہ" کہا جاتا ہے۔[1]

اسلام نے سودی کاروبار کی ان تمام اقسام کو حرام قرار دیا اور بے محنت کی اس کمائی کو ظلم اور سُحت سے تعبیر کیا ہے۔

چنانچہ قرآنِ حکیم نے جس اعجازِ بلاغت اور حکیمانہ اسلوبِ خطابت کے ساتھ ربوا کی حرمت اور علتِ حرمت کو بیان کیا ہے وہ آپ اپنی مثال ہے۔ اس نے اول ربوا کی اس صنف کے متعلق حرمت کا فیصلہ سنایا جو زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب میں عام طریقہ پر رائج تھی اور جو آج بھی سود خوار طبقہ میں اسی طرح جاری وساری ہے اس نے واضح الفاظ میں یہ حکم دیا۔

| | |
|---|---|
| یا ایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا الربا | اے ایمان والو! تم سود در سود کو ہرگز ذریعۂ |
| اضعافا مضاعفۃ واتقوا اللہ لعلکم | معاش نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم |
| تفلحون ٥ (آل عمران) | فلاح حاصل کرو |

اور پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ مطلق سود کے متعلق صاف صاف یہ اعلان کر دیا۔

[1] احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۵۵۱

احل الله البیع وحرم — اللہ تعالیٰ نے تجارتی خرید وفروخت کو جائز کیا ہے اور
الربوا۔ (بقرہ) — سود کو ہر حیثیت سے حرام قرار دیا ہے۔

اور حرمتِ سود کے اعلان کے ساتھ ساتھ گذشتہ واجب الادا سودی رقوم کے متعلق بھی یہ بتا دیا کہ اب تک جو کچھ کر چکے ہو وہ کر چکے مگر حرمتِ سود کے بعد اب قرضداروں پر جو سود رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اور ہرگز نہ لو ورنہ تو خدا اور اس کے رسول سے جنگ مول لو۔

یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا — اے ایمان والو اگر واقعی تم مسلمان ہو تو (سود کی
ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین — حرمت کے بعد) جو سود تمہارا باقی رہ گیا ہے اس سے
فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من — درگذر کرو اور اگر تم ایسا نہ کرو تو پھر اللہ اور اس کے
اللہ ورسولہ۔ (بقرہ) — رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

اور اگر باز آجاؤ اور اس "بدکرداری" سے توبہ کر لو تو تمہارا اصل سرمایہ بہر حال واجب الادا رہے۔

وان تبتم فلکم رؤس اموالکم — اور اگر تم باز آجاؤ تو تمہارا اصل سرمایہ دلایا جائیگا (اللہ
لا تظلمون ولا تظلمون (بقرہ) — کی مرضی یہ ہے کہ) نہ تم لوگوں پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے

اور یہ سب اس لئے ہے کہ

یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقٰت — اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کی پرورش کرتا ہے
واللہ لا یحب کل کفار اثیم (بقرہ) — اور اللہ تعالیٰ کافر بدکار کو کسی طرح پسند نہیں کرتا۔

اسلامی عقیدے کے مطابق یہ آخری حد ہے کہ "سود" کو کفر میں شامل کیا گیا ہے۔

وما اٰتیتم من ربا لیربوا فی — اور جو سود تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مالوں میں ترقی ہو تو
اموال الناس فلا یربوا — وہ اللہ کے نزدیک ترقی نہیں پاتا (یعنی با داش عمل کے
عند اللہ۔ (روم) — قانون کے مطابق آخری نتیجہ گھاٹا اور نقصان ہے۔

گویا تمہاری نگاہوں میں اگرچہ "سود" سے مال میں ترقی ہو رہی ہے لیکن دنیا میں اس شخص کو عداوتوں کی کثرت اور مال کی بہتات کی وجہ سے دلی بے اطمینانی و بے چینی اور ھل من مزید کی مجنونانہ

خواہش کی بدولت "سود" سے فائدہ کے مقابلہ میں نقصان زیادہ ہوتا ہے اور آخرت میں اللہ کے پاس تو اس کے لئے نقصان ہی نقصان ہے اور صدقات میں اس کا برعکس ہے، یا یوں کہئے کہ اللہ تعالیٰ حرمتِ سود کا حکم دے کر سود کو مٹانا چاہتا ہے اور صدقات کی ترغیب دے کر ان کا نشوونما کرتا اور لوگوں میں ان کو عام کرنا چاہتا ہے۔

لیکن ان تمام ہدایات واحکام کے باوجود جو شخص (اس ملعون عمل) سے باز نہیں رہتا اس کو سمجھنا چاہئے کہ وہ "بداخلاقی" کے اس تاریک غار میں گر گیا ہے، جہاں وہ انسانیت کی شمع فروزاں اور اس کی شعاعوں سے یکسر محروم ہے۔ اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ سود خوار اپنے اس عمل سے خدا اور خدا کے رسول کو جنگ کے لئے چیلنج کر رہا اور اپنی دائمی بدبختی اور خسران مبین پر مہر لگا رہا ہے۔ "فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ"

تم صفحۂ عالم پر مٹے ہوئے اس نقش کو ذرا غور سے دیکھو جو سامنے "ایک خس پوش جھونپڑی کی شکل میں" نظر آ رہا ہے یہ ایک غریب ونادار بیوہ کا مسکن ہے جس کے پاس دو یتیم وبیکس معصوم بچے شوہر کی زندہ یادگار ہیں۔ پھٹے پرانے اور میلے کچیلے کچھ کپڑے اور ٹوٹے پھوٹے چند برتن اس گھر کی کل کائنات ہیں۔ بچے بلک رہے ہیں، بیوہ آہ وزاری کے ساتھ گڑگڑا رہی مگر کچہری کا سپاہی وارنٹ قرقی ہاتھ میں لئے زبان کی گالیوں اور کبھی کبھی ہاتھ کے دھکوں اور مکوں سے بیوہ کی تواضع کرتے ہوئے اپنی سرکاری ڈیوٹی میں مشغول ہے۔ تھوڑے سے فاصلہ پر زرق برق کار میں ایک سفید پوش مہاجن ہنس ہنس کر یہ منظر دیکھ رہا ہے اور بار بار جوش میں آ کر منیب جی سے کہتا جاتا ہے۔ دیکھو تو کس بے حیائی سے دوسرے کا مال مارنے کے لئے سوانگ بنا رہی ہے "کہ میرے بچے بھوکوں مر جائیں گے للہ رحم کرو، ان یتیموں پر رحم کرو، ان کا کوئی والی ووارث نہیں۔ جب جھونپڑی اور یہ ٹوٹا پھوٹا سامان بھی نہ رہیگا تو ان بیکسوں کا کیا حال ہوگا" جس روز شوہر کو پچیس روپیہ قرض لینے بھیجا تھا اس دن خیال نہیں آیا تھا کہ کسی کا دینا بھی پڑے گا۔ منیب جی سود اور سود در سود کے حساب سے پورے چار سو روپے بیٹھتے ہیں۔ میں نے اکٹھے سو روپے چھوڑ دیئے مگر یہ بے حیا تو دینا ہی نہیں چاہتی، اب اس سے

Marfat.com

زیادہ اور کیا "رِبا" ہو سکتی ہے۔ ناصاحب میں اپنی محنت کی کمائی اگر اس طرح چھوڑ دیا کروں تو ایک دن خاک ہی چاٹنی پڑے آخر جھونپڑی نیلام ہوگئی، برتن کپڑے قرق ہوگئے اور بیوہ اور بیوہ کے بچّے روتے پیٹتے گھر سے بے دخل کر دیئے گئے

سود خوار کی زندگی کا یہ وہ معمولی سا تماشہ ہے جو حکایات وقصص کی کتابوں میں نہیں بلکہ دنیا کے اسٹیج پر روزانہ واقعات کی شکل میں کھیلا جاتا ہے۔

دراصل سود خوار انسان روپیہ اور دولت کے خمار میں ایسا بدمست ہوتا ہے کہ وہ انسانی اخلاق، مروت، ہمدردی، بلکہ انسانیت کو بے معنی اور مہمل الفاظ سمجھنے لگتا ہے اور خود غرضی، حرص و طمع اور دوسروں کو برباد کر کے اپنے مفاد کا حصول، اس کی زندگی کا نصب العین بن جاتے ہیں، وہ ہر وقت اسی تگ ودو میں پاگل کتّے کی طرح مجنوں ومخبوط پھرتا رہتا اور مظلوموں اور بے کسوں کی فریاد وحالتِ زار سے اندھا، بہرا اور گونگا بن جاتا ہے، قرآنِ عزیز نے اسی لئے پاداشِ عمل کے قدرتی نتیجہ سے ڈراتے ہوئے عالمِ آخرت میں اس کی اصل کیفیت وحالت کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے۔

| | |
|---|---|
| الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ | جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (آخرت میں خدا کے حضور) ایسی |
| اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ | حالت میں کھڑے ہوں گے کہ گویا ان کو بھوت پریت لپٹ |
| مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا | گیا ہے اور وہ خبطی ہوگئے ہیں یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ خرید |
| الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰواؕ[1] (بقرہ) | وفروخت کا معاملہ سود کے معاملہ ہی کی طرح ہے۔" |

[1] مشرکین عرب نے اپنے خیال میں حلتِ ربا کے لئے بہتر سے بہتر دلیل یہ بیان کی کہ "ربوا" اگر "قدر زائد" کی وجہ سے حرام ہے تو پھر بیع کیوں حلال ہے جبکہ کسی نہ کسی شکل میں نفع (قدرِ زائد) یہاں بھی موجود ہے۔ قرآنِ عزیز نے اپنے معجزانہ اسلوب کے ساتھ اس کا رد کرتے ہوئے کہا "احل اللّٰہ البیع وحرم الربوا" یعنی تم دیکھتے ہو کہ تمام معاملات بیع (خرید وفروخت) میں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے۔ جانبین (بائع ومشتری) کے مابین اصول کارفرما ہیں۔ (۱) دونوں جانب سے ارادی رضا ورغبت (۲) باہم تعاون واشتراک (۳) دونوں کے لئے منفعت کا حصول اور ظاہر ہے کہ یہ تینوں اصول قانون، اخلاق اور علم المعیشت کی نگاہ میں صحیح اور درست ہیں اس بہتر تعاون، اشتراک باہمی مواساۃ اور حسنِ سلوک جیسے فضائل کے حامل ہیں (باقی صفحہ ۲۷۰ پر ملاحظہ ہو)۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| عن جابر رضی اللہ عنہ قال لعن | حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ |
| رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | علیہ وسلم نے سود خوار، سود دینے والے، سودی دستاویز |
| اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ و | لکھنے والے اور گواہی کرنے والوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا |
| شاھدیہ قال ھم سواءٌ (مسلم) | ہے کہ خدا کی پھٹکار میں یہ سب برابر ہیں۔ |

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹) جو انسان کی انسانیت کا طغرائے امتیاز ہیں۔ اور "ربا" میں ان کے برعکس تین اصول جاری ہیں۔ (۱) ایک جانب میں رضا و رغبت اور دوسری جانب میں اضطرار و اکراہ (۲) باہمی تعاون و اشتراک کا فقدان بلکہ کاروباری ترقی کے لئے دوسرے کے اضطرار و افلاس کا انتظار۔ (۳) ایک کے یقینی ضرر و نقصان پر دوسرے کے نفع کا مدار۔

پس اللہ تعالیٰ کہ جس کی صفاتِ کمالیہ "رب العالمین"، "الرحمٰن الرحیم" ہیں اور جس کی رحمتِ عام اور ربوبیتِ تام تمام کائناتِ انسانی پر محیط ہے وہ کب گوارا کرسکتا تھا کہ اس کی باعقل مخلوق "انسان" باہمی محبت و مواسات اور تعاون و اشتراک کو چھوڑ کر خونخوار درندوں کی طرح ایک دوسرے کا خون چوسنے پر آمادہ ہو جائے اس لئے اس نے "بیع" کو تو "حلال" قرار دیا اور "ربوا" کو حرام بنایا۔

غرض انسان کے وضع کردہ قوانین اور خدا کے فرمودہ احکام میں یہ بیّن فرق ہے کہ عام طور پر واضعین قوانین کے رجحانات پبلک کے رجحانات کے تابع ہوتے ہیں کیونکہ وہ پبلک کے نمائندہ کہلاتے ہیں اور چونکہ ان کی عقل بہرحال محدود ہوتی ہے اس لئے وہ ان کے دوررس نتائج و ثمرات سے اس وقت تک کما حقہ واقف نہیں ہوسکتے جب تک تجربہ یا پبلک کا احتجاج اس کی موافقت یا مخالفت نہیں کرتے چنانچہ "ربوا" کے جواز کا مسئلہ بھی اس کی ایک کڑی ہے اس لئے کہ انسان کی حیوانی خواہشات میں سے ایک خواہش طلب زر کی بھی ہے۔ اور اگر اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو اس کی یہ خواہش کسی غایت یا قید و بند کو برداشت نہیں کرتی۔ پس تمام دنیوی حکومتیں اور ان کے واضعین قوانین اپنے اپنے ماحول کے رجحانات کے مطابق "ربوا کے جواز" کے لئے قوانین بناتے رہتے ہیں۔ اور اگرچہ وہ اس سلسلہ میں کچھ تحدید و تقیید بھی کرتے جاتے ہیں مگر عملاً ربوی معاشرتی نظام بے قید ہو کر افلاس عام اور کساد بازاری پر منتج ہوتا اور ایک مخصوص طبقہ میں دولت کی اجارہ داری قائم کر دیتا ہے۔

اس کے برعکس قانونِ الٰہی چونکہ انسانی دسترس سے بالاتر خالق کائنات کی جانب سے آتا ہے جو مخلوق کے نفع و ضرر کا حقیقی علیم و خبیر ہے اس لئے وہ حیوانی اوصاف سے پاک اور برتر رہ کر اس حیوانی خواہش کے خلاف فیصلہ صادر کرتا اور "ربوی معاشی نظام" کو حرام ٹھہراتا ہے کیونکہ وہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی طرح ان کی بے قید خواہشات

ہم کے زیر اثر نہیں ہوتا بلکہ حقیقی مصالح عامہ اور فلاحِ عامہ پر مبنی ہوتا ہے۔

| | |
|---|---|
| عن فضالة بن عبيد صاحب | حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ |
| النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو |
| انہ قال: کل قرض جر منفعۃ | قرض بھی نفع کھینچتا ہے وہ سود ہی کے اقسام |
| فھو وجہ من وجوہ الربا ۔ [۱] | میں سے ہے۔ |

**تجارتی سود** مہاجنی سود کے علاوہ اسلام کے اقتصادی نظام میں صاحب شریعت نے یہ اور اضافہ کیا کہ نہ صرف قرض و دین میں بلکہ تجارتی کاروبار کی بعض اقسام میں بھی سود (ربوٰا) پایا جاتا ہے مثلاً اگر سکہ کی بجائے جنس کا جنس کے ساتھ تبادلہ مقصود ہے یا چاندی اور سونے کا ہم جنس تبادلہ مطلوب ہے تو ایسی صورت میں مسطورۂ ذیل دو اصول کی پابندی ضروری ہے ورنہ یہ معاملہ (ربوا) اور سود میں شامل ہو کر حلال سے حرام کی جانب منتقل ہو جائیگا۔

(ا) اگر ہر دو جانب خرید و فروخت کی شے ہم جنس ہے یعنی سونے کا سونے سے، چاندی کا چاندی سے، گیہوں، جو، نمک، کشمش، منقی وغیرہ اشیاء کا ہم جنس شے سے بیع و شراء مطلوب ہے تو کھوٹے اور کھرے، منقوش و غیر منقوش، کم قیمت و بیش قیمت، عمدہ اور ردی کا لحاظ کئے بغیر دونوں جانب ناپ، تول میں مساوات بھی واجب ہے اور نقد خریداری بھی واجب و ضروری، نہ کمی بیشی درست ہے اور نہ اُدھار جائز ہے۔

(ب) اگر جانبین میں ہم جنس شے نہیں ہے یعنی سونے کا چاندی سے یا چاندی کا سونے سے گیہوں کا جو سے یا جو کا گیہوں سے (وغیرہ وغیرہ) تبادلہ مقصود ہے تو ایسی حالت میں کمی و بیشی تو درست ہے مگر اُدھار جائز نہیں ہے بلکہ واجب ہے کہ عقد بیع کے وقت دونوں جانب سے معاملہ بصورت نقد عمل میں آئے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بصراحت ارشاد فرمایا ہے۔

| | |
|---|---|
| عن عبادۃ بن الصامت | حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے |
| قال قال رسول اللہ صلی اللہ | کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، سونے |

[۱] بیہقی ج ۵ ص ۳۵۔ کتاب البیوع۔

| | |
|---|---|
| علیہ وسلم الذھب بالذھب | کا تبادلہ سونے سے اور چاندی کا چاندی سے اور گیہوں |
| والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر | کا گیہوں سے اور جو کا جو سے اور خرما کا خرما سے اور |
| والشعیر بالشعیر والتمر | نمک کا نمک سے یکساں، برابر برابر اور دست بدست |
| بالتمر والملح بالملح مثلاً | ہونا چاہیے (یعنی ناپ تول میں بھی مساوی ہوں اور |
| بمثل سواء بسواء یداً | ادھار بھی نہ ہوں) اور اگر ان اقسام کا تبادلہ ہم جنس |
| بید فاذا اختلفت ھذہ | قسم کے ساتھ نہ ہو تو کمی بیشی کے ساتھ جس طرح چاہو |
| الاصناف فبیعوا کیف شئتم | معاملہ کرو لیکن معاملہ ادھار کا نہ ہو بلکہ دست بدست |
| اذا کان یداً بید[1] (مسلم) | ہونا ضروری ہے۔ |

مجتہدینِ امت نے اس حدیثِ صحیح کو تجارتی کاروبار میں ربوا (سود) سے متعلق "اساس" قرار دیا ہے اور اپنے اجتہاد سے اُن وجوہ کی تحقیق و تفتیش کی ہے جن کا وجود اس قسم کے معاملات میں حدیث کی بیان کردہ شرائط کی خلاف ورزی سے ربوا (سود) کا باعث بن جاتا ہے[2]۔ فقہاء اس کو "ربوا فضل" سے تعبیر کرتے ہیں۔

حدیثِ ربوا ایک اور حقیقت کا بھی اعلان کرتی ہے وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "اسلام کے معاشی نظام" کو وطنی اور ملکی عصبیت سے بالاتر بین الاقوامی اخوت و مواسات پر قائم دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ وحدتِ اسلامی کا پیغامِ حق اس راہ سے بھی بروئے کار آسکے کیونکہ عام طریقۂ بیع و شراء میں اگرچہ کوئی شخص چاندی کو چاندی کے اور سونے کو سونے کے عوض نہیں خریدتا لیکن علماءِ اقتصادیات کی نظر سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ دورِ حاضر میں تبادلۂ سکہ جات (ایکسچینج) کا جو سسٹم جاری ہے وہ اسی ربوا کی ایک قسم ہے جس میں تبادلہ کے وقت دو ملکوں کے درمیان چاندی کے یا سونے کے ہم جنس سکوں میں بھی "بٹاون" کے نام سے کمی بیشی کا اصول قائم ہے اور ظاہر ہے کہ "ایکسچینج پالیسی" ایک

---

[1] یہ حدیث جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے اور اصطلاحِ حدیث میں مشہور بلکہ تواتر کا درجہ رکھتی ہے۔ [2] ملاحظہ ہوں کتبِ فقہ و اصولِ فقہ۔

Marfat.com

ایسا فاسد طریقِ کار ہے جس کے ذریعہ دو ملکوں یا دو قوموں کے درمیان "معاشی دستبرد" کی راہ کھلتی ہے۔ پس اگر اسلام کے اقتصادی نظام میں اسکو جائز رکھا جائے تو گویا یہ پیش خیمہ ہو گا معاشی دستبرد کے جواز کا، جو بلاشبہ حقیقی تجارت اور صحیح نفع اندوزی کے قطعاً خلاف ہے۔

اسی طرح دور نہ جائیے قریب سے ہی اس دورِ جدید پر نظر ڈالیے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ تجارت "علمی نظریوں پر قائم" اور کاروبار "سائنٹفک اصولوں پر" چل رہا ہے۔ اس دور میں بنک سسٹم کا سود، تجارتی سود کہلاتا ہے لیکن کیا بین الاقوامی لیگ (League of Nations) کی روئداد اور یورپ و ایشیا کے تجارتی ملکوں کے حالات اس امر کے شاہد عدل نہیں ہیں کہ بنک سسٹم کا موجودہ کاروبار ہی بڑی حد تک ان ملکوں کی کساد بازاری اور عام افلاس کا باعث ہے[1] اور یہ سسٹم بڑے بڑے سرمایہ داروں کی بے پناہ زراندوزی اور بے قید نفع خوری کا بہترین ذریعہ ہیں اور ان کی بدولت غیر محسوس طریقہ پر دولت سمٹ سمٹ کر محدود طبقہ میں اس طرح پہنچ جاتی ہے کہ عوام کے لئے قوتِ لایموت کے لئے بھی کوئی راہ باقی نہیں رہتی۔

جمیع انواعِ سود کی حرمت اور ان کے دلائل

ممکن ہے کہ ایک فلسفی دماغ "آفرینش خیال" کرتے ہوئے یہ شبہ پیش کرے کہ سود (ربا) کی وہ خاص شکل جو قرض سے متعلق ہے اور مہاجنی سود کہلاتی ہے اُس کی تمام جزئیات بلاشبہ اپنے اندر مسطورہ بالا قبائح اور مفاسد رکھتی ہیں۔ اس لئے اسلام نے اس کو حرام قرار دے کر اخلاقی اور قانونی ذرائع سے جس طرح اس کا سدباب کیا ہے معاشی نظام کی صلاح و خیر کے لئے از بس ضروری اور کائناتِ انسانی کی اخلاقی اور معاشی فلاح و بہبود کے لئے احسانِ عظیم ہے لیکن تجارتی کاروبار اور خرید و فروخت کے معاملات میں اس قسم کے حصولِ نفع کو جس کی جانب مسطورہ بالا احادیث "ممانعت کے ضمن میں" اشارہ کرتی ہے حرام قرار دینا اور ربوا (سود) میں شامل کرنا کس مصلحت پر مبنی ہے جبکہ اس میں مہاجنی سود کی طرح کے مفاسد کا فقدان ہے؟

---

[1] اسلام اور سود از ڈاکٹر انور اقبال ص ۱۴۹۔

اس غلط فہمی کا جواب یہ ہے کہ سطحی نظر میں اگرچہ تجارتی اصنافِ سود میں مہاجنی سود کی طرح کے مفاسد محسوس نہیں ہوتے لیکن غائر نظر کے بعد یہ حقیقت نمایاں نظر آتی ہے کہ نتیجہ اور ثمرہ کے لحاظ سے تجارتی سود میں بھی وہی اساس کام کر رہی ہے جو مہاجنی سود میں کارفرما نظر آتی ہے یعنی ایسے معاشری نظام کا وجود جو مذموم سرمایہ داری پیدا کر کے دولت اور سرمایہ کو مخصوص افراد میں محصور کرتا اور احتکار و اکتناز کی راہیں کھول کر عام کساد بازاری کا سبب بنتا ہے۔

آپ ایسے دو سرمایہ داروں کا تصور کیجئے کہ جن میں سے ایک کے پاس مثلاً ایک سیر سونا ہو اور دوسرے کے پاس پانچ سیر پس اگر ہم جنس شے میں کمی دبیشی کے ساتھ خرید و فروخت کی اجازت دیدی جائے تو زیادہ سونا رکھنے والا قلیل مقدار میں رکھنے والے شخص کو مجبور کرے گا کہ وہ اس کے ہاتھ اپنے ایک سیر سونے کو کمی کے ساتھ فروخت کر دے تاکہ وہ چھ سیر کا مالک بن جائے اور اس طرح آہستہ آہستہ اپنی بے قید قوتِ خرید سے اس درجہ پر پہنچ جائے کہ سونے کی قیمت کے گھٹانے یا بڑھانے کا "مدار" بن جائے اور اس طرح اپنے حرص و لالچ کے پیشِ نظر عام کساد بازاری پیدا کر دے اور اگر ایک سیر سونے کا مالک اس کے ہاتھ اپنا سونا کمی کے ساتھ فروخت کرنے سے انکار کر دے تو بڑی مقدار رکھنے والا شخص اس کو شکست دینے اور اس کا سرمایہ زبردستی حاصل کرنے کے لئے اس کے سونے کی قیمت بڑھا کر خریدیگا اور اپنے چند تولوں کا نقصان گوارا کرے گا تاکہ اس کو آہستہ آہستہ یہ حیثیت حاصل ہو جائے کہ بازار میں اس کا کوئی حریف باقی نہ رہے اور وہ تنہا یا اسی درجہ کے چند سرمایہ دار بازار کے نرخ پر قابض ہو جائیں اور مملوکہ سونے یا چاندی کو حسب منشا گرانی کے ساتھ فروخت کر کے دوسروں کی قوتِ خرید کو اس درجہ کمزور بنا دیں کہ دولت و سرمایہ سمٹ کر ایک مخصوص طبقہ کے اندر محدود ہو جائے خواہ اس کا نتیجہ عام بدحالی ہی کیوں نہ ہو۔

غرض سونا، چاندی، اور اجناس کو ہم جنس کے ساتھ خرید و فروخت میں اگر کمی بیشی کی اجازت دیدی جائے تو کثیر المقدار سرمایہ دار قلیل المقدار سرمایہ دار کو مختلف طریقوں سے شکست دے کر ہل من مزید کا طالب رہے گا اور خرید و فروخت کا اصل مقصد باہمی تعاون کے ساتھ رفع حاجات

کی بجائے " دوسروں کو نقصان پہنچا کر زیادہ سے زیادہ نفع اندوزی" ہو جائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ " صالح نظامِ معاشی" میں اس مقصد کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔

البتہ اگر جنس مختلف ہو تو چونکہ دونوں اجناس کی قدر و قیمت جدا جدا ہے اس لئے اس میں کمی اور بیشی دونوں کی گنجائش ہے تاہم اس صورت میں بھی غبنِ فاحش کی اجازت نہ دی جائیگی بلکہ دونوں اجناس کی قدر و قیمت کے توازن کا لحاظ رکھا جائے گا اور جب کوئی شخص اس توازن کے خلاف کمی یا بیشی کو نقصان دہ حد تک لیجانے کی کوشش کرے گا تو خلیفہ یا نائبِ خلیفہ اس کا سدِ باب کر دے گا۔ چنانچہ اس قسم کی مداخلت کا ثبوت خلافتِ راشدہ کے دور میں ثابت ہے۔

موطا امام محمدؒ میں ہے۔

| | |
|---|---|
| ان عمر بن الخطاب مر علی حاطب | حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا گذر بازار کی جانب |
| بن ابی بلتعۃ وھو یبیع | ہوا تو وہاں حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ منقّٰی |
| زبیباً لہ بالسوق فقال لہ عمر | فروخت کر رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا |
| اما ان تزید فی السعر واما ان | یا تو نرخ بڑھاؤ (یعنی ارزاں کرو) ورنہ ہمارے |
| ترفع من سوقنا۔ | بازار سے اٹھ جانا ہوگا۔ |

نیز سونے کو سونے یا چاندی کو چاندی کے ساتھ یا اسی نہج کی دوسری اشیاء کو ان کی ہم جنس شے کے ساتھ خرید و فروخت میں کمی اور بیشی ایک ملک کو دوسرے کی اقتصادی برتری کی محکوم بناتی اور اس طرح ملکوں، قوموں اور حکومتوں کے مابین نفرت کا بیج بوتی ہے۔

مثلاً ہندوستان اپنے بے پناہ سیم وزر اور خام اجناس کی فراوانی کے باوجود ہندوستانیوں کے لئے محض اس بناء پر افلاس اور معاشی تباہ حالی کا باعث بنا ہوا ہے کہ حکومت برطانیہ نے اپنے حاکمانہ اقتدار کے بل پر انگلستان کے سکّہ کے مقابلہ میں " ایکسچینج پالیسی" کے ماتحت ہندوستانی روپیہ کی قیمت کو صرف چھ آنہ کا باقی رہنے دیا ہے کیونکہ مال کے لینے اور دینے دونوں صورتوں میں سکّوں کے درمیان کمی بیشی ( ڈسکاؤنٹ) کے اصول پر تبادلہ کیا جاتا ہے اور خود ہندوستان کے اندر

حیدرآباد اور برٹش انڈیا کے روپیہ میں "حالی" اور "کلدار" کے نام سے دو قسم قائم کر کے تبادلہ (ایکسچینج) کا دستور قائم ہے۔ اور بلاشبہ یہ معاشی دستبرد کی واضح مثال ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی رومی سکوں کی قیمت ایرانی سکوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی تھی کیونکہ اسلام کے قرنِ اول میں روم و ایران کی باہمی آویزش نے روم کو فاتح اور ایران کو مفتوح بنا کر ایران کی ساکھ کو گرا دیا تھا حتیٰ کہ بنی امیہ کے دور میں تو یہ نوبت آگئی تھی کہ روم و ایران پر اسلامی اقتدار قائم ہو جانے کے بعد بھی اسلامی سکوں کے ساتھ ساتھ رومی سکے تو جاری رہے لیکن ایرانی سکوں کو لوگوں نے قطع و برید کر کے دوسری ضروریات میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔

پس اس حقیقت کے روشن ہو جانے کے بعد یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ "اسلامی معاشی نظام" اپنے دوسرے شعبوں کی طرح سکہ کے معاملہ میں بھی عالمگیر وحدۃ نظام کا خواہشمند ہے اور اس لئے وہ اس اصول کو پسند کرتا ہے کہ سکہ جات بین الاقوامی ہونے چاہئیں تاکہ تبادلۂ سکہ جات کے ذریعہ معاشی دستبرد رونما نہ ہو سکے۔

علاوہ ازیں یہ حدیث اس حقیقت پر بھی روشنی ڈالتی ہے کہ صاحبِ شریعت کی نگاہِ حکمت طراز میں یہ ازبس ضروری ہے کہ نقدین (سونا، چاندی) جیسی دھاتیں اشیاء کی خرید و فروخت کا ذریعہ بنی رہیں کیونکہ یہی ان کی تخلیق کا حقیقی مقصد ہے اور مقصود بالذات یعنی "مبیع" (جس کو سکہ دے کر خریدا جائے) نہ بننے پائیں۔ تاکہ ایسا سرمایہ دارانہ معاشی نظام پیدا نہ ہو سکے جس میں دھاتیں "مبیع" اور "مقصود بالذات" قرار دی جا کر دولت و سرمایہ کو محدود طبقہ کی ملکیت بنا دینے کا باعث ثابت ہوں۔ نیز اجناس میں ہم جنس کی خرید و فروخت پر ناپ تول میں مساوات کی پابندی بھی اس حکمت پر مبنی ہے کہ خرید و فروخت کا حقیقی مقصد جبکہ باہمی تعاون و مواسات کے ساتھ انسان کی مختلف ضروریات کی تکمیل ہے تو بلاشبہ یہ مقصد اس طرح پورا ہو سکتا ہے کہ یا سکہ کے ذریعہ ضروریات کو خریدا جائے اور یا مختلف اشیاء کے درمیان "مبادلہ" کی صورت اختیار کی جائے مثلاً ایک شخص کے پاس چار سیر چاول ہیں اور اس کو آٹے کی ضرورت ہے اور دوسرے شخص کے پاس آٹھ سیر آٹا ہے اور

Marfat.com

اس کو چاول مطلوب ہیں تو یہ دونوں تبادلہ اجناس کے ساتھ اپنی ضرورت پوری کرسکتے ہیں لیکن خرید و فروخت میں ہم جنس اشیاء کا تبادلہ ظاہر ہے کہ ضروریاتِ زندگی کے پورا کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ بیشتر اس غرض سے ہوتا ہے کہ اس تبادلہ کی راہ سے دوسروں کی قوتِ خرید کو اس درجہ کمزور کردیا جائے کہ اس شے پر صرف ایک شخص یا چند اشخاص کا قبضہ ہوجائے اور پھر وہ اس شے کو من مانی قیمت پر فروخت کرسکیں اور اس طرح احتکارِ ممنوع کی مدد سے محدود حلقہ میں دولت و سرمایہ کو مخصوص کرکے عام کساد بازاری پیدا کردیں۔

پس صاحبِ شریعت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ربا الفضل کو ممنوع قرار دے کر ایسی صورتِ حال پیدا کردی کہ کوئی شخص نقدین اور ہم جنس اشیاء کو مبیع نہ بنائے گا کیونکہ اس صورت میں مساوات کے ساتھ خرید و فروخت ایک عبث کام رہ جائے گا۔

اس دورِ جدید میں "جوازِ سود کے لئے" بعض اور بھی علمی اصول قائم کئے گئے ہیں جن کو سودی کاروبار کے لئے بنیادِ کار قرار دیا جاتا ہے، اس علمی تشریح کا خلاصہ یہ ہے کہ جبکہ سونا، چاندی بشکلِ سکہ بھی معاشی نقطۂ نظر سے "اصل" میں شمار ہے تو کیا وجہ کہ اس کو حصولِ نفع کا ذریعہ تسلیم نہ کیا جائے، خصوصاً جبکہ اس سے حصولِ نفع کے وقت وہی علامات و آثار یا نتائج پیدا ہوتے ہیں جو "اصل کے لوازمات" میں شمار کئے جاتے ہیں۔ یعنی "پیدا آوری" اور "انتظار کشی" نیز "حقیقتاً سود" نقد کے اس نفع کو کہنا چاہئے جو حاجتمندوں اور غریبوں کی اضطراری حالت سے فائدہ اٹھا کر حاصل کیا جائے اور بے شبہ یہ نفع "ربا" کہلانے کا مستحق اور ظالمانہ طریق کار ہے لیکن نقد کا جو نفع اس طرح وصول کیا جائے کہ خود قرض خواہ بھی ادائے سود کے بعد قرض دہندہ کے مساوی یا زیادہ فائدہ اٹھالیتا ہے جیسا کہ بنک سسٹم یا کوآپریٹو سوسائیٹیوں کے سسٹم میں نظر آتا ہے تو ایسے نفع (سود) کو "ربا" میں شمار نہیں ہونا چاہئے۔

جوازِ سود کی یہ سب سے بہتر تعبیر ہے جو آج کے علمی دور میں کی جاتی ہے مگر غائر نظر سے یہ بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ جوازِ سود کی یہ تشریح بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ جو معاشی نظام اپنی بنیاد اس اصول پر قائم کرتا ہے کہ "اصل" اور "محنت" کو ایسے اعتدال کے ساتھ متوازن رکھا جائے کہ

Marfat.com

کسی حال میں بھی "اصل" اس "مذموم سرمایہ کی شکل" نہ اختیار کرلے جو عام رفاہیت اور افرادِ ملک وملت کی عام متوسط یکسانیت کے لئے تباہ کن ثابت ہوتا ہے وہ جوازِ سود کی ان نکتہ سنجیوں اور علمی کاوشوں کو کوئی وقعت نہیں دیسکتا اور جبکہ موجودہ دور کے بنک سسٹم اور اس جیسے دوسرے سسٹم کے عملی نقشے بھی سرمایہ داری کے مہلک اثرات ونتائج کو نمایاں خدوخال کے ساتھ پیش کررہے ہیں تو اسلام کا معاشی نظام کس طرح ان علمی کاوشوں کی خاطر ان کے ذریعہ حاصل شدہ نفع (سود) کو ربوا سے خارج کرسکتا ہے۔[1]

اور کیا جوازِ سود کے اس مجوز کی طرح ایک شخص یہ کہنے کا حقدار نہیں ہے کہ جبکہ "اصل" کے اثرات ونتائج کے پیشِ نظر نقود کے نفع (سود) کو جائز رکھا جاسکتا ہے تو "محنت کے اثرات و نتائج کے پیشِ نظر" قمار کی ان تمام صورتوں کو بھی کیوں جائز نہ قرار دیا جائے جو موجودہ دور میں علمی اصول پر "لاٹری"، "سٹہ" اور دوسرے ناموں سے جاری ہیں کیونکہ قمار کے ان جدید طریقوں میں جائز

---

[1] جو حضرات اس دور میں مادیت اور لادینیت کے فروغ سے متاثر ہیں وہ عموماً سود (ربا) کے عدم جواز سے متعلق اس لئے متشکک یا منکر نظر آتے ہیں کہ انھوں نے صرف اسی قدر سننے پر اکتفا کرلیا ہے کہ دورِ جدید کے عقلاً اور علماء معاشیین سود، خصوصاً تجارتی سود (ربا) کو نہ صرف جائز بلکہ سماج کی ترقی کے لئے مستحسن سمجھتے ہیں، لیکن ان کو یہ کون بتلائے کہ جس مسئلہ کو وہ یقینی اور طے شدہ سمجھتے ہیں وہ مسئلہ خود وقت کے ماہرین علم المعیشت کے درمیان سخت اختلافی ہے بلکہ بیشتر اور اکثر کی رائے یہ ہے کہ سماج کی عام خوش حالی اس وقت تک بروئے کار نہیں آسکتی جب تک شرح سود کو گھٹا کر "صفر" نہ کردیا جائے۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر انور اقبال کی کتاب "اسلام اور سود" لائق مطالعہ ہے وہ ایک جگہ لارڈ کینس مشہور ماہر معاشیات کا یہ مقولہ نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ لارڈ کینس اسی سلسلہ میں کہتا ہے کہ اگر میرا یہ خیال صحیح ہے کہ اشیاء پیدائش میں آسانی سے اتنا اضافہ ممکن ہے جس سے کہ اصل کی کارکردگی مختتم صفر ہوجائے تو نظام اصل داری کے اکثر نقائص کی تلافی کا یہ بہترین اور موثر ترین طریقہ ہوگا۔ ذرا سے غور وفکر سے ہر شخص ان شدید سماجی تغیرات کا نقشہ کھینچ سکتا ہے جو کہ سود کے نابود ہونے کے باعث رونما ہوں گے۔ ہر شخص اس کے باوجود بھی آزاد ہوگا کہ اپنی کمائی کو پس انداز کرے اور اسے مستقبل میں صرف کرے۔ ص ۵۶

Marfat.com

محنت کی طرح مہذب جواری کی "عقل و محنت" کو بھی دخل ہے اور جاہلی قمار سے جدا یہ ب نہیں کی تباہی کا باعث بھی نہیں ہیں لیکن اسلام کے معاشی نظام کی جانب سے اس کا بھی وہی جواب ہے کہ وہ اصل اور محنت دونوں کو تجارت میں بنیادی کار تسلیم کرتے ہوئے دونوں کے ایسے عملی نقشہ کو تسلیم نہیں کرتا جو آہستہ آہستہ اعتدال سے گذر کر مہلک سرمایہ داری کے لئے راہ کھولتا ہو کیونکہ اس سے پیدا شدہ خوشحالی مخصوص طبقہ کے لئے ہی عوام کے لئے نہیں ہے۔

علاوہ ازیں اسلام کے معاشی نظام میں ان دونوں صورتوں کے عدم جواز کی گذشتہ صفحات میں بیان کردہ یہ دلیل بھی فراموش نہیں ہونی چاہئے کہ معاملات میں نقود کی حقیقی حیثیت "ثمن" کی ہے اور اس کو "بیع" (مال خرید فروخت) بنانا حقیقت کو بدلنا اور منقلب کر دینا ہے اور ایسا کرنا باہمی تعاون کے عادلانہ طریقوں کا انسداد اور جائز محنت کا استیصال ہے اور اس طرح زراعت صنعت و حرفت اور تجارت پر ضرب کاری لگتی اور تمدن و حضارت کا فساد لازم آتا ہے۔

سود اور ربا؟ جدید فن معیشت کی جانب سے جواز سود کے لئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "سود" اور "ربا" کے درمیان فرق ہے جو سود شرح مروجہ یا شرح قانونی سے زیادہ اور بھاری ہو اس کا نام "ربا" (Usury) ہے اور ایسے سود خوار کو (Usurer) کہتے ہیں اور سود کی وہ شرح جو مروجہ یا قانونی ہے سود بمعنی "ربا" نہیں بلکہ سود بمعنی "نفع جائز" ہے اور اس کو آج کی اصطلاح معیشت میں (Interest) کہا جاتا ہے۔

چنانچہ موجودہ سماج کے جدید باطل نظام سے مرعوب مسلمانوں نے بھی قرآنی حقائق سے ناآشنا یا بے پرواہ ہو کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآن نے بھی "سود" کو نہیں "ربا" کو حرام قرار دیا ہے۔

جدید فن معیشت کا یہ بھی ایک سخت مغالطہ اور فریب ہے اس لئے کہ جب جدید علماء معاشیات کے یہاں آج تک یہ طے نہ ہو سکا کہ بھاری سود اور مروجہ قانونی سود کی حد دکیا ہیں تاکہ "ربا" اور "سود" اپنے حقائق کے لحاظ سے باہم ممتاز ہو جائیں اور جیسا کہ علم المعیشت کی کتابوں سے واضح ہوتا ہے اس مسئلہ میں ان کے درمیان سخت اختلاف ہے کہ کونسی ایسی شرح سود ہے جس کو جائز اور گراں شرح

سود نہ کہا جائے کیونکہ جب بھی قانونی یا رواجی طور پر کسی شرح سود کو "نفع اور فائدہ" (Interest) کے درجہ میں متعین کیا جاتا ہے تو زیادہ عرصہ نہیں گذرتا کہ تجربہ ثابت کر دیتا ہے کہ یہ شرح بھی "انٹرسٹ" نہیں بلکہ "یوزری" کی حد میں آ گئی ہے اور اس طرح شرح سود کا مسئلہ ہمیشہ سے غیر مختتم اور غیر حقیقی (رسمی) بنا رہا ہے اور آج بھی ہے اور اسی بنا پر سماجی نظام میں معاشی تشویش اور بے چینی کا باعث ہوتا رہا ہے اور اس وقت تک ہوتا رہے گا کہ شرح سود گھٹ کر "صفر" ہو جائے۔

نیز جبکہ گذشتہ سطور میں یہ واضح ہو چکا کہ نفسِ سود (ربا) خواہ کسی شکل میں بھی ہو سماجی زندگی کے لئے تباہ کن اور معاشی وسائل کے لئے حد درجہ مضرت رساں ہے۔ تو اب اس کو "انٹرسٹ و یوزری" یا "ربا المعتدل و ربا الفاحش" میں تقسیم کرنا اس وقت تک بے سود ہے جب تک یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ انٹرسٹ اور ربارِ معتدل میں وہ نقصانات موجود نہیں جو ربارِ فاحش میں ہیں۔ حالانکہ جدید علمارِ معیشت اس اعتراف پر مجبور ہیں کہ بینک سسٹم ہو یا مہاجنی سسٹم ان کی شرح سود آہستہ آہستہ تمام نظامِ سماجی کو تباہ کرنے کا باعث بن رہا ہے اور تا وقتیکہ شرح سود صفر کی حد تک نہ پہنچ جائے عام کساد بازاری اور عوام کی معاشی تباہ کاری کا کوئی حل نکالنا ناممکن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مادیت کے فروغ، آزاد تعیش اور بے قید زندگی کی خواہش نے مادیین کے دماغوں میں ایک ایسے سماج اور ایسی سوسائٹی کا تصور پیدا کر دیا ہے جس میں سود کے بغیر تجارت اور صنعت و حرفت میں عظیم الشان تمدنی ترقی کے امکانات مفقود ہیں اور دنیا کے حصول پر جب ان کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہوتا گیا انھوں نے.... اس تصور کو عملی شکل میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگر ایک طرف تجارت اور صنعت و حرفت نے بیش از بیش ترقی کی اور بڑی بڑی مشینوں کی ایجادات اور سائنس کی اختراعات نے ان کو بامِ عروج پر پہنچایا تو دوسری جانب اس کا واضح اثر یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ عوام کی قوتِ خرید گھٹنے لگی اور سرمایہ دار طبقہ کی قوت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ دولت و ثروت سمٹ کر ایک مخصوص طبقہ کی اجارہ داری میں رہ گئی اور کروڑوں عوام معاشی ہلاکت کا شکار ہو کر رہ گئے۔ اور یہ سب سماج کے اس نقشہ کی بدولت ہوا

Marfat.com

جس میں سود اور ربا کا فرق بیان کر کے موجودہ بینکنگ سسٹم، مہاجنی سسٹم، سودی تمسکات اور تجارتی بونڈ جیسے معاملات کو جائز قرار دیا گیا ہے اس کے برعکس "اسلام" ایک ایسی سماج کا داعی ہے جس کے اندر "معیشت" کی اساس بے قید تعیش کی بجائے ضروریات کی جائز تکمیل اور باہمی اخوت و مواسات پر قائم ہے اس لئے وہ نہ صرف اعتقادی تصور اور نظریہ کی بلکہ عملی نظام کی حد تک ایسے سماج کا تجربہ کراتا ہے جس میں سود کے بغیر ہی تمدنی ترقی زیادہ سے زیادہ بامِ عروج پر پہنچ سکتی ہے. اور خلافتِ راشدہ کے مقدس دور کے علاوہ اندلس اور بغداد کی ان خلافتوں کے زمانہ میں اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے جو صحیح اسلامی نظریۂ حکومت پر گامزن نہ ہونے کے باوجود "سود" کی حرمت پر عملاً متفق رہتے ہوئے ہر قسم کی تمدنی اور معاشی ترقیوں میں وقت کی تمام حکومتوں سے برتر رہیں۔

ربا قرآنِ حکیم اور مسئلہ سود میں "اضعافا مضاعفۃ" کا معاملہ، تو ابھی بصراحت یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ قرآن ایک لمحہ کے لئے بھی مطلق سود کی اباحت کو تسلیم نہیں کرتا اور اپنے اسلوبِ بیان کے لحاظ سے جس قدر شدید وعید سود خوار کے لئے بیان کرتا ہے. کسی گناہ پر اس قدر شدید وعید کا اظہار نہیں کرتا "فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ"

قرآن نے "اضعافا مضاعفۃ" (سود در سود) کو اول اس لئے منع کیا کہ زمانۂ جاہلیت میں جو رسمِ قبیح جاری تھی، اس کا انسداد کیا جائے اور بعد میں مطلق سود کی حرمت کا اعلان فرما دیا۔

"احل اللہ البیع وحرم الربوا" اس مقام پر "ربا" کو کسی شرط کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا اور اس کی حرمت کو مطلق رکھا گیا ہے. لہٰذا قرآن کی نگاہ میں "سود" اور "ربا" کے درمیان مطلقاً کوئی فرق نہیں ہے اور اس کی حرمت کے تحت میں انٹرسٹ (Interest.) اور یوزری (Usury.) دونوں داخل ہیں۔

مشہور مصری عالم عبد الرحمٰن الجزیری اپنی تالیف کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"بعض لوگوں نے یہ گمانِ باطل کر لیا ہے کہ سود میں سے صرف "اضعافا مضاعفۃ" ہی

Marfat.com

ربا بر حرام میں داخل ہے جیسا کہ آلِ عمران کی آیت میں مذکور ہے ' یاایھا الذین امنوا لاتاکلوا الربا اضعافا مضاعفۃ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون ' یہ گمان صریح غلطی پر مبنی ہے اس لئے کہ آیتِ کریمہ کا مقصد تو درحقیقت سود خواری سے نفرت دلانا اور سود خوار کی نظر کو اس جانب پھیر دینا ہے کہ نیز ایہ سودی معاملہ جو سود در سود کی شکل میں بڑھتا جارہا ہے ایک دن مقروض کے کل مال کو مستغرق کرلے گا اور ایک مدت گذرنے اور سود در سود کے مسلسل اضافہ ہوتے رہنے کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ مدیون فقیر، مفلس، تنگ دست اور بدحال ہو کر رہ جائے گا اور یہی سودی معاملہ دنیا میں اس کی بدحالی اور تنگیٔ عافیت کا سبب بن جائے گا اور اس فاسد معاملہ کا نظامِ عمرانی پر بہت ہی برا اور مضرت رساں اثر پڑیگا۔

پس اس آیت کریمہ سے کوئی عقلمند اس بات کا تو تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے تین گنا سود کھانے کو تو حرام کر دیا ہے مگر دو گنا یا ایک گنا کھانے کی اجازت باقی رکھی ہے علاوہ ازیں جب قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ صریح ارشاد موجود ہے: فان تبتم فلکم رؤس اموالکم ' پس اگر تم اس سے توبہ کرو تو تمہاری اصل پونجی تمہارے لئے ہے ' ایسی صورت میں ممکن نہیں کہ کوئی عاقل آیتِ کریمہ کا یہ مفہوم سمجھ سکے کہ مطلق سود کی تو اجازت ہے البتہ سود در سود حرام کر دیا گیا[۱]

**ربح اور ربا!** قرآن کہتا ہے کہ حکیم مطلق نے ربح (نفع جائز) اور ربا (سود) کے درمیان بہت بڑا فرق رکھا ہے اور وہ یہ کہ ربح میں نفع کا مدار بیع و شرائے متعلق ہے اور ربا میں تاخیر مال اور مدت میں اضافہ " نفع کا باعث بنتا ہے اور جبکہ بیع و شراء میں دونوں جانب سے تعاون کے معاوضہ اور حقیقی رضا کے ساتھ نفع کا وجود ثابت ہوتا ہے تو اس لئے اس قسم کے نفع کو جائز قرار دیا جانا چاہیئے " واحل اللہ البیع " اور چونکہ قرضدار کی جانب سے ادار قرض میں تاخیر اور قرض خواہ کی جانب سے تاخیر و اضافۂ مدت پر نفع کا حصول طرفین کی رضا اور باہمی تعاون سے نہیں بلکہ قرضدار کے

---

[۱] حصہ دوم (معاملات ص ۳۲۳)

اضطرار اور قرض خواہ کے بغیر عوض نفع اندوزی پر مبنی ہے اس لئے اس کو بلا شبہ حرام ہونا چاہئے

" وحرم الربوا"

غرض۔ ربح اور ربا کو ایک سمجھنا یا " ربا" اور " سود " کے درمیان فرق قائم کرنا قرآن کی نصوص قطعیہ کے خلاف ہے۔ اور اسلام کے صالح معاشی نظام کی نگاہ میں جدید باطل نظام معاشی کی یہ موشگافی کہ انٹرسٹ " ربا" نہیں ہے بلکہ صرف یوزری ہی " ربا" ہے، باطل اور فریب ہے اس لئے کہ مذموم سرمایہ داری کے فروغ میں یہ دونوں یکساں ممد و معاون ہیں

| علماءِ اسلام اور حرمتِ سود کے دلائل و حِکَم |
|---|

علماءِ اسلام نے عام طور سے مسئلہ سود (ربوا) پر قانونی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے بحث کی ہے جو فقہ، اصول فقہ اور کتبِ تفسیر میں مذکور ہیں لیکن بعض محققین نے اس کے معاشی پہلو پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اسلام کے معاشی نظام میں اس کی حرمت کو اس خوبی کے ساتھ واضح کیا ہے کہ " حرمتِ ربوا " کے نظریہ کی قدر و قیمت اس جدید معاشری نظام کی ہمہ گیری کے باوجود صرف دفاعی دلائل (Defence reasons) پر مبنی نہیں رہ جاتی بلکہ معاشی نقطۂ نظر سے " جوازِ سود " کے نظریہ پر مجوزین کو چیلنج کرتی ہیں کہ وہ پہلے یہ ثابت کریں کہ " سود " حقیقۃً معاشی اور عقلی نقطۂ نظر سے تباہ کن نہیں بلکہ معاشی اور معاشرتی نظام کی ترقی کا باعث ہے؟۔

دنیاءِ اسلام کے مشہور فلسفی شاہ ولی اللہ دہلوی (رحمہ اللہ) حرمتِ " قمار " و " سود " کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> واضح رہے کہ " جوا " حرام اور باطل چیز ہے اس لئے کہ دراصل وہ لوگوں کے مال کو زبردستی اچک لینا ہے اور اس کی تہ میں جہل، حرص، امیدِ باطل اور فریب اور دھوکا کارفرما ہوتے ہیں اور اس میں امدادِ باہمی اور تمدن کا ادنیٰ سا بھی دخل نہیں ہوتا۔
>
> دیکھئے، جوئے میں اگر شکست خوردہ اپنے حریف کے مقابلہ میں خاموش رہتا ہے تو غیظ و غضب اور حسرت و ندامت کے ساتھ خاموش رہتا ہے اور اگر ضبط نہیں کر سکتا تو جنگ و جدال

اور قتل وخونریزی پر آمادہ ہوجاتا ہے اور کامیاب حریف اس کی حرماں نصیبی سے لذت محسوس کرتا اور اس کی تباہی، بربادی اور ہلاکت پر مسرت وخوشی کا اظہار کرتا ہے، اس کی حرص وآز بڑھ جاتی ہے اور وہ ہر وقت اسی جنون میں سرگرداں رہتا ہے۔ جوے کی عادت، مال کی تباہی اور فسادات کی ترقی کا باعث ہوتی ہے اور سب سے زیادہ مضرت یہ ہے کہ اس کی بدولت جو صحیح اقتصادی سہارے ہیں وہ بیکار ہوجاتے ہیں اور جس امداد و تعاون پر تمدن کی بنیاد قائم ہے وہ معطل ہوجاتے ہیں۔ روزمرہ کا مشاہدہ اس کا خود شاہد عدل ہے۔ اسی طرح سود (جو ایسے قرض پر روپیہ دینے کا نام ہے جس پر نفع کے نام سے زیادتی وصول کی جاتی ہے) باطل اور حرام ہے اور سرتاسر ظلم ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کے قرض لینے والے عام طریقہ سے مفلس اور مضطر ہوتے ہیں، وہ بیشتر مدتِ معین پر رقم ادا کرنے سے کوتاہ رہتے ہیں اور یہ سود "سود در سود" کے نام سے بڑھتا رہتا ہے اور کسی حال میں اس سے نجات نہیں ملتی۔ تا آنکہ سب کچھ دے کر برباد ہوجاتا ہے یہ لین دین سخت جھگڑوں کا باعث اور عظیم الشان مناقشوں کا سبب بنتا ہے اور جس قوم یا ملک میں بے محنت روپیہ حاصل کرنے کا رسم ورواج جڑ پکڑ جاتا ہے وہاں عوام کے لئے صنعت وحرفت زراعت اور تجارت کی صحیح راہیں بند ہوجاتی ہیں جو ذرائع آمدنی کے لئے فطری اصول ہیں۔

معاملات میں اس سے زیادہ "باریک اور پیچیدہ" دوسرا کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس میں ظاہری نفع کی صورت میں حقیقی تباہی وبربادی مضمر ہو۔ دراصل یہ دونوں معاملات خاص قسم کے نشے ہیں جو خدا کے بتائے ہوئے قانون اور ذرائع آمدنی کے صحیح طریقوں کے استعمال کے خلاف ہر انسان کو آمادہ کرتے ہیں اور تمام نشوں سے زیادہ فسادات، عداوتِ باہمی، انسان کشی کے باعث بنتے ہیں، اس لئے اسلام نے ان دونوں کو ظلم اور باطل قرار دیا، . . . . . .

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

. . . اور چونکہ سود کی دو قسمیں ہیں ایک بیان کردہ صورت جو حقیقی ربا کہلاتی ہے اس لئے اس کو بغیر قید وبند کے حرام کردیا اور دوسری "ربا فضل" کہلاتی ہے جیسا کہ سونے اور چاندی کا

Marfat.com

کمی بیشی سے لین دین کرنا وغیرہ اس لئے ان اشیاء کے خرید و فروخت کے جواز کو تسلیم کرتے ہوئے ان تمام صورتوں کو حرام بتایا جن کا نتیجہ سودی لین دین کے موافق نکلتا تھا تاکہ اس غیر فطری کاروبار کا پوری طرح انسداد ہو جائے۔[1]

بہر حال یہ تمام کاروبار مختلف شکلوں اور صورتوں میں وہ احتکار ہی کی متعدد اقسام ہیں اور یہی احتکار جب قوموں میں ترقی کر جاتا ہے اور عام کاروبار پر مسلط ہو کر اقتصادی نظام پر چھا جاتا ہے تو "اکتناز" کی مذموم شکل اختیار کر لیتا ہے اور وبائی مرض بن کر خدا کی عام مخلوق کو زندہ درگور کر دیتا ہے۔

اور حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں جو کچھ اس سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے اس کا مفہوم اور خلاصۂ بحث یہ ہے۔

"اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ اس نے سونا، چاندی جیسی دھاتیں پیدا کر کے درم و دینار (سکوں) کو وجود بخشا، اگر ان دھاتوں کی حقیقت پر غور کیجئے تو حجریات (پتھروں) میں سے ہونے کی وجہ سے انسانی معاشرۃ کی ضروریات و حاجات کے لئے بیکار ہیں اور اگر ان کی منفعت پر توجہ دیجئے تو ان پر دنیا کے معاشی نظام کے قوام کا مدار ہے۔ کیونکہ ہر شخص اضطراری طور پر ان کا محتاج نظر آتا ہے اس لئے کہ ہر ایک انسان اپنے طعام، لباس اور دوسری ضروریات کیلئے بہت سی اشیاء کی حقیقتوں (گیہوں، چاول، گھوڑا، بیل وغیرہ) کا محتاج ہے مگر صورتِ حال یہ ہے کہ انسانی معاشرہ میں ہر شخص کے پاس ضرورت کی ہر ایک شے موجود نہیں ہے۔ مثلاً اس کے پاس زعفران کے گٹھے موجود ہیں مگر اس کی ضروریات ان سے غیر متعلق ہے اور وہ سواری کے لئے اونٹ کا محتاج ہے جو اس کے پاس نہیں ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس ایک شخص زعفران کا محتاج ہے جس سے وہ محروم ہے مگر اونٹ کا مالک ہے جس کی اس کو قطعاً حاجت نہیں تو معاشی نظام کا تقاضا ہے کہ یہ دونوں آپس میں تبادلہ کر کے اپنی اپنی ضروریات کو پورا کر لیں لیکن تبادلہ کے وقت عقل یہ فیصلہ کرتی ہے کہ جبکہ یہ دونوں اشیاء غیر متجانس اور مختلف ہیں تو تبادلہ کی باہمی مقدار کا تعین ازبس ضروری ہے کہ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۰۶۔ (مصر)

اونٹ کی خریداری کے لئے کس مقدار میں زعفران ادا کرنی چاہئے یا کس مقدار کے مقابلہ میں اونٹ کو فروخت کیا جائے۔ باہم تناسب نہ رکھنے والی اشیاء کی خرید و فروخت کا یہ سلسلہ ہر لمحہ اسی کا طالب ہے کہ تعینِ مقدار اور صورتِ ادار کے لئے ایسی چیز کا ہونا ازبس ضروری ہے جو دو متفاوت اشیاء کے درمیان ترازو اور کانٹے کا کام دیتے ہوئے یہ ثابت کر سکے کہ فلاں شے اس صورت سے یا اس تعین مقدار سے دوسری شے کے مساوی ہو سکتی ہے ورنہ تو معاملاتِ خرید و فروخت ناممکن ہو جائیں گے۔ اور مدنی الطبع انسان کا معاشی نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا تب قدرتِ حق نے مخلوق کو اپنی اس پروردگاری کی جانب راہنمائی فرمائی کہ ان حجریات کو جو اپنی حقیقت کے پیشِ نظر بے کار نظر آتی تھی اس لئے پیدا کیا ہے کہ یہ انسان کے معاشی نظام کی درست کاری کے لئے متفاوت اور مختلف النوع اشیاء کے درمیان تبادلہ کے وقت باہمی مراتب، تعینِ مقدار اور مساوی و غیر مساوی کا فرق ظاہر کریں اور بیع و شراء میں "ترازوئے عدل" کا کام دیں۔

تو اب درہم و دینار (روپیہ و اشرفی) کے ذریعہ ہم بآسانی یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ یہ اونٹ مثلاً سو روپیہ کا ہے اور اس کے مقابلہ میں زعفران کی یہ مقدار سو روپیہ کی قیمت کو پہنچے گی اور اس طرح دونوں کے درمیان بآسانی تبادلہ ممکن ہو سکے گا۔ اب بائع اور مشتری مختار ہیں کہ نقدین (سونے چاندی کے سکوں) کے ذریعہ جدا جدا دونوں اشیاء کے درمیان معاملہ کر لیں یا نقدین کی ترازوئے عدل کے مطابق اشیاء کا اشیاء کے ساتھ تبادلہ کریں۔

اور ظاہر ہے کہ اشیاء کے درمیان تبادلہ کا صحیح توازن ایسی شے کے ساتھ ہی ہونا ممکن ہے جو اپنی حقیقت کے لحاظ سے لائقِ احتیاج نہ ہو اور اس کی ذات ضروریات و حاجاتِ انسانی میں براہِ راست کام نہ دیتی ہو بلکہ وہ ضروریاتِ انسانی کی تکمیل کا ذریعہ بنتی ہو ورنہ تو یہ دشواری پیش آئیگی کہ جبکہ ایک شخص سونا، چاندی (سکوں) کی حقیقت کا محتاج ہے اور مثلاً دوسرا آدمی اس کا محتاج نہیں بلکہ لباس و طعام میں سے کسی شے کا محتاج ہے تو اس صورت میں پہلا شخص نقدین (سونے چاندی) کی اہمیت کو بڑھائے گا اور دوسرا اس کی اہمیت کو گھٹانے کی کوشش کرے گا اور

Marfat.com

اس طرح کوئی شے ایسی باقی نہیں رہے گی جو متفاوت اشیار کے درمیان صحیح توازن کو قائم رکھ سکے اور ترازوئے عدل بن سکے اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ نظامِ معاشرت غیر منتظم ہو کر رہ جائے گا۔ پس اس حقیقتِ حال کے پیشِ نظر کہ سونا، چاندی خود مقصود بالذات نہیں بلکہ معاشی اغراض و مقاصد کے لئے ذریعہ اور آلہ ہیں عقل و فطرت اور نظامِ معاشی کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق اس لئے فرمائی ہے کہ یہ لوگوں کے ہاتھوں میں (بشکلِ سکہ) چلتے پھرتے رہیں اور متفاوت اشیار کے باہمی تبادلہ میں "ترازوئے عدل" کا کام دیں اور خرید و فروخت میں کسی وقت بھی خود مقصود بالذات نہ بن سکیں۔

سونے، چاندی کی تحقیق کے اس مسئلہ کو دوسری تعبیر کے ساتھ یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حجریات کو دنیا کے معاشی نظام کے استحکام کے لئے مقصود بالذات نہیں بلکہ معاملاتِ خرید و فروخت میں "وسیلہ" اور "ذریعہ" بنایا ہے اور یہ اس لئے کہ یہ دھاتیں اپنے اندر یہ کمال رکھتی ہیں کہ جس شخص کے پاس درہم و دینار اور روپیہ پاگنی موجود ہیں اس کے پاس گویا ضرورت کی ہر شے موجود ہے اور جس نسبت سے ان کا وجود کسی جگہ ہے اسی نسبت سے وہ کائنات کی معاشی ضروریات کی حامل ہیں لیکن اس کے برعکس دنیا کی بہتر سے بہتر شے بھی اگر کسی کے پاس موجود ہے تو وہ یہ دعویٰ نہیں نہیں کر سکتا کہ اس کے پاس بالقوہ ہر ایک شے موجود ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ حجریات (دھاتیں) اگر سکہ کی شکل میں ہوں یا اپنی سادہ حقیقت پر ہوں اور کسی خاص شکل و صورت (مثلاً زیور، برتن) میں تبدیل نہ ہو گئی ہوں تو ان کی نسبت تمام اشیار کی جانب مساوی ہی رہے گی۔ مثلاً اگر کسی شخص کے پاس ایک روپیہ ہے تو متبادل شکل میں گویا اس کے پاس ہر ایک وہ شے موجود ہے جو اس تعداد کے مساوی ہو لیکن ان کے علاوہ دوسری کسی شے میں یہ قوت موجود نہیں ہے مثلاً ایک گز کپڑا ایک گز کپڑا ہی رہے گا۔ ایک سیر شکر یا دس سیر گیہوں یا ایک سیر گھی کی شکل اس وقت تک اختیار نہیں کر سکتا۔ جب تک یہی سونا، چاندی اس باہمی تبادلہ کے لئے "میزانِ عدل" بن کر فیصلہ نہ کر دیں۔

Marfat.com

تو اب ظاہر ہے کہ ایسی شے جو منفعتِ عامہ کے لئے اس قدر ضروری اور مختلف و متفاوت اشیاء کی جانب مساوی نسبت رکھتی ہو اس ضروری ہے کہ وہ نہ خود مقصود بالذات ہو اور نہ دوسری اشیاء کی طرح خاص شکل و صورت (زیور، برتن وغیرہ) میں محدود ہو تاکہ کل اشیاء کے درمیان "وسیلہ" اور "ذریعہ" بن سکے جیسا کہ آئینہ کہ اس کا اپنا کوئی رنگ نہیں مگر ہر ایک رنگ کو ظاہر کر دیتا ہے یا جیسا کہ حرف اپنی حقیقت میں کوئی معنی نہیں رکھتا مگر تمام معانی کے اظہار کے لئے واحد ذریعہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان دھاتوں کی تخلیق اسی لئے فرمائی ہے کہ بیع و شراء میں مقصود بالذات "بیع" نہ بنائی جائیں بلکہ ذریعۂ خرید و فروخت (ثمن) قرار دی جائیں اور اسی لئے ان کو "کنز" نہ بنایا جائے بلکہ ہاتھوں میں دائر سائر رکھا جائے تاکہ معاشی نظام میں اختلال واقع نہ ہو۔

دراہم و دنانیر (یعنی سونا، چاندی) کی تخلیق اس لئے نہیں ہے کہ یہ تجربات انسان کی معاشی ضروریات میں مقصود بالذات ہیں بلکہ ذریعہ اور وسیلہ ہیں اور یہ کہ یہ اسی وقت وسیلہ ہو سکتی ہیں کہ کنز اور خزانہ نہ بنائی جائیں بلکہ لوگوں کے ہاتھوں میں جاری ساری رہیں تاکہ وہ اشیاء کے مبادلہ میں "میزانِ عدل" بن سکیں، یہی وہ حقیقت ثابتہ ہے جس کو چشم بصیرت ہر ایک لمحہ صفحۂ موجودات پر خطِ الٰہی کی ان سطور میں پڑھتی رہتی ہے جن میں نہ حرف ہے اور نہ آواز اور جو آنکھیں اس تحریر کے ادراک سے عاجز ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے قرآن حکیم میں اس کو بخوبی واضح فرمایا ہے چنانچہ ارشادِ مبارک ہے۔

الذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ — جو لوگ خزانہ کرتے ہیں سونے اور چاندی کو اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے پس ان کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔

اور اسی حقیقت کے پیشِ نظر سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال ممنوع قرار پایا اس لئے کہ برتن کی جو غرض ہے یعنی اشیاء کو محفوظ رکھنا وہ مٹی، لکڑی، بلور، پیتل، تانبا یا لوہا جیسی چیزوں کے ظروف سے بھی پوری ہو سکتی ہے، لیکن یہ اشیاء چاندی سونے کی طرح مبادلۂ اشیاء میں براہِ راست

Marfat.com

"میزانِ عدل" نہیں بن سکیں تو اب نقدین (سونا، چاندی) کی تخلیق کے مقصد کو باطل کر کے سونے چاندی کے ظروف استعمال کرنے والا بلاشبہ حکمتِ الٰہیہ کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا ہے پس جو شخص اس حقیقت پر نظر رکھتا ہے وہ بخوبی اس حدیث کے مضمون کی حقیقت کو معلوم کر سکتا ہے

من شرب فی انیۃ من ذھب او فضۃ — جس شخص نے سونے یا چاندی میں پیا (کھایا) تو

فکانما یجرجر فی بطنہ نار جھنم (متفق علیہ) — گویا وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔

پس واضح رہے کہ جو شخص بھی سونے، چاندی (روپیہ اشرفی) دراہم و دنانیر میں "ربوا" کا معاملہ کرتا ہے یعنی کمی و بیشی کے ساتھ تبادلہ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت کی خلاف ورزی کا مرتکب اور معاشی نظام کے اختلال کا باعث ہی بنتا ہے اور ان حجریات کی تخلیق میں فطرتِ الٰہی نے جو قانون وضع کر دیا ہے اس کو توڑ کر ظلم اور کفرانِ نعمت کا باعث ہوتا ہے۔

کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اگر حقیقتِ حال یہ ہے تو اسلام نے سونے کو چاندی اور چاندی کو سونے کے ساتھ کمی بیشی سے اور ہم جنس نقد کو مساوی تعداد کے ساتھ خرید و فروخت کی اجازت کیوں دی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سونا اور چاندی دو مختلف حقیقتیں ہیں اور اس لئے قدر و قیمت کے لحاظ سے بھی دونوں میں نمایاں فرق ہے تو ظاہر ہے کہ مطلوبہ اشیاء کی خرید و فروخت میں ان کے ذریعہ اور وسیلہ بننے میں بھی ضرور تفاوت ہوگا مثلاً سونے کے مقابلہ میں چاندی بکثرت ذریعہ بنتی رہتی ہے کیونکہ اس سے مطلوبہ شے کم سے کم مقدار میں بھی حاصل کی جا سکتی ہے پس اگر ان کے مابین کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کی اجازت نہ ہوتی تو بسا اوقات ان کے وسیلہ اور ذریعہ بننے میں دشواری پیش آجایا کرتی اور لوگوں کو معاشی زندگی میں یُسر اور آسانی کی جگہ عسر اور دشواری کا منہ دیکھنا پڑتا مثلاً اگر کسی کے پاس فقط سونا ہے اور اس کو معمولی اشیاء خرید کرنی ہیں جو سونے کے دینار یا اشرفی کی قیمت سے دور کی بھی نسبت نہیں رکھتیں تو اس کے لئے خریداری کی صورت کیا ہوتی پس سونے کا چاندی کے ساتھ اور ایک دینار کا چند دراہم

لہ احیاء العلوم میں اس کو حدیث نہیں کہا گیا مگر بخاری اور مسلم کی اس حدیث کو اس کی شرح اتحاف میں متفق علیہ کہا ہے۔

Marfat.com

اور ایک اشرفی کا چند روپوں کے ساتھ اگر تبادلہ جائز نہ ہوتا تو اس کو مطلوبہ شے کی خریداری میں سخت دشواری پیش آجاتی۔

نیز ایک درہم کا ایک درہم کے ساتھ اور ایک دینار یا اشرفی کا ایک دینار یا اشرفی کے ساتھ تبادلہ اس لئے جائز قرار پایا کہ اس عمل سے معاشی نظام پر مطلق کوئی برا اثر نہیں پڑتا اس لئے کہ اگر یہ دونوں یکساں حیثیت میں ہیں اور کچھ کھرے کھوٹے کا فرق نہیں ہے تو یہ تبادلہ ایک عبث حرکت ہوگی گویا ایسا ہوگا کہ ایک شخص نے ایک درہم یا ایک روپیہ زمین پر رکھدیا اور پھر ایک منٹ کے بعد اس کو زمین سے اٹھالیا اور ظاہر ہے کہ کوئی عاقل ایسا نہیں کرے گا اور اگر باہم کھرے اور کھوٹے کا فرق ہے تو مساوات کی صورت میں تو کھرے درہم کا مالک فروخت کرنے پر راضی نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا کھلا نقصان ہے اور عدم مساوات کی شکل میں اسلام کا نظام معاشی اجازت نہیں دے گا۔ کیونکہ ایسی صورت میں ان حجریات کی تخلیق کا جو مقصود ہے وہ فوت ہو جاتا ہے اور جو حقیقتہً اشیاءِ مقصودہ ومطلوبہ کے حصول میں ذریعہ اور وسیلہ بننے کے لئے مخلوق ہوئی ہے وہ مقصود بالذات بن کر معاشی نظام کے نظم میں اختلال کا باعث اور حکمتِ الٰہیہ کے خلاف کا سبب بن جاتی ہے جیسا کہ سطور بالا میں واضح ہو چکا ہے۔

اور یہی صورتِ حال ہے اجناس میں ہم جنس کے باہم تبادلہ کی اور اس لئے ان میں بھی سطورہ بالا حکم عدم جواز ہی نافذ ہوگا۔

اور اگر سونا چاندی کا ہم جنس تبادلہ ادھار کی شکل میں بشرط مساوات ہو تو (معاشی وجوہ کے علاوہ) اخلاقی نقطۂ نظر سے بھی ممنوع ہے کیونکہ حقیقت میں یہ تبادلہ اور خرید و فروخت کا نہیں بلکہ قرض کا معاملہ ہے اور "قرض" کی بنیاد بغیر معاوضہ حاجتمند کی حاجت پورا کر دینے پر ہے جو سرتاسر اخلاقی مسئلہ ہے اور موجب اجر و ثواب ہے۔ پس جو شخص اس کو اخلاقی وصف سے نکال کر معاوضہ اور مبادلہ کی شکل دیتا ہے در اصل وہ اخلاق کے ایک اہم مسئلہ کی تخریب کا در پے ہے جو مذہب کی نگاہ میں سخت معیوب ہے۔ اس لئے اس اخلاقی مسئلہ کو قانونی مسئلہ بنانا ضروری سمجھا گیا اور عدم جواز کا حکم دیا گیا۔

Marfat.com

اور اجناس میں اسی طرح کا معاملہ اس لئے بھی ممنوع ہے کہ جو شخص اس قسم کا کاروبار کرتا ہے وہ جب ہی کر سکتا ہے کہ اس کے پاس غلہ یا دوسری کوئی جنس وافر مقدار میں موجود اور وہ اس سے مستغنی ہو تو ایسی صورت میں وہ "احتکار" کا مرتکب ہے یعنی جنسِ مذکور کو جو عام حاجات و ضروریات کے لئے ہے جمع اور خزانہ کر کے یہ چاہتا ہے کہ اس جنس کے نرخ (ارزانی و گرانی) کا معاملہ بازار سے قطع ہو کر اس کے ہاتھ میں آجائے اور اس طرح گویا ان اشیاء کی مقصدِ تخلیق کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر شریعتِ اسلامیہ میں محتکر (ذخیرہ اندوز) پر لعنت وارد ہوئی اور اس کے حق میں شدید قسم کی وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔ ۔ [۱]

اور امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں۔

علماء اسلام نے ربا کی حرمت پر متعدد دلائل بیان فرمائے ہیں۔

(۱) جو شخص ایک درہم (یا ایک روپیہ) کو دو درہم (یا دو روپیہ) کے عوض میں فروخت کرتا ہے، نقد کا معاملہ ہو یا ادھار کا تو اس کو ایک درہم (یا ایک روپیہ) مفت ہاتھ آتا ہے جس کے مقابلہ میں اس کی جانب سے کوئی عوض موجود نہیں ہے، حالانکہ خرید و فروخت میں جانبین سے معاوضہ اور مبادلہ ضروری شے ہے "پس جو درہم یا روپیہ بغیر عوض اس نے حاصل کیا اس میں اس کی جانب سے نہ مالِ متقوّم (اصل) کا کوئی دخل ہے اور نہ محنت کا، اور چونکہ انسان کی ضروریات و حاجات کی تکمیل کے لئے "مال" ازبس ضروری شے ہے اس لئے اس کی حفاظت و عزت انسان کے خون (جان) کی برابر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے "حرمۃ مال الانسان کحرمۃ دمہ" پس جو شخص دوسرے کے مال کو بغیر عوض کے لیتا ہے وہ بلاشبہ سُحت اور ظلم ہے اور اس لئے ایسا معاملہ قطعاً حرام ہے اور اگر اس موقعہ پر یہ کہا جائے کہ درہم زائد اس لئے "زائد" نہیں ہے کہ بائع یا قرض دینے والے نے جو درہم مشتری یا قرضدار کو ایک مدت کے لئے دیا ہے اگر اس مدت میں وہ اس کے اپنے پاس رہتا تو ممکن تھا کہ وہ اس سے تجارت کے ذریعہ نفع حاصل کر سکتا اب جبکہ اس مدت میں اس کے پاس نہ رہا تو یہ

---

[۱] احیاء العلوم ج ۴ ص ۷۹-۸۰۔ واتحاف السادۃ المتقین زبیدی ج ۹ ص ۶۸-۶۳۔

Marfat.com

"قدرِ زائد" اس کا عوض ہے کہ راس المال "اصل" قرضدار کے پاس ایک مدت تک مقید رہا اور قرضخواہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا کیونکہ اگر اس کے پاس رہتا تو وہ تجارت کے ذریعہ اس سے فائدہ اٹھاتا اب جبکہ اس نے قرضدار کو دیدیا تو یہ اس درہم سے تجارت کے ذریعہ فائدہ اٹھا سکتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کو اس قدر نفع ہو کہ زائد درہم اس میں سے ادا کر دینے کے قابل ہو جائے۔ لہٰذا اس کو "قدرِ زائد" کہنا صحیح نہیں بلکہ یہ بھی درحقیقت عوض اور "اصل" ہی ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جو درہم (اصل) بائع نے مشتری کو یا قرضدار نے قرض خواہ کو دیا ہے وہ اگر اس کے اپنے پاس رہتا تو یہ یقینی نہیں تھا کہ اس سے ضرور نفع حاصل ہوتا بلکہ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ تجارت میں نقصان پا کر "اصل" کو بھی کھو بیٹھتا لیکن دو درہم کے مقابلہ میں قرض دینے یا فروخت کرنے کی شکل میں ایک درہم کا زائد اور مفت ہاتھ آجانا قطعی اور یقینی ہے پس امر موہوم کے مقابلہ میں اس یقینی نفع کی اجازت دیدینا، معاشی نقطۂ نظر سے ایک جانب کو قصداً نقصان پہنچانا ہے اس لئے حرام ہے۔

(۲) یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ معاشی نظام کی بنیادیں تجارت، صنعت و حرفت، زراعت جیسے ستونوں پر قائم ہے اور ان ہی کی بدولت کسی ملک میں رفاہیت کے سامان مہیا ہو سکتے ہیں پس اگر معاشی نظام میں ایسے معاملہ (ربوٰ) کی اجازت دیدی جائے جس میں کسبِ معاش کے ان حقیقی ذرائع کی بجائے بے محنت ایک کے دو اور دو سے بھی زیادہ ہو سکیں تو اس ملک میں ایک مستقل طبقہ ایسا پیدا ہو جائے گا جو ان تمام صحیح اور حقیقی ذرائع کو چھوڑ کر اسی کو ذریعہ معاش بنانے کا اور اس طرح منافعِ عوام کو نقصان پہنچا کر معاشی نظام کے اختلال کا باعث بن جائے گا اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ اس طرح دولت پر ایک مخصوص طبقہ کا اجارہ ہو جائیگا اور انجام کار عام کساد بازاری پیدا ہو جائے گی۔

(۳) عام طور پر ایک درہم لے کر دو درہم دینے کا معاملہ وہی شخص کر سکتا ہے جو اضطراری حالت میں ہو اور معاشی حاجت و ضرورت کے لئے نقدین کا محتاج ہو اور وہی شخص اس کاروبار کو چلا سکتا ہے

جس کے پاس سرمایہ بصورت اصل (راس المال) موجود ہو، یا یوں کہہ لیجئے کہ قرض لینے والا اکثر غریب فقیر اور مضطر ہوگا جو بوجہ مجبوری اپنی حاجت و ضرورت میں ایک کے دو دینے پر آمادہ ہو جائیگا۔ اور قرض دینے والا غنی اور سرمایہ دار ہوگا۔ پس اگر اس معاملۂ ربویہ کو جائز رکھا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صاحب ضرورت اور زیادہ فقیر اور محتاج ہوتا چلا جائے اور غنی و صاحب دولت آہستہ آہستہ دولت و ثروت پر قابض ہو جائے اور ظاہر ہے کہ جس معاشی نظام کی بنیاد رحمتِ عام پر قائم ہو وہ کس طرح ایسے معاملہ کی اجازت دیسکتا ہے؟

(۴) ربا (سود) کو اس لئے حرام کیا گیا کہ وہ باہمی ہمدردی اور حسن سلوک کا خاتمہ کرتا ہے اس لئے کہ بسا اوقات انسان اپنی ضرورت و حاجت میں قرض پر مجبور ہوتا ہے۔ اس وقت اخلاق کا تقاضا ہے کہ صاحب دولت، صاحبِ حاجت کے ساتھ حسنِ سلوک اور ہمدردی کا معاملہ کرے اور بغیر کسی معاوضہ کے قرض دے، پس اگر کسی معاشی نظام میں "ربا کی اجازت ہو تو پھر کوئی شخص بھی آسانی کے ساتھ قرض بغیر معاوضہ پر آمادہ نہیں ہو سکتا اور اس طرح مواساۃ و احسان کا دروازہ بند ہو جاتا ہے ملخصاً[۱]

اس پر یہ اضافہ اور کر لیجئے قرض بلا معاوضہ صرف اخلاقی مسئلہ ہی نہیں ہے بلکہ معاشی مسئلہ بھی ہے اس لئے کہ علماءِ معاشیین کے نزدیک انسانی معاشرت میں جائز ضروریات کے لئے خواہ وہ حکومت کے سلسلہ کی ہوں یا انفرادی اور شخصی سلسلہ کی۔ قرض کا معاملہ ناگزیر ہے پس اگر قابلِ اطمینان ضمانت کے ساتھ قرض کا معاملہ ہو تو اس کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ (۱) قرض اس امید پر دیا جائے کہ یہ قدرِ زائد کے حصول کا ذریعہ ہے (۲) اس لئے دیا جائے کہ ضرورت سے فاضل دولت، حاجتمند کی حاجت کو اس طرح پورا کر دے کہ "اصل" (راس المال) کسی حال میں ضائع نہ ہونے پائے۔

تو جس معاشی نظام میں پہلی صورت جائز ہوگی بلاشبہ اس میں قرض کا مقصد فوت ہو کر ایک ایسا بیوپار بن جائے گا جس کے نتیجہ اور ثمرہ میں دولت مند کی دولت کا اضافہ قرضخواہ کے نقصان

---

[۱] تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵۲ و ۳۵۳

Marfat.com

کے ساتھ وابستہ ہوجائے اور اس طرح انسانی معاشرہ میں فاقہ مست محتاجوں کی کثرت، دولت کو سمیٹ کر دولتمندوں کے ایک خاص طبقہ کے اندر محدود کردے گی اور عام کساد بازاری کا باعث ہوگی لہٰذا "صالح معاشی نظام" میں قرض کا معاملہ دوسرے اصول پر ہی قائم رہ سکتا ہے۔

اور حافظ ابن قیم اعلام الموقعین میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ربا کی دو قسمیں ہیں ایک جلی (ظاہر) اور دوسری خفی (مستور) جلی کو اس لئے حرام کیا گیا کہ اس کی حقیقت میں ضرر عظیم اور مفسدہ شدید موجود ہے اور خفی کو اس لئے حرام کہا گیا کہ وہ ربا جلی کے لئے وسیلہ و ذریعہ بنتا ہے لہٰذا ربا جلی کی حرمت مقصود بالذات ہے اور ربا خفی کی حرمت ذریعہ اور وسیلہ کے سدباب کی بنا پر ہے۔

"ربا جلی" ربا نسیہ (قرض وادھار پر سود کا معاملہ) کا نام ہے اور یہ وہ ربا ہے جو زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھا مثلاً کسی حاجتمند کو قرض دیتے اور جب وہ مدت موعودہ پر ادا نہ کرتا تو اس شرط پر مدت کا اضافہ کردیتے کہ اس قدر زائد دینا ہوگا اور اس طرح مدت میں اضافہ کے ساتھ زیادت مال (سود) کا اضافہ کرتے جاتے حتیٰ کہ ایک سو کی رقم ہزارہا ہزار تک پہنچ جاتی۔ اور اس قسم کا معاملہ وہی لوگ قبول کرتے تھے جو محتاج، مفلس اور نادار ہوتے اور قرضخواہ کی رقم ادا کرنے سے قاصر رہتے تھے وہ جب یہ دیکھتے تھے کہ قرضخواہ قرض کی رقم پر اضافہ (سود) کی وجہ سے ادائے قرض میں مہلت دیدیتا ہے تو تقاضا کی شدت اور عدم ادا کی شکل میں (دیوانی) قید وبند کی مصیبت سے گھبرا کر اور مضطر ہوکر جبراً اس اضافہ کو برداشت کرتے جاتے تھے اور وقت پر وقت گزرتا چلا جاتا تھا حتیٰ کہ نوبت آجاتی کہ تاخیر کی بدولت اضافۂ مال کا نقصان شدید سے شدید تر ہوجاتا۔ اس پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا اور قرض کی رقم پر سود بڑھتے بڑھتے اس کی تمام موجودات پر حاوی ہوجاتا اور اس کی تمام مملوکہ اشیاء قرض میں مستغرق ہوکر رہ جاتیں۔ پس ربا کے اس معاملہ نے یہ شکل پیدا کردی کہ مفلس قرضدار پر رقم کا جو اضافہ ہوتا رہا اس کے عوض میں اس کو کوئی مالی نفع حاصل نہیں ہوا اور قرضخواہ کو قدر زائد اور اضافۂ سود دوسرے کو بغیر نفع پہنچائے اور عوض دیئے حاصل ہوتا رہا تو اس کے یہ معنی

ہیں کہ وہ اپنے بھائی کا مال باطل طریقہ سے کھاتا اور اس کو انتہائی نقصان اور ضرر میں مبتلا کر دیتا ہے پس ارحم الراحمین کی رحمت و حکمت اور مخلوق پر احسان کا تقاضا ہوا کہ اس نے "ربا" کو حرام کر دیا اور ربا کھانے والے ربا کی دستاویز لکھنے والے اور اس پر گواہی کے دستخط کرنے والے کو ملعون ٹھیرایا اور جو شخص اس ملعون معاملہ سے باز نہ رہے اس کو اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ جنگ کا چیلنج دیا۔ اور بڑے بڑے گناہوں میں سے کسی گناہ پر اس قدر سخت وعید کا نزول نہیں ہوا اور اسی بنا پر یہ (ربا) اکبر الکبائر (بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ) شمار ہوا۔

اور ربا الفضل (ربا خفی) کی حرمت سدِ وسائل و ذرائع کی بنا پر ہے جیسا کہ حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بصراحت معلوم ہوتا ہے۔

| | |
|---|---|
| عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک درہم کو دو درہم کے عوض |
| لا تبیعوا الدرہم بالدرہمین | نہ خرید و فروخت کرو کیونکہ ایسی صورت میں مجھے خوف ہے |
| فانی اخاف علیکم الربا۔ | کہ تم ربا میں مبتلا ہو جاؤ گے۔" |

پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "ربا الفضل" (یعنی نقد بیع و شرا میں قدر زائد کے حصول) کو اس خوف سے منع فرما دیا کہ "ربا الفضل" "ربا النسیۃ" (ادھار پر سودی لین دین) تک پہنچا دیتا ہے اور یہ اس لئے کہ ایک عقلمند ایک درہم کو دو درہم کے ساتھ اسی صورت میں خرید و فروخت کر سکتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان کھرے اور کھوٹے سکے میں تفاوت، یا ہلکے اور بھاری کا فرق جیسی صفات موجود ہوں پس اگر وہ جنس کی وحدت کا لحاظ نہ کرتے ہوئے صفات کے تفاوت کو معیار قرار دیتا ہے تو یہ تفاوت اس کے نقد معاملہ سے ہٹا کر ادھار کے لین دین تک باسانی پہنچا دے گا اور اسی کا نام "ربا النسیۃ" ہے (بلکہ اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلے گا کہ مثلاً کھرا سکہ (ثمن۔ نقد) قرار پا جائیگا اور کھوٹا مبیع خرید کا مال) اور یہ کہدینا آسان ہوگا کہ اگر ایک جانب مال ہو اور دوسری جانب وہ نقد سکہ" تو جس طرح سکہ کے معاملہ میں ادھار درست ہے اسی طرح یہاں بھی ادھار کیوں جائز نہ ہو اور بالآخر ربا الفضل کے کاروباری "ربا النسیہ" کے مرتکب ہو جائیں گے"[۱] اس لئے یہ کہنا

[۱] قوسین میں مؤلف کی جانب سے تشریحی اضافہ ہے۔

Marfat.com

بیجا نہیں کہ ربا الفضل، ربا النسیہ کے لئے قریب سے قریب تر ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ پس شارع (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی حکمت نے یہ فیصلہ کیا کہ امت پر اس قریب تر ذریعہ اور وسیلہ کا دروازہ بھی بند کر دیا جائے اور بلاشبہ یہ حکمت عقل و فطرت کے عین مطابق اور سودی مفاسد کے سدِ باب کے لئے بہترین ہے[۵۲]

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"اور شارع حکیم و دانا ہے وہ انسان کی مصالح اور ضروریات پر پابندیاں اس وقت تک نہیں لگاتا جب تک کہ کسی معاملہ میں ضمنی یا لزومی طور پر ایسا مفسدہ موجود نہ ہو جو مصلحت و ضرورت کے مقابلہ میں زیادہ قابلِ لحاظ ہے۔ اور "ربا الفضل" کی حرمت سے متعلق حکمت بہت سے لوگوں پر مستور ہے حتیٰ کہ بعض متاخرین نے اعتراف کیا ہے کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ "ربا الفضل" کی حرمت کس حکمت و مصلحت پر مبنی ہے حالانکہ گذشتہ سطور میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ ربا الفضل کی حرمت شریعت کی عظیم الشان حکمت اور مخلوقِ خدا کی مصالح کی بہترین حفاظت پر مبنی ہے اور یہ کہ ربا کی دو قسمیں ہیں (۱) "ربا النسیہ" اور اس کی حرمت تحریم المقاصد میں سے ہے (یعنی ان امور میں سے ہے جس کو صاحبِ شریعت حرام قرار دینا شریعت کے اہم مقاصد میں سے سمجھتا ہے) (۲) "ربا الفضل" اور اس کی حرمت ذرائع اور وسائل کی حرمت میں سے ہے اس لئے کہ نفوسِ انسانی کی یہ کمزوری ہے کہ جب ان کو نقد نفع کی راہیں تنگ نظر آتی ہیں تو پھر وہ کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح نفع مؤخر ہی میسر آجائے" اور اس طرح ربا النسیہ تک پہنچ جاتے ہیں" پس شارع نے ایسے وسیلہ کو بند کر دینا ہی ضروری سمجھا اور اس لئے ربا الفضل پر بھی ممانعت کی باڑھ لگا دی تاکہ ربا النسیہ تک کوئی پہنچ ہی نہ سکے، اب اہلِ نظر انصاف کریں کہ اس سے بہتر حکمت اور حکم اور کیا ہو سکتا ہے؟[۵۳]

---

[۵۱] قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ دعوا الربا والریبۃ۔ ربا اور ربا کی طرح کے مشتبہ معاملات کو ترک کر دو

[۵۲] اعلام الموقعین ج ۲ ص ۹۹ و ۱۰۰ - [۵۳] اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲۰۴

Marfat.com

غرض اسلام نے "سود" کو کسی حالت میں برداشت نہیں کیا اور اس کے اقتصادی نظام کے بنائے ہوئے نقشہ میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے کیونکہ معاشرتی اور اخلاقی تباہ کاریوں کے اسباب و علل میں سے بہت بڑا ذریعہ اور اہم سبب یہی "سود" ہے۔

نیز اس نے سود کی صرف ان ہی چند اقسام کو ممنوع نہیں قرار دیا جو زمانۂ جاہلیت میں "مشرکین عرب" کے یہاں رائج تھیں یا آج بھی عام طور پر رائج اور مہاجنی سود سے موسوم ہیں، بلکہ اس کے متعلق "چند اصول" بیان کرکے ان تمام شکلوں کا بھی سدباب کر دیا جن کا آخری نتیجہ "سود" کی طرح "بغیر محنت کی کمائی" نکلتا تھا اور ان سب کو "سود" ہی کے احکام میں شامل کر دیا۔

بینک | اسلام نے حرمتِ سود (ربا) سے متعلق جو اصول قائم کئے ہیں عام سودی لین دین کے علاوہ دورِ جدید کے بعض وہ ترقی یافتہ ادارے اور کمپنیاں بھی اس حرمت کے تحت میں آجاتی ہیں جن کا مدار سودی لین دین پر ہے چنانچہ ان میں ایک ادارہ "بینکنگ سسٹم" ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بڑی بڑی تجارتوں کی آسانی، دولت و ثروت کے ذخیروں کی حفاظت اور ان سے مزید زرکشی کے لئے اس ترقی یافتہ زمانہ میں "بینکوں کا وجود" ازبس ضروری اور نہایت کارآمد و مفید ہے۔

لیکن اس خوشنما رنگ و روپ میں جو "مارِ سیاہ" پوشیدہ ہے اور اس ظاہر انگبیں میں جو "زہرِ قاتل" مستور ہے اگر اس کی تحلیل کی جائے اور اُس کو بے نقاب کیا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ "بینکوں کا وجود" اس لئے ہے کہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کے سرمایہ اور پونجی میں بے پناہ اضافہ ہو اور جس دولت و ثروت کے ذریعہ محنت کے اشتراک سے متوسط اور غریب طبقے کے افراد کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچایا جاسکتا تھا اس کا انسداد ہو جائے اور دولت سمٹ سمٹ کر ایک مخصوص طبقہ میں محصور ہو جائے اور تمام تجارتی کاروبار کے نفع و نقصان کی قسمت چند بینکروں کے ہاتھ میں مقید ہو کر رہ جائے اور اس طرح بینکوں کے سودی جال سے نہ کوئی تجارت محفوظ ہے نہ زراعت، اور نہ روزمرہ کی معاشرت، اور نتیجہ یہ نکلے کہ دنیا خود بخود دو حصوں میں تقسیم ہو جائے۔ ایک طرف بڑے بڑے قارون مثال سرمایہ دار ہوں اور دوسری جانب کروڑوں مفلس، نادار اور محتاج

جو بدن کے لئے کپڑا اور پیٹ کے لئے روٹی تک نہ رکھتے ہوں اور موسم سرما کی سردی اور گرما کی گرمی سے حیوانوں سے بدتر حال میں تڑپ تڑپ کر مر جاتے ہوں یا زار و نزار حالت میں سسکتے رہنے کے عادی ہوں۔

بیشک بینک بہت مفید اور نہایت ضروری چیز ہے لیکن سرمایہ داروں کے لئے غریبوں کے لئے نہیں۔ اس لئے کہ وہ قارونی دولت کی کاشت کے لئے ابرِ نیساں ہے اور غریبوں کی نعشوں پر سرمایہ کی تعمیر کے لئے بہت عمدہ مسالہ۔

اور بلاشبہ بینک نہایت مضر اور تباہ کن شے ہے مگر عوام اور غرباء کے لئے امیروں اور دولتمندوں کے لئے نہیں، اس لئے کہ وہ خوبصورت طریقوں سے دولت کو دولتمندوں میں محدود کرتا اور عوام کی غربت کو ہولناک درجہ تک پہنچا دیتا ہے اور تہذیبِ نو کا یہ تجارتی جال دراصل دورِ قدیم کی مہاجنی ہنڈیوں کے بیوپار کی نہایت حسین اور شاندار تصویر ہے۔

پس اگر وہ اقتصادی بہتری کے لئے ضروری تھا تو یہ بھی ازبس ضروری ہے اور اگر اس نے عوام کی تباہی پر دولتمندی کی بنیادیں رکھیں تو یہ بھی اسی تباہی کا بہترین نقشِ ثانی ہے۔

اقتصادی نظام کا جو نقشہ اسلام نے بنایا ہے اگر دنیا کو اس کے مطابق چلا جائے تو پھر بینکوں کے موجودہ سسٹم کی کوئی حاجت ہی باقی نہیں رہتی[1]۔ کیونکہ دولت حاصل کرنے کی بے روک ٹوک آزادی میسر ہی نہیں آسکتی اور نہ وہ ایسے مہلک طریقوں کی اجازت دیسکتا ہے جو اکثریت کو برباد کر کے چند افراد کا فائدہ کراتے ہوں، اور نہ وہ ایسے ترقی یافتہ تجارتی ذرائع کو مانتا ہے جو صرف بڑے بڑے سرمایہ داروں کو ہی فروغ دینے کے لئے وضع کئے گئے ہوں اور غریبوں کے لئے ان میں معمولی سا حصہ بھی نہ ہو۔

---

[1] اگر بینک سسٹم کی ضرورت تسلیم بھی کرلی جائے تو پھر ان کے قیام کی ایسی شکلیں ممکن ہیں جو "سود" کے بغیر اس سسٹم کے مقصد کو اس حد تک پورا کرسکیں جس کے لئے ایسے اجتماعی ادارہ کی ضرورت پیش آتی ہے یعنی انفرادی یا اجتماعی ضروریات کے لئے حصولِ زر یا بطور امانت روپیہ کا تحفظ چنانچہ آئندہ صفحات میں اس ممکن صورت کا نقشہ پیش ہوگا۔

پس جبکہ "بینک" کا موجودہ سسٹم بھی "سود" کی طرح کا ایک نظام ہے تو اسلامی نظامِ اقتصاد میں اس کے لئے بھی کوئی جگہ نہیں ہے۔

**ایک شبہ کا ازالہ**

ممکن ہے یہاں یہ سوال پیدا کیا جائے کہ "بینک" کا قیام خواہ مذموم سرمایہ داری کے ترقی دینے ہی کی غرض سے کیا گیا ہو لیکن موجودہ زمانہ میں اس کے عظیم الشان فوائد سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔[1] تو اس کا جواب یہ ہے کہ "بینک" کی خوبیاں یہ جو کچھ نظر آتی ہیں "قطع نظر اس بات سے کہ اس سے زیادہ اس کے عیوب ہیں" محض اس لئے نظر آتی ہیں کہ موجودہ تجارتی سسٹم دراصل مذموم سرمایہ دارانہ نظام پر چل رہا ہے۔ لیکن جب اس نظام کو تباہ و برباد کر کے صحیح اور مفید عادلانہ نظام قائم کیا جائے گا تو پھر اس نظام میں تجارتی ترقی اور اقتصادی بہبودی کی ضرورت کے لئے قرض و امداد کا انتظام "بینک کے سسٹم" کے بغیر بھی نہایت خوبی کے ساتھ چل سکتا ہے اور اگر بینک سسٹم ناگزیر ہو تو وہ ایسے اصولوں پر قائم رہ کر چلایا جا سکتا ہے جن کے پیش نظر نہ قرض و امانت پر "سود" کا لین دین ہو سکے اور نہ تجارتی سود کی گنجائش نکل سکے بلکہ ایک ایسی کمپنی کی شکل میں منتقل ہو جائے جو روپیہ داخل کرنے والوں اور بینکروں کے درمیان "مضاربۃ" کی طرح کی تجارت کیا کرے جس کا ذکر آئندہ صفحات میں آنے والا ہے۔

دراصل یہ جو کچھ نظر آتا ہے سوسائٹی کے غلط نقشہ کی بدولت نظر آتا ہے۔ اگر یہ بدل جائے تو اس کی ضروریات و واجبات سب ہی بدل جائیں گے اور دنیا امن، ترقی، فلاح، رفاہیت، اخوت، اور ہمدردی کے دھارے پر بہنے لگے گی۔

---

[1] عام نگاہوں میں بینک بہت فائدہ کی چیز نظر آتے ہیں، لیکن جو لوگ اس کی تاریخ، اس کے وجود کی غرض اور اس کی حقیقت سے آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ بھی سود خواروں اور سرمایہ داروں کے افزونی سرمایہ کا ایک ترقی یافتہ آلہ ہے۔ دیکھو رسالہ "جامعہ" ماہ فروری ۱۹۳۹ء

نیز اس سلسلہ میں ڈاکٹر انور اقبال قریشی صدر شعبۂ معاشیات جامعہ عثمانیہ کی کتاب "اسلام اور سود" خصوصیت سے لائق مطالعہ ہے۔ موصوف بینک سسٹم پر بحث کرتے ہوئے صفحہ ۱۵۰ پر یورپ کے ایک مشہور معاشی عالم کا یہ مقولہ نقل فرماتے ہیں "اس سلسلہ میں مسٹر جافری ہیڈلیپ کا یہ کہنا بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ ایسا سماج جو اپنے بینکروں کے حلقۂ اثر میں ہو اور ان کی اخلاقی تلقین کا روادار باقی رہنے کے قابل نہیں ہے۔ معاشرے کی خرابیوں کے ذمہ یہی بینک کار ہیں۔

**ہنڈیوں سے لین دین**

بینک کا یہ سسٹم تو زمانۂ جدید کا ترقی یافتہ سسٹم ہے لیکن قدیم زمانہ میں یہی کام ہنڈیوں سے لیا جاتا تھا، کوئی درشنی ہنڈی کہلاتی تھی، کوئی غیر درشنی ہوتی تھی، یہ سارا کام بھی سود ہی کے طریقوں پر چلتا تھا جس کو مہاجنوں کی اصطلاح میں "سود بٹہ" کہتے تھے۔ اگرچہ ہندوستان میں بینکوں کا رواج کثرت سے ہوگیا ہے تاہم آج بھی ہنڈیوں کا لین دین بند نہیں ہوا ہے اور کل کی طرح آج بھی ہنڈیوں کا لین دین پایا جاتا ہے اور وہ تجارتی کاروبار میں دخیل ہیں۔

**کواپریٹو سوسائٹیاں**

بینک کے طریقے کی ایک دوسری چیز ہے جس کو "کوآپریٹو سوسائٹی" یعنی مجلس امداد باہمی کہا جاتا ہے۔ یہ اگرچہ غریب کاشتکاروں، مزدوروں اور متوسط طبقوں کو سستے قرض دینے کے اصول پر چلائی جاتی ہیں، لیکن یہاں بھی چونکہ سود کی نجاست موجود رہتی ہے اس لئے سرکاری طور پر جس قدر بھی ایسی سوسائٹیاں قائم ہیں وہ نتیجہ میں ان غریب قرضخواہوں کے لئے باعثِ وبال بنجاتی ہیں اور مہاجنی دستبرد کی طرح ان کو اس سے بھی فائدہ کے بجائے نقصان ہی پہنچتا ہے۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں قدیم و جدید طریقہ ہائے ربوا کی مطلق گنجائش نہیں ہے اور وہ ظاہر و خفی ہر قسم کے معاملۂ سود کو حرام قرار دیتا ہے۔

**اسلام کے معاشی نظام میں اجتماعی کمپنیوں کے ذریعہ امدادِ باہمی کے طریقے**

البتہ اسلام نے امدادِ باہمی کے اجتماعی اداروں کو کلیۃً ناجائز قرار نہیں دیا بلکہ اس نے جائز اور صحیح طریقوں کی حوصلہ افزائی کی ہے جو سود کی نجاست سے محفوظ رہ کر اداروں کے حقیقی مقصد کو پورا کرتے ہیں اور خود بھی اپنی جانب سے ان صحیح وسائل کی جانب راہنمائی کی ہے جن کے ذریعہ سے درحقیقت غریب قرضخواہوں کی تباہ زندگی کے سہارے کی شکل پیدا ہوسکتی ہے یعنی وہ "امداد باہمی" کے نام سے ایسی مجالس (سوسائٹیاں) قائم کرنے کا حامی ہے جو مفید ہونے کے اعتبار سے قوی کام دیں جو دورِ جدید میں "کوآپریٹو سوسائٹیاں" کام دیتی ہیں، لیکن اس کے لین دین میں سود کا (خواہ وہ کتنی ہی کم مقدار میں کیوں نہ ہو) ہرگز ہرگز دخل نہ ہو البتہ سوسائٹی کے اصل سرمایہ کو محفوظ رکھنے اور عملہ کے اخراجات حاصل کرنے کے لئے "منافع" کے ایسے جائز طریقے اختیار کئے جائیں جن کے بعد ایک طرف "امداد باہمی کی مجالس" کا فائدہ

حقیقی فائدہ بن جائے اور دوسری جانب اصل سرمایہ کے تحفظ اور مجلس کے انتظامی کاروبار کے مصارف کا سامان مہیا ہو جائے تاکہ یہ مجالس قائم رہ سکیں۔

مثلاً پبلک سوسائٹیوں کا نظام اس طرح قائم کیا جائے کہ تجارتی، زراعتی، صنعتی وغیرہ ناموں سے ہر ایک جماعت کی جدا جدا مجالس قائم ہوں اور امدادِ باہمی کی رقوم کے علاوہ نظم و انتظام اور بقاء و ترقی مجالس کے لئے رائے عامہ کے استصواب کے ساتھ اس جماعت کے افراد پر ایک ہلکا ٹیکس لگا دیا جائے جو سود کے قائم مقام رقم کی کفالت کر سکے اور افراد کی مالی حالت کے تناسب سے لیا جائے اس کو یوں سمجھئے کہ "تجارتی کوآپریٹو سوسائٹی" میں مثلاً جو رقوم دی جائیں وہ سود کے لالچ میں نہ دی جائیں بلکہ حسنِ سلوک اور انفاق فی سبیل اللہ کے اصول پر لگائی جائیں اور اس کے بعد اس کے نظم و نسق چلانے اور مجلس کے افادہ کو باقی رکھنے اور ترقی دینے کے لئے تاجروں پر ایک ایسا معمولی ٹیکس مالی تناسب کے اعتبار سے لگا دیا جائے جس سے یہ مقصد حاصل ہو سکے اور پبلک ٹیکس کے بوجھ سے پریشان بھی نہ ہو، البتہ ایسے قوانین کے لئے استصواب رائے عامہ ضروری ہے[1]۔

امدادِ باہمی کے اس طریقہ کے علاوہ چند اور ایسے طریقے بھی ہیں جو آج کل کی سوسائٹیوں کے طریقوں سے ملتے جلتے ہیں مگر "سود" کی بجائے ان میں "نفع" لے کر کام چلانے کا دوسرا ڈھنگ بتایا گیا ہے، فقہ اسلامی کے ابوابِ معاملات میں ان کی بعض جزئیات منقول ہیں اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے وقت علماء محققین کے ذریعہ تفصیلات و جزئیات سے آگاہی حاصل کی جا سکتی ہے۔

یہاں ہم قصداً ان کے بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں اس لئے کہ تفصیلات و جزئیات میں تو خوفِ طوالت ہے اور صرف اصول نقل کر دینے سے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں ان کو دیکھ کر خود عملی پروگرام بنانے میں ایسی غلطی نہ ہو جائے کہ شریعتِ اسلامی کی نگاہ میں وہ سود کی حرمت میں داخل ہو جائے۔

الحاصل۔ کوآپریٹو سوسائٹیاں ہوں یا بینکنگ سسٹم اسلام کے معاشی نظام میں ان ترقی یافتہ جدید اداروں کے قیام کے لئے مشروط گنجائش ہے یعنی وہ شرح سود کو "صفر" دیکھنا

---

[1] اس لئے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کا اسوۂ حسنہ اسی جانب راہنمائی کرتا ہے۔

Marfat.com

چاہتا ہے اور ان کو قابلِ عمل بنانے کے لئے یا حکومت پر بوجھ ڈالتا ہے کہ وہ رفاہِ عامہ کے دوسرے اداروں کی طرح ان کو بھی اپنی ذمہ داری پر چلائے اور یا بعض ایسے جائز اور صحیح طریقے بتلاتا ہے جن کے استعمال سے ان اداروں کا مقصد پورا ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا کاروبار بھی جاری رہ سکے۔

امدادِ باہمی کے بعض بہتر طریقے

چونکہ امدادِ باہمی اجتماعی زندگی کا اہم ترین فریضہ اور مذہب، سیاست، معاشرت اور اقتصاد تمام شعبوں پر یکساں حاوی ہے جیسا کہ قرآنِ حکیم کی نصِ قطعی کا اعلان ہے۔

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (مائدہ)

ہر ایک بھلائی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور برائی و سرکشی میں ہرگز ہرگز ایک دوسرے کی مدد نہ کرو

اس لئے ترغیب کے ساتھ ساتھ اسلام ان شعبوں میں امدادِ باہمی کے بعض طریقے بھی بیان کرتا ہے مثلاً تجارتی شعبہ میں " مضاربۃ، معاوضۃ، عنان، شرکت صنائع، وجوہ وغیرہ اور زراعتی شعبہ میں "مضاربۃ، معاملہ، مساقاۃ" وغیرہ

مضاربۃ

امدادِ باہمی کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے یہ بہترین طریقِ تجارت ہے۔ مضاربۃ ایسے تجارتی معاملہ کا نام ہے جس میں ایک جانب سے راس المال (سرمایہ) ہوتا ہے اور دوسری جانب سے فقط "محنت" ہوتی ہے اور منافع مثلاً نصف نصف یا کم و بیش طے پاجاتا ہے۔

بہت سے اربابِ دولت وہ ہیں جن کے پاس سرمایہ کافی ہے لیکن تجارتی کاروبار سے وہ قطعاً ناآشنا ہیں، اور بہت سے نادار و غریب ایسے پائے جاتے ہیں جن کو تجارتی کاروبار کو دیانت کے ساتھ چلانے کا سلیقہ تو ہوتا ہے مگر وہ سرمایہ سے محروم ہیں۔ لہٰذا دونوں کو جائز دولت کمانے اور خصوصاً سرمایہ سے محروم کو اپنی محنت کا پھل اٹھانے کے لئے حسنِ سلوک اور امدادِ باہمی کا یہ بہترین طریقہ ہے کہ صاحبِ مال اپنے مال کو اس دوسرے شخص کو تحفظِ سرمایہ کے اطمینان کے ساتھ حوالہ کردے اور اس کو موقع دے کہ وہ کاروبار کرکے خود بھی فائدہ اٹھائے اور اس کو بھی فائدہ پہنچائے۔

اسی طرح ایک بڑے تاجر کا بھی یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ تجارتی کاروبار سے واقف ہونے کے

Marfat.com

باوجود افرادِ ملت کو فائدہ پہنچانے کے لئے اپنی پونجی کے ایک حصہ سے مضاربۃ کا کام لے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے بصرٰی (شام) کی منڈی میں خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ عنہا کے مال میں تجارت اصولِ مضاربۃ پر ہی کی تھی جو بیش از بیش نفع کی شکل میں انجام پائی۔

اقتصادی نقطۂ نظر سے دیانت دار و سمجھ دار غریبوں، اور کاروباری ضرورتمندوں کی ایسی امداد جو غیور اور باحوصلہ افراد کے لئے قابلِ عمل اور باعثِ تسکین ہو "مضاربۃ" سے بہتر دوسرے طریقہ سے ناممکن ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

> معاونت باہمی کی چند قسمیں ہیں ایک ان میں سے مضاربت ہے وہ یہ کہ مال ایک شخص کا ہو اور محنت دوسرے شخص کی اور رضامندیِ طرفین کی تصریح کے ساتھ نفع دونوں کے درمیان ہو۔ [۵۱]

اور فقہ کی مشہور کتاب سعیدیات میں ہے۔

> مضاربت لوگوں کی ضروریات کے لئے جائز رکھی گئی ہے اس لئے کہ بعض مالدار کاروبار سے ناواقف اور نابلد ہوتے ہیں اور بعض غریب کاروبار کے ماہر اور مصالحِ تجارت سے خوب واقف ہوتے ہیں نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی یہ طریقِ تجارت جاری تھا اور آپ نے اس کو بہتر سمجھ کر جاری رکھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا اور حضرت عباسؓ کی شرائطِ مضاربت کو آپ نے پسند فرمایا۔ قرآنِ عزیز میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد موجود ہے۔" واٰخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ۔ اور ایک جماعت ہے جو زمین میں چل پھر کر اللہ کے رزق کو تلاش کرتی ہے یعنی صاحبِ مال تو مال لگاتے ہیں اور محنت والے اس کے ذریعہ سے ملکوں اور شہروں میں جاکر تجارت کرتے ہیں۔ [۵۲]

گویا اس شکل میں سرمایہ دار کا سرمایہ "لعنت" نہیں بلکہ "رحمت" بن جائیگا اور نادار کی "محنت" اور کاروباری ہوشمندی اور استعداد ضائع اور رائیگاں ہونے کی بجائے کارآمد اور نفع بخش ثابت ہوگی۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ نہ سرمایہ "کنز" بن کر احتکار و اکتناز کا باعث ہوگا اور نہ اصحابِ ضرورت

---

[۵۱] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۱۶ [۵۲] سعیدیات حصہ ۲ ص ۱۱۲۔

Marfat.com

کی انسدادِ ضروریات پر قفل پڑ سکے گا۔ اور جماعتی زندگی میں نہ فاقہ کش نظر آئیں گے اور نہ قابلِ نفرت سرمایہ دار

**معاوضہ** "معاوضہ" ایسے تجارتی کاروبار کا نام ہے جس میں کمپنی کے طور پر چند افراد اپنا اپنا راس المال دیگر شریک بن جاتے ہیں اور نفع و نقصان میں بھی شریک ہوتے اور ایک دوسرے کے لئے وکیل و کفیل اور اس معاملہ کے تمام حالات میں ذمہ دار رہتے ہیں۔ عنان بھی اسی قسم کی ایک خاص شرکت کا نام ہے

**شرکتِ صنائع** اور شرکتِ صنائع کمپنی کے طرز پر اس قسم کے کاروبار کو کہتے ہیں جس میں چند ہم پیشہ صاحبِ صنعت و حرفت اپنے حرفہ کو شرکت کے ساتھ چلاتے اور نفع و نقصان کے شریک ہو جاتے ہیں۔

**شرکتِ وجوہ** اور "شرکتِ وجوہ" اس تجارت کا نام ہے کہ بغیر "مال" کے چند افراد کے درمیان مساوی عمل و محنت اور کسب و اکتساب پر شرکت ہو جاتی ہے اور خرید و فروخت اور نفع نقصان میں بھی برابر کی شرکت رہتی ہے۔

اگر آج یہ تمام صورتیں اپنی پوری آزادی کے ساتھ کسی نظامِ اقتصادی میں رائج ہو جائیں تو بیکاری اور اس کی وجہ سے پیدا شدہ عام افلاس و بدحالی بڑی حد تک رفع ہو جائے اور خوشحالی کا دور واپس آجائے۔ مگر افسوس کہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کی خرابی نے ان جائز طریقوں کو تباہ و برباد کر دیا اور باہمی تعاون و امداد کے ان سادہ اور آسان طریقوں میں بے اعتمادی کا جال بچھا دیا، اور اس کی بجائے "سودی کاروبارِ تجارت" کو فروغ دیکر موجودہ بدحالی پیدا کر دی۔

سودی کاروبار کی یہ عمومیت جس کا نظارہ صبح سے شام تک ہماری نگاہیں تجارت، صنعت و حرفت اور لین دین کے مختلف طرق میں کرتی رہتی ہیں اور جس سے مرعوب ہو کر خود مسلمان "علماءِ اسلام" سے اباحتِ سود کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں یہی وہ صورتِ حال ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ نبوت و رسالت نے مستقبل کے مستور پردہ پر جس کو ملاحظہ فرما کر اس حقیقتِ ثابتہ کا اعلان ساڑھے تیرہ سو سال قبل ان مقدس جملوں کے ساتھ فرما دیا تھا۔

| | |
|---|---|
| نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مستقبل میں پھر ایسا زمانہ | یاتی علی الناس زمان |
| آئیگا کہ عام طور پر لوگ سود خواری کریں گے اور اگر کوئی شخص اس سے | یاکلون الربا فمن لم یاکله |

Marfat.com

اصابہ عن غبارہ ۔ ۵۱ باز رہیگا تو سود کے غبار سے وہ بھی محفوظ نہ رہ سکے گا۔

**منشیات** تجارتی کاروبار میں "سود" اور دیگر بیان کردہ امور کے علاوہ جس تجارت کو اسلام نے مذموم اور ناجائز قرار دیا ہے وہ "مسکرات کی تجارت" ہے۔ شراب اور اسی قسم کی دوسری منشیات کے استعمال سے جس قدر بداخلاقیاں پیدا ہوتی ہیں وہ ایک بدیہی مسئلہ ہے اور اس بات کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی کہ "دنیا کی ہر شے اپنے اندر کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور رکھتی ہے اس لئے شراب اور منشیات کے بھی کچھ نہ کچھ فوائد ضرور ہیں" یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ان کی مضرتیں اور ان کی تباہ کاریاں اُن کے منافع سے چند در چند زیادہ ہیں۔

یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما۔ (بقرہ)

یہ لوگ آپ سے شراب اور جوے کے بارہ میں سوال کرتے ہیں آپ کہدیجئے کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کے فائدوں کے مقابلہ میں ان کا نقصان اور ان کی مضرت بہت ہی زیادہ ہے۔

اس لئے اسلام نے ان کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔

انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ (مائدہ)

بلاشبہ شراب، جوا، بت اور پانسے سب کار شیطان میں سے ہیں سر تا سر نجاست ہیں تم کو ان سے بچنا چاہئے

اور اس نے نصرف یہیں تک معاملہ کو محدود نہیں رکھا بلکہ ان چیزوں کی تجارت کو بھی ممنوع قرار دیدیا۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنھا لما نزلت آیات سورۃ البقرۃ عن آخرھا خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال حرمت التجارۃ فی الخمر ۵۲

صدیقہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سورۂ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب شراب کی تجارت حرام کر دی گئی۔

اگرچہ ان غیر مسلموں کے لئے جن کے یہاں مذہبی یا غیر مذہبی رسوم میں شراب یا منشیات کا استعمال ہوتا ہے اور معالجات کے بعض خصوصی حالات میں اسلام نے اپنے قانونِ اقتصاد میں کچھ مستثنیات

---

۵۱ نسائی عن ابی ہریرۃ مرفوعاً۔ ۵۲ بخاری باب تحریم التجارۃ فی الخمر۔

بیان کر دی ہیں تاہم اصل قانون میں ان کی خرید و فروخت اور تجارتی کاروبار کو قطعاً ناجائز قرار دیا ہے کتبِ فقہ میں ہے۔

اور اگر کسی شخص نے مردار، خون، مدبّر، مکاتب، امّ ولد، شراب اور سور کی تجارت کی تو اسکی یہ بیع حرام اور باطل ہے اس لئے کہ تجارت کا ایک رکن یعنی مال کا مال کے ساتھ تبادلہ یہاں معدوم ہے (کیونکہ یہ تمام اشیاء اسلامی نقطۂ نظر سے مال میں شمار نہیں ہیں) [۱]

اس پوری تفصیل سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام نے تجارت و صنعت کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ تجارتی بے عنوانیوں، مذموم سرمایہ دارانہ ترقی کی بندشوں اور غیر اخلاقی اشیاء کے انسداد کے لئے کیسی اعتدال کی راہ اختیار کی ہے اور اس کو مختلف خلشوں سے پاک رکھنے کے لئے کیسے بہترین طریقے استعمال کئے ہیں۔

[۱] سعدیات حصہ اول ص ۳۱۴

Marfat.com

# انفرادی ملکیّت کی تحدیدْ

"اسلام" لوگوں کو ذاتی ملکیت سے نہیں روکتا، اور وہ ایسے "اقتصادی نظام" کو تسلیم نہیں کرتا، جس میں اشخاص و افراد کو اشیاءِ منقولہ کے علاوہ زمین اور ذرائع پیداوار پر کسی حیثیت اور کسی حالت میں بھی حقِ ملکیت حاصل نہ ہو، اور وہ اس طریقِ کار کو "غیر فطری" اور ایسے نظام کو "ناقص اور غیر مطمئن نظام" سمجھتا ہے۔

یقین اور تجربہ کی روشنی میں یہ نظریہ صحیح اور درست ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل تو دوسرے نظامہائے اقتصادی کے مقابلہ کے وقت بیان ہوگی مگر یہاں یہ واضح رہے کہ قرآنِ عزیز نے جن جن مقامات پر انفاق اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے ان میں افراد و اشخاص کی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے ترغیب دی ہے۔

| | |
|---|---|
| واٰتی المال علٰی حبہٖ ذوی القربٰی | اور اس نے مال کو باوجود اس کی محبت کے رشتہ داروں، |
| والیتٰمٰی والمسٰکین وابن السبیل | یتیموں، محتاجوں، مسافروں، مانگنے والوں کو اور گردنوں کو |
| والسائلین وفی الرقاب۔ | آزاد کرانے (یعنی غلام کو آزاد کرانے یا قیدی کو رہا کرانے یا |
| (البقرہ) | مقروض کو قرض سے نجات دلانے) کے لئے دیا۔ |

وفی اموالھم حقٌّ للسّائل والمحروم (الذاریات) اور ان کے مالوں میں سائلوں اور تنگدستوں کا حق ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا انفقوا مما رزقنٰکم (بقرہ) اے ایمان والو! جو مال ہم نے تم کو دیا ہے اس کو خرچ کرو۔

اس نوع کی آیات قرآن مجید میں بکثرت ہیں جن میں انفرادی ملکیت تسلیم کرنے میں اشیاءِ منقولہ و غیر منقولہ یا ذرائع پیداوار میں سے کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور ان میں سے کسی کے درمیان بحیثیت "نفسِ ملکیت" کوئی فرق نہیں بیان کیا گیا۔

Marfat.com

تاہم وہ ذاتی ملکیت کے اصول کو تسلیم کرنے کے باوجود اس کی تحدید ضرور کرنا چاہتا ہے اور اس ملکیت میں اس قسم کی وسعت دینا ہرگز پسند نہیں کرتا جس کی بدولت اس کے اقتصادی نظام کی بیان کردہ اساس و بنیاد پر زد پڑے اور اس کا مقصدِ اصلی فوت ہو جائے۔ اسی لئے اول وہ تمام اشیاء کے بارہ میں بنیادی طور پر یہ حکم دیتا ہے کہ وہ "مباح الاصل" ہیں یعنی وہ کسی کی ذاتی اور شخصی ملک نہیں ہیں۔ بلکہ خالقِ کائنات نے ان کو تمام افرادِ انسانی کے لئے یکساں طور پر فائدہ اٹھانے کے لئے مخلوق کیا ہے۔

هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (بقرہ) — خدائے تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا ہے جو زمین میں موجود ہے۔

اس کے بعد پھر تخصیص کا سوال پیدا ہوتا ہے اور بمصداق القرآن یفسر بعضہ بعضاً (قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تفسیر کرتا ہے) دوسری آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی اور روایاتِ فقہی اس اذنِ عام کی تشریح یا تخصیص کرتی ہیں۔ یعنی یہ بتلاتی ہیں کہ کون سی چیزیں انفرادی ملک نہیں بن سکتیں اور کون سی بنتی اور بن سکتی ہیں۔

ان ہی تشریحات و تخصیصات سے یہ حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے کہ اسلام نے اپنے نظام میں بعض اشیاء کو عام فائدہ کی خاطر سب کے لئے یکساں طور پر مباح قرار دیا ہے اور اس لئے ان اشیاء کے متعلق کسی فردِ واحد یا چند افرادِ جماعت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ "مفادِ عامہ کے خلاف" ان کو اُن کے تخلیقی مقام پر اس طرح اپنے قبضہ و تصرف میں کرلیں کہ وہ حکومت کو مقررہ منافع یا ٹیکس ادا کرنے کے بعد ان اشیاء کے مالکِ کل اور اجارہ دار بن بیٹھیں۔ البتہ ہر ایک فرد یہ حق ضرور رکھتا ہے کہ ان اشیاء کے مقامِ وقوع سے وہ اپنی ضرورت کے مطابق جس قدر اپنے قبضہ و تصرف میں لے آئے وہ بلاشبہ اس کی ملکیت سمجھی جائے۔

اس کے برعکس خلافت (حکومت) کا یہ حق ہے کہ وہ ان اشیاء کی افادیت کو عام کرنے کے لئے ان کا نظم و ضبط اپنے ہاتھ میں لے، اُن کی درآمد کا انتظام و انصرام کرے اور جمہور کی ملکیت کے

تام پر ان میں معاشی نظام کی بہتری کے لیے جس قسم کا تصرف مناسب سمجھے کرے۔

مفادِ عامہ کے اس سلسلہ کی پہلی چیز "معدنیات" ہیں۔

کانیں

| | |
|---|---|
| (۱) عن ابیض بن حمال المآربی انہ وفد الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاستقطعہ الملح الذی بمآرب فاقطعہ ایاہ فلما ولی قال رجل یارسول اللہ لما اقطعت لہ الماء العد قال فرجعہ منہ[1] | ابیض مآربی کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مآرب میں جو نمک کی جھیل تھی اس کو عطیہ کے طور پر مانگا آپ نے اجازت دیدی ایک شخص نے یہ دیکھکر عرض کیا یا رسول اللہ آپ نمک کا ہمیشہ جاری رہنے والا خزانہ کیوں اس کے حوالے کئے دیتے ہیں آپ نے اس کی اصل حقیقت سے آگاہی کے بعد واپس لے لیا اور دینے سے انکار فرما دیا۔ |
| (۲) عن عمرو بن عوف المزنی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقطع بلال بن الحارث معادن القبلیۃ جلسیہا وغوریہا وحیث یصلح الزرع من قدس ولم یعطہ حق مسلم وکتب لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتابا۔[2] | عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث کو مقام قبلیہ کے بلند و پست حصوں کی کانیں عطیہ کے طور پر دیدیں اور مقام قدس کے ان حصوں کو بھی دیا جو کھیتی کے قابل تھے۔ آپ نے اس عطیہ میں کسی مسلمان کا حق ان کو نہیں دیا اور اس کے لئے ان کو فرمان لکھدیا |

یہ بالترتیب دو صحیح احادیثِ رسول ہیں جن کو اساس و بنیاد قرار دے کر مجتہدینِ امت نے اسلام کے معاشی نظام میں معادن سے متعلق احکام بیان فرمائے ہیں۔ شارحینِ حدیث اور فقہاء نے اس سلسلہ میں جن تفصیلات کو نقل کیا ہے ان کا حاصل یہ ہے۔

"معدنیات" کی دو قسمیں ہیں ایک "معدنِ ظاہر" اور دوسری "معدنِ باطن" معدنِ ظاہر

[1] ترمذی کتاب البیوع۔ [2] ابوداؤد کتاب الامارۃ والفیٔ والخراج۔

[3] قبلیۃ" مدینہ طیبہ اور ینبوع کے درمیان وادی کا نام ہے۔ معجم البلدان ج ۷۔

Marfat.com

ان معدنیات کو کہتے ہیں جن کا خزانہ یا تو سطح زمین پر ظاہر اور موجود ہو اور یا زمین میں اس طرح پائی جاتی ہوں کہ اگر تھوڑی سی محنت یا خرچ کر کے ان کو برآمد کر لیا جائے تو وہ مٹی یا پتھر کے ساتھ ان کے اجزاء کی حیثیت میں مخلوط و مربوط نہ ہوں بلکہ زمین میں خزانہ کی حیثیت میں موجود ہوں۔ مثلاً نمک، مٹی کا تیل، پٹرول، تارکول وغیرہ۔ اور "معدن باطن" ان معدنیات کو کہتے ہیں جو نہ زمین اور پہاڑ کی سطح ظاہر پر موجود ہوں اور نہ خزانۂ وافر و دائم کی طرح زمین اور پہاڑ کے اندر جدا موجود ہوں بلکہ زمین اور پہاڑ کے اندر ذراتِ زمین یا پتھر کے اجزاء کی حیثیت میں مستور ہوں اور جن کے حاصل کرنے اور پتھر یا زمین کے اجزاء سے جدا کر کے صاف کرنے میں کافی محنت اور سرمایہ کی ضرورت پیش آتی ہو۔

پس اگر پہلی قسم کی معدنیات ہیں تو وہ کسی حال میں بھی نہ شخصِ واحد یا مخصوص جماعت کی ملک بنائی جا سکتی ہیں اور نہ ان کو بطور اجارہ کسی کو دیا جا سکتا ہے بلکہ وہ عوام کی ضروریات اور افادہ کے لئے مساویانہ حیثیت رکھتی ہیں اور ان سے ہر شخص کو بلا معاوضہ استفادہ کا حق ہے۔ گویا اصطلاحی بول چال میں وہ پبلک کی نمائندہ حکومت (خلافت) کی ملکیت اور مفادِ عامہ کے لئے وقف ہے۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ (رحمہ اللہ) حدیثِ اول کی شرح میں فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| لاشك ان المعدن الظاهر | یہ ایک صاف بات ہے کہ جو کانیں "معدن ظاہر" |
| الذی لا یحتاج الی کثیر عمل | ہیں کہ جن کی درآمد میں زیادہ محنت کی ضرورت پیش |
| اقطاعه لواحد من المسلمین | نہیں آتی ان کا کسی ایک مسلمان کو بخشدینا عامۂ مسلمین اور |
| اضرار هم وتضییق علیهم | ان کی ضروریات کے لئے تنگی اور مضرت کا باعث ہے |
| ؎۵ | اس لئے ان کا عطیہ جائز نہیں۔ |

اور خطابی شرح ابوداؤد میں تحریر فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| وهذا ابین ما قلنا من ان | اور یہ حدیث (آبی والی حدیث) اس حقیقت کو واضح |

؎۵ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۰۴۔

Marfat.com

المعدن الظاهر الموجود خيره ونفعه لا يقطعه احد والماء العد هو الماء الدائم الذی لا ينقطع [1]

کرتی ہے جس کو ہم نے ابھی بیان کیا کہ معدن ظاہر "موجود" کا نفع اور فائدہ کسی ایک شخص کو عطیہ نہیں کیا جا سکتا اور "ماء عد" ہمیشہ بہتے رہنے اور نہ ختم ہونے والے پانی کو کہتے ہیں۔ [2]

اور کتبِ فقہ میں بھی یہ تصریح موجود ہے۔

(و) اعلم انه ليس للامام ان يقطع ما لا غنى للمسلمين عنه من المعادن الظاهرة وهي ما كان جوهرها الذی اودعه الله فی جواهر الارض بارزا كمعادن (الملح والكحل والقار والنفط. [3]

اور جاننا چاہئے کہ امام کے لئے جائز نہیں ہے کہ ایسی چیز کسی کو "عطیہ" کردے کہ جس کے فائدہ سے عام مسلمین مستغنی نہ ہوں یعنی معادن ظاہرہ کو کہ جن کا جوہر (میٹریل) اللہ تعالیٰ نے زمین کے جوہروں میں ظاہر صورت میں ودیعت کیا ہے، مثلاً نمک، سرمہ، تارکول اور مٹی کے تیل کی کانیں۔

غرض "مآربی" شے متعلق حدیث کے پیشِ نظر جمہور علماءِ اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ معدنیات ظاہرہ "مفادِ عامہ" کے لئے ہیں اس لئے وہ کسی کو نہ بطورِ اجارہ کے دیجا سکتی ہیں اور نہ بطورِ عطیہ کے بلکہ حکومت کے ہاتھوں میں رہیں گی اور ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق اس سے استفادہ کا حق ہوگا۔

اور اگر دوسری قسم کی معدنیات (معدنیات باطنہ) ہیں تو جب کان کی درآمد بہت زیادہ محنت اور کافی سرمایہ کی محتاج ہے پس ان کے متعلق حکومت (خلافت) مجاز ہے کہ ان کانوں کو مفادِ عامہ کے قابل بنانے کے لئے خواہ اپنے قبضہ و اختیار میں رکھے اور مناسب سمجھے تو اجارہ پر دیکر ان کے فائدہ کو عام بنائے یا شخصِ واحد اور مخصوص جماعت کی ضروریات کی کفالت کے لئے بطورِ "عطیہ" کے دیدے جیسا کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بلال بن حارث (رضی اللہ عنہ) کو قبلیہ

[1] معالم السنن ج ۳ ص ۴۳ [2] یعنی نمک کی جھیل تھی جیسا کہ ہندوستان میں سانبھر جھیل ہے۔ [3] درمختار کتاب احیاء

Marfat.com

کی معادن ”عطیہ“ کردیں، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اس ”عطیہ“ کو اپنی ضرورت کے لئے کام میں لائے، اور بیکار و معطل نہ چھوڑ دے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا، کل یا جزو جس حصہ کو بھی معطل اور بیکار چھوڑتا ہے امام کو اختیار ہے کہ اس کے قبضہ سے وہ حصہ نکال کر دوسرے کو ”عطیہ“ کردے یا عامۂ خلق کے لئے حکومت کے ہاتھ میں واپس لے لے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف (رحمہ اللہ) کتاب الخراج میں حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ ہی کے ان ”عطایا“ سے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| حدثنی بعض اشیاخنا من اهل | میرے اہل مدینہ کے شیوخ میں سے ایک شیخ نے |
| المدینة قال اقطع رسول الله | روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے |
| صلی الله علیه وسلم بلال بن | بلال بن حارث مزنی کو سمندر اور خشکی کے درمیان |
| الحارث المزنی ما بین البحر والصخر | وادی کو بطور عطیہ کے دیدیا تھا مگر جب عمر بن الخطاب |
| فلما کان زمن عمر بن الخطاب | رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے بلال سے فرمایا |
| قال له: انك لا تستطیع | تم میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اتنے بڑے علاقہ کو کام |
| ان تعمل هذا فطیب له ان | میں لاسکو پس حضرت عمرؓ نے یہ پسند فرمایا کہ معادن |
| یقطعها ما خلا المعادن فانه | (قبلیہ) کو ان کے ہاتھ سے نکال کر باقی حصۂ زمین کو |
| استثناها۔ [1] | ان کے پاس بطور ”عطیہ“ باقی رہنے دیں۔ |

اس جگہ ”ما خلا المعادن فانه استثناها“ خصوصیت سے قابلِ غور ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام جاگیر میں سے واپس لینے کے لئے ”معادن“ ہی کو کیوں ترجیح دی اور مستثنیٰ فرمایا؟

اور یحییٰ بن آدم کی کتاب الخراج میں اس واقعہ کی تفصیلات اس طرح منقول ہیں وہ فرماتے ہیں

”جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانۂ خلافت آیا تو انہوں نے بلال بن حارث سے فرمایا بلال تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طویل و عریض علاقہ کو بطور ”عطیہ“ حاصل کرلیا تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ وہ کسی سائل کے سوال کو رد نہیں فرماتے تھے اور کیفیت یہ ہے کہ تم اس علاقہ کو نہیں سنبھال سکے (یعنی اس کا کافی حصہ افتادہ پڑا ہوا ہے)

[1] ص ۶۲

Marfat.com

لہذا جس قدر حصہ کو تم کام میں لا سکتے ہو اس کو اپنے پاس رکھکر باقی حصہ کو میرے حوالہ کرو کہ میں مسلمانوں میں اس کو حسب ضرورت تقسیم کردوں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم بخدا جو شے مجھ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور "عطیہ" کے مرحمت فرمائی ہے میں اس کا چپہ بھر بھی واپس نہیں دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ نے یہ سن کر فرمایا قسم بخدا! تم کو واپس دینا ہوگا، چنانچہ جس قدر حصہ ان کی طاقت عمل سے باہر تھا اس کو حضرت عمرؓ نے واپس لیکر مسلمانوں میں تقسیم کردیا"۔ [1]

اور خطابی رحمہ اللہ امام شافعیؒ کے مسلک کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"جس علاقہ کو خلیفۂ اسلام نے اسلحہ کی طاقت سے حاصل کیا ہے اگر وہاں کوئی زمین افتادہ بیکار پڑی ہے اور کسی مسلمان (یا معاہد) کی ملکیت نہیں ہے تو امام اس کو بطور "عطیہ" کے دے سکتا ہے۔ پس اگر امام نے کسی کو بطور "عطیہ" کے زمین کا کوئی حصہ دیدیا اور اس نے اس کو آباد کرلیا یا اس میں کھیتی کرلی تو وہ ہمیشہ کے لئے اس کی ملک ہوگیا۔ اور اگر امام نے کسی کو "معدن" کا کوئی حصہ "عطیہ" کردیا تو اس کو دیکھا جائے گا اگر وہ "معدن ظاہر" ہے جیسے مٹی کا تیل یا تارکول وغیرہ تب امام کا یہ "عطیہ" ناجائز اور واجب الرّد ہوگا اس لئے کہ ان اشیاء کے منافع خود بخود حاصل ہیں (یعنی زیادہ محنت کے محتاج نہیں) اور لوگوں کا ان اشیاء کے ساتھ ہر وقت کا واسطہ ہے لہذا جو بھی اس میں سے جس قدر اپنی ضرورت کے لئے حاصل کرلے وہ اسی کا ہے اور کسی کو اس پر تنہا ملکیت کا دعویٰ نہیں ہوسکتا کہ وہ اس طرح دوسروں پر ترجیح حاصل کرلے۔

اور اگر سونا، چاندی، تانبا اور اس قسم کے دوسرے جواہرات کی کانیں ہیں جو زمین میں اس طرح پوشیدہ ہیں کہ مٹی یا پتھر کے اجزاء کی طرح ان میں مخلوط اور پیوست ہیں اور بغیر کافی محنت و مشقت کے ان کا مٹی اور پتھر سے جدا کرلینا ممکن نہیں ہے تو ان معادن کا "عطیہ" درست ہے

[1] حدیث (۲۹۲)

البتہ اگر جاگیر حاصل کرنے والا اس کو معطل چھوڑ دے یا اس کو برآمد نہ کرے تو وہ اس کا مالک نہیں رہ سکتا اور نہ دوسروں کو اس سے ...... فائدہ اٹھانے کے لئے روک سکتا ہے جب تک وہ اس میں کام کر سکتا ہے کرے ورنہ عامۂ مسلمین کے حق میں دستبردار ہو جائے۔[۱]

"معادن باطنہ" یا زمین کے کسی حصہ کو بطور جاگیر دینے کے جواز میں شرائط بالا کے علاوہ مجتہدینِ اسلام نے اس مسئلہ کی روح کو جس انداز میں بیان فرمایا ہے وہ بھی خصوصیت کے ساتھ قابلِ توجہ ہے۔

امام ابو یوسف کتاب الخراج میں "اقطاع" (جاگیر دینے) پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

| | |
|---|---|
| قال ابو یوسف: اما انا | اقطاع (جاگیر دینے) کے مسئلہ میں میری تحقیق یہ ہے کہ اگر |
| فاری اذا لم یکن فیہ | ایسا کرنے سے کسی (فرد یا جماعت) کو نقصان نہیں پہنچتا |
| ضرر علی احد ولا لاحد | اور نہ اس زمین کے متعلق کسی کا کوئی مناقشہ ہے تو |
| فیہ خصومۃ ان اذن | بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے |
| رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | "اجازت" قیامت تک کے لئے صحیح اور حق ہے لیکن اگر |
| جائز الی یوم القیامۃ فاذا | ایسا کرنا ضرر اور نقصان کا باعث ہو جائے تو اس |
| جاء الضرر فھو علی | وقت یہ معاملہ اس حدیث کا مصداق ہوگا "ظالم |
| الحدیث" ولیس لعرق | کی رگ کے لئے کوئی حق نہیں ہے" یعنی جو اقطاع |
| ظالم حق"۔ | عامۃ الناس کے حق میں مضر ہو امام کو اس سے بچنا |
| [۲] | چاہئے ورنہ یہ ظلم ہوگا۔ |
| وللامام ان یقطع کل موات | "اور امام کیلئے جائز ہے کہ وہ افتادہ (مردہ) زمین کو |
| وکل ما کان لیس لاحد فیہ | کسی کو جاگیر کے طور پر دیدے بشرطیکہ وہ کسی کی ملک |
| ملک ولیس فی ید احد ولہ | نہ ہو اور نہ کسی کے قبضہ میں ہو اور امام کو اختیار ہے |

[۱] معالم السنن ج ۳ ص ۴۲ - [۲] ص ۶۴ -

| | |
|---|---|
| فی ذلک بالذی یری انہ خیر | کہ وہ اس زمین کے بارہ میں عامہ مسلمین کے لئے نفع |
| للمسلمین واعم نفعًا [۱] | اور خیر کے اصول کو پیش نظر رکھ کر جو چاہے کرے۔ |

اور ابو عبید کتاب الاموال میں نقل فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زمین کا ایک ٹکڑا بطور جاگیر طلب کیا اور ان کو یہ یقین دلایا کہ ایسا کرنے سے عامۃ الناس اور عامۂ مسلمین کو کسی قسم کا کوئی ضرر لازم نہیں آتا تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بصرہ کے والی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یہ تحریر فرمایا۔

| | |
|---|---|
| ان کانت کما تقول | اگر بات اس طرح ہے جیسا کہ یہ کہتا ہے تو اس کو |
| فاقطعہا ایاہ [۲] | زمین کا وہ ٹکڑا جاگیر دیدو۔ |

اور بلاذری نے اس واقعہ میں حضرت عمرؓ کا ارشاد اس طرح نقل کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| ان کانت لیست تضر باحد | اگر اس حصۂ زمین کو بطور جاگیر دے دینا تو کسی مسلمان |
| من المسلمین ولیست من | کے لئے باعثِ مضرت ہے اور نہ یہ زمین خراجی ہو |
| ارض الخراج فاقطعہا | (یعنی مفتوحہ علاقہ کی ایسی زمین جس کی سرکاری مالگذاری |
| ایاہ [۳] | آتی ہو) تو اس کو جاگیر کے طور پر اس شخص کو دیدو۔ |

ان تمام حوالجات کا حاصل یہ ہے کہ معادن تو الگ رہے۔ اگر معمولی زمین بھی بطور جاگیر کسی کو دی جائے تو حسب ذیل شرائط کا پیشِ نظر رہنا ازبس ضروری ہے ورنہ تو یہ عمل اسلامی احکام میں ظلم اور ناجائز ہوگا۔

(۱) وہ زمین نہ کسی مسلمان کی اور نہ کسی معاہد کی ملک ہو اور نہ ان میں سے کسی کے قبضہ میں ہو۔

(۲) نہ اس میں زراعت کے اور نہ تعمیر کے آثار پائے جاتے ہوں اور نہ کسی اہلِ بستی کے مفادِ عام کے لئے شیٔ ہو، نہ چراگاہ ہو اور نہ قبرستان کی زمین ہو نہ سوختہ حاصل کرنے کی جگہ ہو اور نہ ریوڑوں کے بیٹھنے یا چرنے کے کام آتی ہو [۴]

[۱] ص ۲۶ [۲] ص ۲۷۷ حدیث (۶۸۷) [۳] ص ۳۴۵ ۔ [۴] کتاب الخراج لابی یوسف ص ۶۳۔

Marfat.com

(۳) اس سے مفادِ عامہ کو نقصان نہ پہنچتا ہو۔

اور امام کو اس عمل "اقطاع" کی اجازت صرف اس لئے دی گئی کہ کوئی زمین بنجر (مردہ) باقی نہ رہے اور "معطل" رہنے کی وجہ سے محصولاتِ زمین کم نہ ہوں کہ بیت المال گھاٹے میں رہے۔

| | |
|---|---|
| فان ذلک اعمر للبلاد | یہ "اقطاع" اس لئے جائز ہے کہ اس سے بستیوں کی |
| واکثر للخراج [۱] | آبادی ہوتی اور خراج (محصول زمین) میں اضافہ ہوتا ہے |

اور ان شرائط کے ساتھ امام کے لئے "اقطاع" (جاگیر دینا) صرف جائز ہے اور مفادِ عام کی خاطر ہے نہ کہ اس کو مضرت پہنچانے کے لئے اس لئے وہ دینے نہ دینے میں مختار ہے۔

اور "جواز مع شرائط" کا یہ معاملہ بھی عام مردہ "افتادہ" زمینوں کے متعلق ہے لیکن یہ زمین اگر "معادن باطنہ" کی حامل ہیں تو ان میں مفادِ عامہ کے پیشِ نظر "امام کے رجحانات" کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اسوۂ حسنہ کافی ہے۔

| | |
|---|---|
| ان یقطعها ما خلا المعادن | حضرت بلالؓ کو حضرت عمرؓ نے اجازت دی کہ معادن کے |
| فانه استثناها۔ | علاوہ حصص زمین کو بطور جاگیر اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ |

ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں زمینوں کا کافی حصہ یونہی معطل پڑا ہوا تھا اور اگر کسی جگہ "کان" بھی موجود تھی تو اس کو نکالنا آسان نہیں تھا ایک شخص بمشکل شدید محنت سے معمولی ضرورت کے مطابق اس سے فائدہ اٹھا لیتا تھا لہٰذا ضروری ٹھیرا کہ ایسی بنجر اور افتادہ زمینوں کو کارآمد بنانے کے لئے "اِقطاع" کی صورت اختیار کی جائے پس جب تک یہ صورتِ حال رہے کہ عامۃ الناس اور حکومت (خلافت) کا مفاد "اقطاع" میں ہو تو یہ عمل نہ صرف درست بلکہ مستحسن و ضروری رہے گا اور جب کبھی صورتِ حال بدل جائے اور مفادِ عامہ اور مفادِ مسلمین کے پیشِ نظر ان کا حکومت کے ہاتھ میں رہنا مفید ہو اور کسی ایک شخص یا جماعت کے قبضہ میں دیدینا مضرتِ عام کا باعث بن جائے جیسا کہ موجودہ مشینوں کے دور میں "معادن" کے مفاد کا معاملہ ہے تو اس

[۱] کتاب الخراج ص ۶۱۔

صورت میں "معادن باطنہ" کا جاگیر کے طور پر دینا خود حدیثِ رسولؐ "لیس لعرقٍ ظالمٍ حقٌ" اور "انما اقطعتہ الماء العد قال فرجعہ" کے اور حضرت عمرؓ کے مسطورہ بالا فیصلوں کے مطابق نادرست ہوگا "معادن" (کانوں) کے معاملہ میں ان احکاماتِ حدیثی و فقہی کے بعد صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشاداتِ حقہ کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے جن میں "معادن" کو بیجا استعمال کرنے پر اظہار نفرت اور وعید کا اظہار پایا جاتا ہے تاکہ بآسانی یہ معلوم ہوسکے کہ اس خاص مسئلہ میں صاحبِ شریعت کی "بالغ نظری" کن رجحانات کا پتہ دیتی ہے۔

چنانچہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نورِ نبوت کی روشنی میں مستقبل کا مطالعہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ زمانہ بھی آنے والا ہے جب "معدنیات" پر شریروں کا قبضہ ہوجائے گا۔

| | |
|---|---|
| عن رجل من بنی سُلَیم عن جدہ انہ اتی النبی صلے اللہ علیہ وسلم بفضۃ فقال ھذہ من معدن لنا فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم: سیکون معادن یحضرھا شرار الناس [1] | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کچھ چاندی لایا اور کہنے لگا یہ ہماری معدن (کان) سے نکلی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: وہ زمانہ قریب ہے کہ معادن (کانوں) پر شریر لوگ قابض ہوجائیں گے۔ |

ان شریر انسانوں سے وہ انسان مراد نہیں ہیں جن کی شرارت انفرادیت لئے ہوئے ہے بلکہ وہ ظالم قومیں اور جابر حکمراں مراد ہیں جو معادن پر قابض ہو کر عام انسانوں کو فائدہ پہنچانے کی بجائے ان کو انسانی دنیا کی تباہی اور سرمایہ دارانہ نظام کی ترقی کا آلہ کار بنا کر دنیا کو اپنی شرارت اور شیطنت سے بھر دیں گے۔ چنانچہ اس کی تائید ابوداؤد کی مشہور حدیث بھی کرتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میرے ذمہ ایک شخص کے دس دینار واجب تھے ایک روز آ کر وہ چمٹ گیا کہ اپنی رقم لئے بغیر نہ ٹلوں گا، یا کوئی ضامن دو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر ضمانت کرلی، کچھ وقفہ کے بعد ایک شخص آپ کی خدمت میں میرے

[1] مجمع الزوائد ج ۴ ص ۶۵۔

قرض کی مقدار سونا لیکر آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے دریافت فرمایا۔

من این اصبت ھذا الذھب؟ یہ سونا تم نے کہاں سے حاصل کیا؟ اس نے عرض

قال: من معدن: قال لا حاجۃ کیا: کان سے آپ نے فرمایا ہم کو نہیں چاہئے

لنا فیھا لیس فیہ خیر نقضاھا عنہ اس میں خیر اور بھلائی نہیں ہے اور پھر قرض خواہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [1] کو اپنے پاس سے رقم ادا فرمادی۔

مشہور محدث خطابی اس جملہ کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے "لیس فیہ خیر" اس لئے فرمایا کہ اس قسم کے سرمایہ میں اکثر سرمایہ دار حریص اور طامع ہو جاتے ہیں اور ایسے مال پر عائد شدہ جز زکوٰۃ (خمس) واجب ہے وہ قطعاً نہیں نکالتے یا حیلہ بہانہ کرکے اس کو کم ظاہر کرتے اور عاملِ زکوٰۃ کو پوری زکوٰۃ نہیں ادا کرتے اس لئے ایسا مال اکثر مشتبہ رہتا ہے دوسرے یہ کہ چونکہ کان کنی سخت محنت اور مصیبت کا کام ہے مزدور اس محنتِ شاقہ کے لئے بمجبوری آمادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے کان کا مالک یا اجارہ دار سخت گیری برتتا اور مزدوروں کو محنتِ شاقہ برداشت کرنے پر مجبور کرتا ہے لہٰذا ایسے مال سے کہ جس میں غریبوں پر تشدد کیا گیا ہو برکت اور رحمت مفقود ہو جاتی ہے [2]

یہ ہیں وہ کلماتِ طیبات جو نورِ نبوت کے آئینہ میں حال اور مستقبل کا نقشہ دیکھکر زبانِ وحی ترجمان سے نکلے اور جن کا ایک ایک حرف زمانۂ ماضی سے بھی زیادہ آج صادق آرہا ہے۔

غرض چاندی، سونا، لوہا، کوئلہ، پٹرول وغیرہ قسم کی کانیں اقتصادی نظام پر بہت زیادہ اثر انداز ہیں اور وجوہ معیشت کی جان ہیں اس لئے موجودہ دور میں اسلام کے معاشی نظام سے متعلق احکام کی روشنی میں یہ دعویٰ با آسانی کیا جا سکتا ہے کہ ان سب کو شخصی ملکیت نہیں بلکہ جماعتی یعنی حکومت (خلافت) کی ملکیت ہونا چاہئے تاکہ مفادِ عامہ باطل ہو کر مفادِ خاصہ میں منتقل نہ ہو جائے۔

کون نہیں جانتا کہ اسٹیمر، ریلوے، دخانی جہاز، ہوائی جہاز، موٹر، الیکٹرک وغیرہ جیسے اہم کاروبار بغیر کوئلہ، پٹرول، لوہا، پیتل کے نہیں چل سکتے اور چاندی، سونا، تانبا، پیتل، زیورات وظروف کے

---

[1] ابوداؤد کتاب الامارۃ والفئ والخراج [2] معالم السنن ج ۳

علاوہ سرکاری سکوں اور تجارتی کاروبار کی ترقی کے لئے کس قدر اہم ہیں سب کو معلوم ہے۔

پس اگر کسی اقتصادی نظام میں قدرت کی بخشی ہوئی یہ "دولت" ایک یا چند خاص افراد کے ہاتھ میں دیدی جائے اور حکومت اور ان کے درمیان اس سرمایہ داری کی تقسیم، اجارہ داری کے نام سے کردی جائے تو ظاہر ہے کہ ملک کی باقی آبادی اس کے انتفاع سے بڑی حد تک محروم رہ جائے گی اور یقیناً اس راہ سے ایک خاص جماعت میں "دُولۃً بین الاغنیاء" اور "یکنزون الذھب والفضۃ" کا منظر نظر آنے لگے گا۔

چنانچہ جس دور میں بھی اس اصول کے خلاف ان کانوں کو کسی ملی یا وطنی حکومت نے اجارہ داری کے سسٹم پر چلانے کی سعی کی اس کو نہ صرف اپنے اقتصادی نظام میں شدید نقصان اٹھانا پڑا بلکہ اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اجنبی اجارہ داروں نے اس قوم کو تباہ کرنے اور غلامی کی لعنت میں گرفتار رکھنے کا بہترین ذریعہ اکثر اسی کو بنایا اور صدیوں تک اس کو ان سے نجات نہ مل سکی۔

ہندوستان، مصر، عراق، ایران عہد جدید میں، اور امریکہ و وسطی یورپ عہد قدیم میں اسی غلط روی کا شکار ہو چکے ہیں اور اس زمانہ میں بھی یورپ و ایشیا کی حکومتوں کے بیشتر کاروبار ایسے ہی مٹھی بھر سرمایہ داروں اور دولت کے اجارہ داروں کے رحم و کرم پر چل رہے ہیں اور اقتصادی خوشحالی و بدحالی حتیٰ کہ ملکوں کے عروج و زوال ان ہی خود غرض اور حریص سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں کٹ پتلی کی طرح حرکت کرتے نظر آتے ہیں۔

منڈیوں میں ارزانی گرانی، سکوں کے طلائی و نقرئی معیار، اور درآمد و برآمد کے معاہدات پر ان ہی کا قبضہ و تسلط ہے اور حکومتوں نے جابرانہ و قاہرانہ استعماریت کی طمع میں مفاد عامہ کو ان کے ہاتھوں تباہ و برباد کرنے کے لئے چھوڑ دیا ہے اور اگر تاریخ کی شہادت غلط نہیں ہے تو بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ مہاجنوں اور بینکروں کی اس دستبرد کی ابتدا اسی قسم کی اجارہ داری اور ملکیت کی رہین منت ہے۔ پس اسلام اس قسم کی عام بدحالی کو اپنے نظام میں کس طرح برداشت کرنے کو آمادہ ہو سکتا ہے؟

Marfat.com

البتہ اس سلسلہ میں اسلام کا معاشی نظام اس قدر انفرادیت کو ضرور تسلیم کرتا ہے کہ اگر کسی شخص کے ذاتی مکان یا صحرائی زمین میں کوئی دفینہ نکل آیا یا کان کا کوئی حصہ برآمد ہو گیا اور اس نے محنت کر کے اس سے کچھ حاصل کر لیا تو یہ اس کی ملکیت شمار ہو گی اور اس کو دولت (سرمایہ) قرار دیکر اس پر زکوٰۃ یا خمس (پانچواں حصہ) عائد کر دیئے جائیں گے. چنانچہ فقہاءِ اسلام نے اس کی تفصیلات اس طرح بیان فرمائی ہیں۔

دفینہ اگر اسلامی دور سے تعلق رکھتا ہے یعنی سکہ پر اسلامی سکہ کی علامات پائی جاتی ہیں تو اس کا حکم "لقطہ" (گری پڑی یا گم شدہ چیز جو کسی کے ہاتھ آ گئی) کا ہے جس کے تفصیلی احکام کتبِ فقہ میں درج ہیں اور اگر غیر اسلامی دور کی علامات موجود ہیں یا کسی قسم کی علامت نہیں ہے تو وہ ذاتی مکان یا زمین میں برآمد ہوا ہو یا عشری، خراجی یا افتادہ صحرائی زمین و پہاڑ میں نکلا ہو اس پر "خمس" (پانچواں حصہ) واجب ہو گا کیونکہ حدیث میں ہے۔

وفی الرکاز الخمس۔ مالِ مدفون پر خمس واجب ہے۔

اور معدنیات میں تین قسم کی حاصلات ہوتی ہیں (۱) سیال نہ ہوں لیکن آگ پر رکھنے سے پگھل جائیں مثلاً سونا، چاندی، پیتل، تانبا وغیرہ (۲) سیال ہوں مثلاً پٹرول، مٹی کا تیل، تارکول وغیرہ (۳) نہ سیال ہوں اور نہ آگ پر رکھنے سے پگھل سکتی ہوں مثلاً زمرد، ہیرا، یاقوت سرمہ وغیرہ

پس اگر ذاتی زمین یا ذاتی مکان میں برآمد ہوئیں تو ان پر حکومت (خلافت) کا کوئی مطالبہ نہیں[۱]۔ اور اگر عشری، خراجی زمین یا صحرا و جبال میں برآمد ہوئی ہیں تو پہلی قسم پر خمس (پانچواں حصہ) واجب ہے اور باقی دونوں قسموں پر کوئی مطالبہ نہیں ہے۔[۲]

فقہاءِ اسلام "دفینہ" اور "معدن" کے مسائلِ زکوٰۃ میں فرق کی حکمت یہ بیان فرماتے ہیں کہ "دفینہ" زمین کے اجزاء میں سے نہیں ہے بلکہ زائد از زمین ایک شے ہے۔ بخلاف "معدن" کے

[۱] البتہ اگر وہ اشیاء ہیں جن پر زکوٰۃ واجب ہے تو حولانِ حول یعنی سال گذرنے پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔
[۲] اور اگر ان کی تجارت کرے گا تو مالِ تجارت کی طرح زکوٰۃ واجب ہو گی۔

کہ وہ اجزاءِ زمین میں سے ہے مثلاً سونا یا چاندی مٹی ہی کے وہ اجزاء ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ ارض کے وقت سے اس میں ودیعت کر دیئے ہیں اس لئے "دفینہ" اور "معدنیات" میں ذاتی زمین و مکان اور صحرائی یا عشری و خراجی زمین کے سلسلہ میں جو فرق نظر آتا ہے وہ فطری اور معقول ہے۔

اور امام مالکؒ نے تو "معادن" کے بارہ میں یہانتک فرما دیا ہے کہ اگر خلیفۂ وقت نے قاہرانہ حیثیت سے کسی ملک پر قبضہ کیا ہے اور مفتوح پبلک سے مصالحت اور معاہداتِ خصوصی کے ذریعہ قبضہ نہیں کیا تو اس ملک میں اگر کانیں برآمد ہوں تو اس زمین کی شخصی ملکیت ساقط ہو کر سلطان (خلیفہ) کی جانب لوٹ جائیگی اور حکومت کو اس پر قطعی اختیار حاصل ہوگا کہ وہ مفادِ عامہ کے پیشِ نظر جس قسم کا تصرف کرنا چاہے کرے خواہ اس کی برآمد کو اپنے انتظام سے کرائے اور خواہ اس کو عطیہ کے طور پر یا اجارہ پر دیدے۔

| | |
|---|---|
| قال وما افتتحت عنوة | امام مالک رحمۃ اللہ نے فرمایا: جس زمین کو خلیفہ نے |
| فظهر فيها معادن فذلك الى | قاہرانہ فتح کیا ہے اگر اس میں کانیں نکل آئیں تو وہ |
| السلطان يصنع فيها | زمین سلطان (خلیفہ) یعنی حکومت کی جانب لوٹ |
| ماشاء ويقطع بها لمن | جائیگی۔ وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے اور |
| يعمل فيها لان الارض | (فردِ واحد یا جماعت) جو اس میں کان کنی کا کام کرنا چاہے |
| ليست للذين اخذوا | اس کو دیدے یہ اس لئے کہ جن مجاہدین نے اس کو |
| عنوة - لـه | جہاد کر کے فتح کیا ہے زمین ان کی ملکیت نہیں بن جاتی۔ |

مگر عطیہ اور اجارہ میں یہ شرط ملحوظ رہیگی کہ عامۃ الخلق کے حق پر زد نہ پڑتی ہو چنانچہ اندلس کے مشہور فلسفی و فقیہ ابنِ رشد (رحمہ اللہ) امام کے اس ارشاد پر اصولی بحث کرتے اور دو قول میں سے ایک قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"معادن پر خلیفہ ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے اور عطیہ کے طور پر بھی دے سکتا ہے اس کی مثال خود

---

لـه مدونۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۲۴۹۔

Marfat.com

عہدِ نبوت میں موجود ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بلال بن حارث مزنی (رضی اللہ عنہ) کو قبلیہ کی کان کا ایک حصہ بطور عطیہ کے دیدیا تھا - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

اور دو قول میں سے پہلے قول کی (کہ معادن زمین کے تابع نہیں ہیں) دلیل یہ ہے کہ سونا چاندی جو کانوں کے اندر ہیں زمین پر کسی کے بھی مالکانہ قبضہ سے قبل جوفِ زمین میں موجود ہیں اس لئے زمین کی ملکیت سے معدن کی ملکیت ہرگز لازم نہیں آتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ" اسی حقیقت کو واضح کرتا ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا کہ وہ جس کو چاہے زمین کا اور زمین کے اندر جو کچھ موجود ہے اس سب کا . . . . . مالک بنا دے بلکہ صرف زمین کے مالک بنا دینے کا ذکر فرمایا ہے لہٰذا آیت کے اس ظاہر مفہوم کے پیشِ نظر از بس ضروری ہے کہ جوفِ زمین میں از قسم معادن "سونا" "چاندی" جو کچھ بھی ہے اس پر تمام مسلمانوں کا یکساں حق ہو فوجب بنحو ھذا الظاھر ان یکون ما فی جوف الارض من ذھب او ورق فی المعادن فیئاً لجمیع المسلمین سلہ

اجارہ داری کی کمپنیاں

معدنیات سے متعلق اجارہ داری کا معاملہ عموماً کمپنی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور ملک کا وہ بہترین سرمایہ جو زیادہ سے زیادہ انسانوں بلکہ حکومت کی تمام آبادی کے لئے مفید اور نفع بخش ثابت ہو سکتا تھا اس طرح افراد کے اندر محدود ہو جاتا اور آخر کار عام بدحالی کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔

عہدِ جدید و قدیم میں جس ملک میں بھی اس قسم کی اجارہ داری پائی جاتی ہے اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی بدولت کارخانہ دار اور مزدور، یا سرمایہ اور محنت کے درمیان میدانِ کارزار گرم ہو گیا ہے اور بعض اوقات حکومتوں کی تباہی و بربادی پر ختم ہوا ہے، کارل مارکس

---

سلہ کتاب المقدمات الممہدات لابن رشد علی المدونۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۲۴۲ - ۲۴۳ -

Marfat.com

کا نظریہ اشتراکیت اسی کا رہینِ منت ہے اور روس کا دورِ اشتراکیت اسی کی جدید پیداوار پس اگر معدنیات کے لئے کمپنی اور شیرز (حصوں) کا یہ حرص انگیز سسٹم بطور "اصول" اور تجارتی بنیاد کے تسلیم نہ کر لیا جاتا۔ اور ان امور کو "مفادِ عامہ" کے اصول کے پیشِ نظر حکومت کے اختیاراتِ مجازی کے سپرد کر دیا جاتا تو افراط و تفریط کی راہ سے الگ اُسی اعتدال کی راہ پیدا ہو جاتی جس کی جانب اسلام نے اپنے نظام میں توجہ دلائی ہے اور پھر نہ اشتراکیت سے ابتری پھیلتی، اور نہ سامراجی نظام سے بدحالی و تباہ کاری۔

لہذا عام حالات میں وہ ایسی کمپنیوں کی حوصلہ افزائی کے لئے تیار نہیں ہے اور بعض مخصوص حالات میں عطیہ یا اجارہ داری کے جواز و اباحت کی شکل میں بھی اس "بنیادی اصول" کو فراموش کرنا نہیں چاہتا کہ ہر حالت میں مفادِ عامہ خطرہ سے محفوظ رہے اور مذموم سرمایہ داری کو سر اٹھانے کے لئے بہانہ ہاتھ نہ آجائے، کیونکہ اس قسم کی کمپنیاں جب اپنے تجارتی نظام کو وسیع کرنے کے لئے بین الاقوامی حالات پر نگاہ ڈالتی ہیں تو اپنے خصوصی مفاد کے پیشِ نظر عام افادہ اور عام لوگوں کے نفع سے آنکھ بند کر کے ملک اور حکومت کے تمام سیاسی، اقتصادی، معاشرتی رجحانات کو اسی ایک رخ پر چلانے کی سعی کرتی ہیں جن سے ان کا ذاتی مقصد فروغ پا سکتا ہے خواہ اس کی بدولت ملک کی عالم حالت یا انسانوں کی عام زندگی خطرہ ہی میں کیوں نہ پڑ جائے اور یہی وہ زہر ہے جو اگرچہ اپنی ابتدائی شکل میں نہایت شیریں، مفید اور حیات پرور نظر آتا ہے۔ لیکن اندر ہی اندر خدا کی مخلوق کو گھُن کی طرح کھا جاتا ہے اور بالآخر خدا کی اس مخلوق پر موت کی نیند طاری کر دیتا ہے۔

آپ شاید اس بیان کو حیرت سے پڑھیں کیونکہ جدید ترقی پذیر دنیا نے تو کمپنیوں کے اس سسٹم ہی سے ترقی اور اقتصادی سربلندی حاصل کی ہے لیکن اگر آپ فلسفۂ اجتماع اور انسانی نشو و ارتقا کے مقصدِ عظیم "اخوتِ عامہ" کے پیشِ نظر باریک بینی سے مطالعہ کریں گے تو اندازہ ہو گا کہ یہ سب دھوکا اور فریب ہے۔ اسی سسٹم نے قوموں کے باہمی عداوت اور استحصال بالجبر

کی بنیاد ڈالی، اسی نے خود اپنے ملک کی عام آبادی کو چند مخصوص سرمایہ داروں کا غلام بنا کر تباہ کیا اور اسی نے "اقتصادی ترقی" کے نام سے دنیا کے ہر گوشہ میں بے اطمینانی، خود غرضی اور مہذب ڈاکہ زنی کو عام کر دیا ہے۔

اور اگر ان اشیاء کو "مفادِ عامہ" کی مِلک قرار دیا جاتا اور اسی مقصد کے اندر محدود رہ کر حکومت ان کا انتظام کرتی، یا پبلک کے افراد کے ذریعہ کمپنی کی شکل میں مفادِ عامہ کے نقطۂ نظر سے فروغ دیتی تو یہ صورت کبھی پیدا نہ ہونے پاتی اور ملک میں ایک عام متوسط زندگی کا دَور ہوتا، اور اطمینان کی زندگی نصیب ہوتی۔ قطعاً مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ کانوں (معادن) سے متعلق اگر اسلام کا معتدل اقتصادی نظریہ تسلیم کر لیا جائے۔ جو مخصوص حالات میں بعض بنیادی شرائط کے ساتھ انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے حقیقتاً اجتماعی ملکیت کو اساس سمجھتا اور اس طریقِ عمل کو مفادِ عامہ کے لئے ضروری مانتا ہے تو نہ صرف پبلک میں عام خوشحالی کا دور پیدا ہو جائے گا بلکہ اس طرح عام رفاہیت، تجارت کی فراوانی اور زراعت کی ترقی کے لئے زیادہ سے زیادہ "ذرائع" مہیا ہو سکیں گے۔

مثلاً جب پٹرول کی کانیں ملک میں برآمد ہوں اور اجارہ دارانہ سسٹم کی کمپنیوں کی بجائے خود حکومت کی سرکاری کمپنی اس کی برآمد کا انتظام کرے تو ظاہر ہے درمیانی ایجنٹ کی من مانی زیادہ ستانی سے اس کی قیمت میں موجودہ دَور کی طرح ناقابلِ برداشت گرانی نہیں ہو سکے گی۔ اور اس طرح اس کا فائدہ صرف مخصوص سرمایہ داروں ہی تک محدود نہ رہے گا بلکہ عام اور متوسط طبقہ بھی بلند ہو سکے گا۔ کہ جس پر ملک کی بہتری کا بہت کچھ مدار ہے، اور اس طرح استعمال کے لئے بھی اس کا فائدہ عام ہو جائے گا۔

کیا کوئی کاروباری آدمی اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اگر آج "کوئلہ" درمیانی کمپنیوں کے ذاتی منافع کے شکار سے نکل کر براہِ راست خود حکومت کے ہاتھوں ملک تک پہنچے تو ضروریات کی ہزاروں اشیاء جن کی ارزانی اور گرانی کا مدار کوئلہ کی ارزانی اور گرانی پر ہے اس قدر ارزاں ہو جائیں کہ دولتمندوں کی طرح عوام اور متوسط بھی ان اشیاء سے کافی فائدہ اٹھا سکیں گے۔

Marfat.com

جہازوں اور ریلوے کے ٹکٹ، محصولات اور آلاتِ حمل ونقل کی فراوانی وغیرہ اس ترقی کے دور میں بڑی حد تک اسٹیم اور بجلی کی قدر وقیمت کے ساتھ وابستہ ہیں اور اسٹیم وبجلی کا وجود کوئلہ پر موقوف ہے، پس اگر کوئلہ ارزاں ہے تو اس کا اثر مذکورہ بالا تمام اشیاء پر پڑتا ہے اور اگر گراں ہے تو یہ تمام اشیاء پر اثر انداز ہے۔ لہذا اقتصادی نظام کے مسطورۂ بالا نظریہ کا یہ پہلو اس قدر صاف ہے کہ کوئی صاحبِ عقل وخرد اس کی صحت کا انکار نہیں کرسکتا۔

**ملیں اور کارخانے** جب صنعت وحرفت انسانی ہاتھوں سے نکل کر مشینوں اور کلوں کے قبضہ میں چلی جاتی ہے تو "سرمایہ دار" کے لئے جنت کی ایک کھڑکی کھل جاتی ہے اور وہ ملیں اور کارخانے قائم کرکے خدا کے اپنے ہی جیسے بندوں "غریبوں اور مزدوروں" پر آقائی بلکہ العیاذ باللہ خدائی کرنے لگتا ہے۔ وہ مزدوروں کے نام سے ان کی جان ومال اور آبرو پر قابض ہوجاتا اور ان انسانوں کو غلاموں کی نہیں بلکہ حیوانوں کی طرح اپنے مفاد کی قربان گاہ پر چڑھانے کا عادی بن جاتا ہی اور بڑے فخر سے کہتا ہے ؎

دے رہا ہوں مُزد کی صورت میں اس کو میں زکات — درحقیقت اس کی محنت کا صلہ کچھ بھی نہیں
اس کی کم ظرفی نے فطرت کا بگاڑا ہے مزاج — رفتہ رفتہ ہورہی ہے وہ خسیس وخشمگیں
سیم وزر لیکر بھی ہیں راضی نہ تھا روزِ ازل — بن گیا مزدور جھٹ جاروب وتیشہ کا رہیں

اور طرفہ تماشا یہ کہ اس دورِ تہذیب وتمدن کے موجد جو غلامی کو لعنت کہتے اور اس کے خلاف بڑھ بڑھ کر لیکچر دیتے رہتے ہیں، غلامی کے اس اقتصادی جال کو نہ صرف جائز رکھتے بلکہ اپنی حکومتوں اور شاہنشاہیتوں کی ترقی کے لئے بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں اور اسی لئے اس کو ہر وقت سراہتے اور سرمایہ دار کے اس جال کی بندشوں کو قوانین کی راہ سے اور زیادہ مضبوط کرتے رہتے ہیں اور اس جال کی بندشوں کا حُسن ونکھار اس وقت اور زیادہ قابلِ دید ہوتا ہے جب اس کے جواز کے لئے دھرم اور مذہب کے نام پر غلط حمایت بھی شامل ہوجاتی ہے۔

محنت کی زیادتی، حقِ محنت کی کمی، اور عام حقوقِ انسانی سے محرومی کے بعد اس ریوڑ

Marfat.com

کی زبوں حالی دیکھنی ہو تو بمبئی، کلکتہ، کراچی، مدراس، دہلی، کانپور اور شولاپور جیسے تجارتی مقامات میں جاکر دیکھئے۔ پہلے "مل آنرز" کی چمن زار کوٹھیوں اور جنت نظیر بنگلوں پر ایک نظر ڈالئے، اور اس کے بعد پھر ان غلیظ اور نجس چالوں اور کوارٹروں کو ملاحظہ فرمایئے جس میں بھیڑوں کے ریوڑ کی طرح مزدور آباد ہیں۔

لیکن قانونِ فطرت انتقام لئے بغیر کب باز رہتا ہے آخر مزدور و سرمایہ دار کی جنگ کے نام سے وہ شعلے بھڑک اٹھے ہیں جس نے "سرمایہ دارانہ نظام" کو بھسم کر کے بالآخر ایک قدیم مگر عادلانہ نظام کے لئے زمین ہموار کر دی ہے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلك امرا۔

**سرمایہ اور محنت میں توازن**

اسلام چونکہ خود دینِ فطرت ہے اور اس کا نظام کسی انتقام یا ردِ عمل پر مبنی نہیں ہے بلکہ نام اور حقیقت دونوں لحاظ سے کائناتِ انسانی کی عام فلاح و بہبود کا ہمہ گیر نظام اور انسانی ضروریاتِ دینی و دنیوی کے ہر شعبہ میں مستقل انقلابی پیغام ہے۔ اس لئے اس نے اپنے اقتصادی نظام میں اس جگہ بھی مذموم سرمایہ داری کی حمایت نہیں کی بلکہ سرمایہ اور محنت میں ایک ایسا معتدل توازن قائم رکھا ہے کہ اس کے بعد اس جنگ کے لئے کوئی جگہ ہی باقی نہیں رہتی کیونکہ اسے معلوم ہے کہ "سرمایہ دار" مزدور کو اپنے سرمایہ داری کے جال میں کن راہوں سے پھانستا اور تباہ و برباد کر دیتا ہے، اور اگر وہ راہیں بند کر دی جائیں تو پھر تعاون اور امدادِ باہمی کا وہ قانون جو انسان کی جبلت میں ودیعت کیا گیا ہے یہاں بھی بغیر افراط و تفریط کے صحیح نقشہ کے مطابق کس طرح باحسن وجوہ نافذ ہو سکتا ہے۔

(۱) پہلی گرہ جو اس جال میں مزدور کو پھنسانے کے لئے لگائی گئی ہے وہ "اجرت کی کمی" ہے وہ نادار ہے، مفلس ہے، بیچارہ ہے، فاقہ کش ہے اس لئے اس کی محنت کا صلہ ایک روپیہ ہونے کے باوجود سرمایہ دار اس کو چار آنے پر راضی کر لیتا ہے اس لئے کہ وہ بھوکا ہے، تن، پیٹ دونوں کے لئے عاجز و درماندہ ہے، سرمایہ دار خوش ہے کہ اس نے جبر نہیں کیا بلکہ مزدور اپنی خوشی سے اس پر آمادہ ہو گیا اور مزدور یقین رکھتا ہے کہ اگر وہ اس ناواجب اجرت کو اضطراری طور پر قبول نہیں

کرتا، تو فاقوں کی بدولت موت کا استقبال لازمی ہے اور یہ کہ دوسرا مزدور مجھ سے زیادہ بدحالی اور اضطرار کی وجہ سے اس سے بھی کم اجرت پر کام کرنے کو تیار نظر آتا ہے۔

(۲) دوسری گرہ یہ لگائی گئی کہ کم سے کم مزدوری میں مزدور سے کام زیادہ سے زیادہ لیا جائے اور اس کو بھی وہ اپنے افلاس اور تنگ حالی بلکہ فاقہ کشی کی خاطر منظور کر لیتا ہے اور اپنی بیچارگی پر آٹھ آٹھ آنسو بہا کر نو دس گھنٹے یا اس سے بھی زیادہ محنت کر کے سرمایہ دار کو خوش کرتا ہے، تب جا کر بمشکل چار آنے کا حقدار ہوتا ہے۔

لیکن اسلام اپنے نظام میں مفلس اور صاحبِ حاجت کی اس رضامندی کو "مرضی" نہیں تسلیم کرتا اور سرمایہ دار کے ان دونوں پھندوں کو ظلم قرار دے کر اس طلسم کو پاش پاش کر دیتا ہے۔

فیلسوفِ اسلام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں۔

"پس اگر مالی نفع ایسے طریقہ پر حاصل کیا جائے کہ اس میں عاقدین کے درمیان تعاون اور عملی محنت کو دخل نہ ہو۔ جیسے قمار یا زبردستی کی رضامندی کا اس میں دخل ہو جیسے سودی کاروبار تو ان صورتوں میں بلاشبہ مفلس اپنے افلاس کی وجہ سے خود پر ایسی ذمہ داریاں عائد کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے جن کا پورا کرنا اس کی قدرت سے باہر ہوتا ہے اور اس کی وہ رضامندی حقیقی رضامندی نہیں ہوتی، تو اس قسم کے تمام معاملات رضامندی کے معاملات نہیں کہلائے جا سکتے اور نہ ان کو پاک ذرائع آمدنی کہا جا سکتا ہے بلاشبہ یہ معاملات تمدنی حکومتوں کے اعتبار سے قطعاً باطل اور خبیث ہے۔" ؎۱

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الله عز وجل ثلثة انا خصمهم یوم القیمة ومن کنت خصمه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تین قسم کے انسان ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا اور جن سے میں جھگڑوں اس کو مغلوب و مقہور کر کے چھوڑوں گا ان میں سے ایک وہ

؎۱ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ من ابواب ابتغاء الرزق۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| خصمتہ (الی) ورجل استاجر | شخص ہے جو مزدور سے کام تو پوری طرح لیتا ہے اور |
| اجیرًا استوفی منہ ولم یوفہ ۵۱ | اس کے مناسب اس کی اجرت نہیں دیتا۔ |
| ولیستعملھما فیما | کام لینے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ (آزاد ہو یا غلام) |
| یحسنانہ ویطیقانہ | دونوں قسم کے اجیروں سے اس حد تک کام لے کہ وہ اچھی طرح |
| بلا اضرار بھما | کام انجام دے سکیں اور بقدر طاقت کام لینا چاہئے اور یہ نہ ہو |
| ۵۲ | کہ ان کو اتنی محنت کرنی پڑے کہ ان کی صحت وغیرہ کو نقصان پہنچے۔ ۵۳ |

(۳) سرمایہ داری کے جال کی تیسری گرہ یہ ہے کہ مزدور کی اجرت معین نہ کرے اور اس کی غربت سے فائدہ اٹھا کر یونہی کام پر لگائے اور کام مکمل کرانے کے بعد جو اجرت چاہے دیدے اسلام نے اس کو بھی ناپسند اور ناجائز کہا ہے اور ایسے معاملہ کو خیانت سے تعبیر کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے کہ |
| صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن استیجار | مزدور اور اجیر کو اس کی اجرت طے کئے بغیر کام پر |
| الاجیر حتی یبین لہ اجرہ ۵۴ | لگایا جائے۔ |

(۴) چوتھی گرہ یہ ہے کہ حقِ محنت تو مقرر کر دیا جائے لیکن ادائیگی میں من مانی رکاوٹ پریشان کن ترکیبیں اور جبر و ظلم کے ایسے طریقے اختیار کئے جائیں کہ مزدور کو وقت پر اپنے معمولی حقِ محنت سے بھی فائدہ اٹھانے کا موقع نہ مل سکے۔

اسلام نے اس کا بھی سدباب کیا ہے اور ایسا کرنے کو بد معاملگی "ظلم" اور بڑا گناہ قرار دیا ہے اور وہ اپنے اقتصادی نظام میں ایک لمحہ کے لئے بھی سرمایہ دار کے اس ظلم سے درگذر نہیں کرنا چاہتا۔

---

۵۱ بیہقی ج ۶ کتاب الاجارہ ۵۲ محلی ابن حزم احکام الاجارات ج ۸

۵۳ اجیر و مستاجر کے درمیان محنت و اجرت کے صحیح توازن یا کام کے اوقات کے تعین جیسے مسائل کا تعلق مفتی کے فتوی سے نہیں بلکہ خلیفہ اور قاضی کے اختیارات سے تعلق رکھتا ہے اس لئے فقہ کے ان ابواب یا مسائل کی جانب مراجعت ضروری ہے جن میں مختلف مسائل کے ذیل میں یا مستقل طور پر ان اختیارات اور مداخلت قاضی سے بحث کی گئی ہے

۵۴ بیہقی کتاب الاجارہ ج ۶ ص ۱۲۰۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مطل الغنی ظلم ؎۱ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مالدار کا مالداری کے باوجود دوسرے کے ادا حق میں تاخیر کرنا ظلم ہے |
| قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعط الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ ؎۲ | رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مزدور کی مزدوری اس کے پسینے کے خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔ |

(۵) پانچویں گرہ یہ ہے کہ "مزدور" کا حق تلف کرنے اور بہانہ سازی سے "سرمایہ داری" کو فروغ دینے کے لئے مزدور پر کام خراب کر دینے کا الزام لگا کر دیئے ہوئے چند ٹکے بھی جرمانہ کے نام سے واپس لے لئے جائیں۔ گویا بزعم خود یہ ظالم سرمایہ دار اپنے نقصان کا تاوان "انصاف" کے نام سے وصول کرتے ہیں۔

اسلام نے اس کو بھی افراط و تفریط سے الگ اعتدال کی حالت پر لانے کی کوشش کی ہے اور عدل و انصاف کے صحیح اصول پر یہ فیصلہ کیا ہے۔

"اور اجیر مشترک ہو یا خاص یا کاریگر ہو اس پر مال میں نقصان ہو جانے یا ہلاک ہو جانے سے کوئی تاوان نہیں آتا، تاوقتیکہ اس کا ارادی قصور یا ضائع کر دینا ثابت نہ ہو اور ان تمام امور میں جب تک اس کے خلاف گواہ موجود نہ ہوں اجیر ہی کا قول معتبر ہے قسم کے ساتھ۔ ؎۳

---

؎۱ بخاری و مسلم۔ ؎۲ بیہقی ج ۶

؎۳ محلی ج ۶ ص ۲۰۱۔ اور فقہاء حنفیہ کے نزدیک اجیر خاص کا اگرچہ یہی حکم ہے مگر اجیر مشترک ضامن ہوتا ہے اور اجیر مشترک اس اجیر کو کہتے ہیں جو اپنا ایک مستقل فنی کاروبار کرتا ہے اور ہر شخص اس کام کے سلسلہ میں اس سے خدمت لیتا ہے مثلاً سینے، کپڑا بننے وغیرہ کا کام لینا اور اجیر خاص سے مراد وہ اجیر ہے جو اپنی خدمات کسی ایک شخص کے لئے بعوض وقف کر دے مثلاً گھر کا ملازم، بیرہ، باورچی وغیرہ اور اجیر خاص پر ضمان نہ آنے کی دلیل یہ دیتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| لانہ ید ہ ید امین والعین فی یدہ لہ حکم الامانۃ الا اذا تعمد الفساد فانہ یضمن للتعدی۔ | متاجر کی شے اجیر کے ہاتھ میں امانت ہے اس لئے اس کا حکم امانت ہی کا رہیگا مگر یہ کہ جان بوجھ کر چیز کو برباد یا خراب کرے تو اس صورت میں ضمان آئیگا۔ |

Marfat.com

اوران تصریحات کے بعد اسلام اپنے اقتصادی نظام میں مزدوروں اور پیشہ وروں کو بھی ارباب رأس المال کے ساتھ زیادتی اور بیجا تعدی کرنے سے روکتا ہے اور نہیں چاہتا کہ ایک طرف سے افراط اور دوسری طرف سے تفریط ہو۔

| | |
|---|---|
| عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر الکسب کسب العامل اذا نصح [۱] | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین کمائی مزدور کی کمائی ہے بشرطیکہ وہ خیر خواہی اور بھلائی کے ساتھ کام والے کا کام انجام دے۔ |

ان تمام احکامِ عدل وانصاف کے بعد وہ مستاجروں اور اجیروں دونوں کے لئے ایک عام قانون بیان کرکے میزانِ عدل کو مساوی رکھنے کی سعی کرتا ہے۔ شرح شرعۃ الاسلام میں ہے۔

"اسلام کی سنت یہ ہے کہ لوگوں (اجیر و مستاجر، بائع ومشتری وغیرہ) کو آپس میں مہربانی، رحم، اور باہم یکدگر خیر خواہی کے ساتھ معاملات کرنے چاہئیں اور وہ یہ کہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے یعنی معاملات میں صرف اپنے فائدہ ہی کا پہلو پیشِ نظر نہ ہو بلکہ فریق ثانی کے فائدہ کا بھی خیال رہے۔ [۲]

یہی وجہ ہے کہ فیلسوفِ اسلام شاہ ولی اللہ دہلوی نے "اجارہ" کو "تعاون" اور معاونت میں شمار کیا ہے یعنی ایسے کل معاملات اور کاروبار جو دو فریق کے باہم دگر مدد واعانت سے نفع بخش ثابت ہوتے ہیں "باب تعاون" ہی میں داخل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"معاونت کی چند اقسام ہیں اور اجارہ بعض لحاظ سے مبادلہ اور بعض لحاظ سے معاونت ہے" [۳]

لیکن اگر ان حقوق میں تصادم پیش آجائے اور ایک دوسرے کے حقوق پر دستبرد کرنے لگے تو اس قسم کے تمام معاملات میں یعنی تعیین مدتِ عمل، تعیین مقدارِ اجرت، آسائش وراحت کے انسانی حقوق، وغیرہ میں "حکومت" کو دخل اندازی کرنی چاہیے اور خود عدل وانصاف کے ساتھ ان معاملات کو اس طرح طے کر دینا چاہیے کہ جانبین کے واجبی حقوق میں ظلم کا شائبہ تک باقی نہ رہے چنانچہ

---

[۱] رواہ احمد مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۸ [۲] ص ۲۳۲ فصل فی طلب الحلال [۳] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲

Marfat.com

نرخ کی گرانی کی بحث میں فقہار نے تصریح کی ہے کہ جب ضررعام اور جماعتی نقصان کا اندیشہ ہو تو اس وقت حکومت کو مداخلت کا حق ہے۔

ولا یسعر حاکم الا اذا تعدی الارباب عن القیمۃ تعدیا فاحشا فیسعر بمشورۃ اھل الرأی ¹

حاکم نرخ میں اس وقت تک مداخلت نہ کرے جب تک "ارباب نرخ" قیمت کی گرانی میں زیادتی پر نہ اتر آئیں اسوقت امام کو اہل الرائے کے مشورہ سے نرخ مقرر کر دینا چاہیے

یعنی امام کو متعلقہ امر کے ماہرین کی مجلسِ شوریٰ یا سب کمیٹی مقرر کر کے اس کے مشورہ سے اقدام کرنا چاہیے۔

الحاصل اسلام اپنے اقتصادی نظام میں صنعت وحرفت اور تجارت پر بہت زور دیتا ہے اور جگہ جگہ ایماندار تاجروں کو خدا کی رضا اور جنت کی بشارت سناتا اور اس کو خوش عیشی اور رفاہیت کی راہ بتاتا ہے۔ نیز انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پیشے اور کسبِ معاش کے واقعات سُنا کر صنعت و حرفت کی ترغیب دیتا اور گھریلو اور دستی کاریگری کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، کیونکہ یہی وہ طریقہ ہے جس کی عوام کی بے روزگاری دور ہوتی اور عام طور پر متوسط خوشحالی کی راہیں کھل جاتی ہیں۔

اسی طرح "ملوں اور کارخانوں" کی جدید ایجادات کے سلسلہ میں بھی اس کا قانونِ اقتصادِ جماعتی فلاح وبہبود کے قوانین سے عاجز و درماندہ نہیں ہے اسی لئے وہ حکم دیتا ہے کہ اس کے نظام میں ان ملوں اور کارخانوں کا استعمال صحیح طور پر تو جب ہی ہو سکتا ہے کہ حکومت رفاہِ عام اور مفادِ عامہ کی خاطر ان سے کام لے اور اربابِ دولت کو ایسے مواقع مہیا نہ ہونے دے کہ وہ غریبوں کو اپنی مشینوں کے پرزوں ہی کی طرح سمجھ کر اپنی اغراض کا آلۂ کار بنالیں اور اس طرح عام فقر وفاقہ کے ساتھ مخصوص افراد یا گروہ میں دولت "کنز" بن کر جمع ہو جائے اور اگر پبلک میں سے دولتمند حضرات ملک کی دولت میں اضافہ کرنے اور اپنی رفاہیت میں جائز جہات پیدا کرنے کے لئے "حکومت" سے اجازت خواہ ہوں تو حکومت کا فرض ہے کہ وہ مندرجہ بالا

---

¹ درمختار مع الشامی ج ۵ باب الحظر والاباحۃ۔

Marfat.com

شرائط وحدود کے ساتھ ان کو اجازت دے تاکہ افراط وتفریط سے الگ اس بارہ میں ایسا توازن قائم ہوجائے کہ اربابِ سرمایہ، مذموم سرمایہ داری تک نہ پہنچ سکیں اور اجیر و مزدور حیوانوں اور غلاموں کی طرح نہیں بلکہ باہمی اشتراک وتعاون کے ساتھ اپنی معاشی زندگی کو باحسن وجوہ حاصل کر سکیں کیونکہ یہ اگر حاصل ہوجائے تو پھر مزدور اور سرمایہ دار کی جنگ کے امکانات خود بخود ختم ہوجاتے ہیں۔

رہے مزدوروں اور غریبوں کے حفظانِ صحت، خوراک ولباس کی آسائش، بچوں کی تعلیم وغیرہ معاملات سو ان کے لئے اسلام کا ایک ہی فیصلہ ہے کہ حکومت (خلافت) بغیر امتیاز امیر و غریب پبلک کی تمام قسم کی جائز اور واجب ضروریات کی کفیل اور ذمہ دار ہے۔

**انفرادی عیش وتنعم** یوں تو ہر شخص اپنے روپے، پیسے، اور ذرائع آمدنی کو انفرادی ملکیت کی بنا پر اپنی راحت اور اپنے عیش پر صرف کرنے میں مختار و مجاز ہے لیکن اگر یہی اختیار و اجازت حدِ اعتدال سے نکل کر اس غلط راہ پر پڑ جائے کہ عورتوں میں زیور کی کثرت، زیب و زینت کے لئے گراں قیمت اشیار کی خریداری فیشن کی دلدادگی، اور مردوں میں اسراف و نمائش سے متعلق عام ضروریاتِ انسانی سے الگ خارج از اعتدال تفریحی اخراجات، کا ایسا ہمہ گیر شوق و ذوق پیدا ہوجائے کہ قوم کی قوم اس میں مبتلا نظر آنے لگے اور یہاں تک نوبت پہنچ جائے کہ بازاروں میں عام حاجات کی اشیار کے مقابلہ میں بناوٹی حسن اور زیبائش کی اشیار کا لین دین بڑھ جائے۔ اہلِ صنعت وحرفت کی نظر ان ہی امور کی دیدہ ریزی اور لطافت آفرینی میں محو اور مصروف ہوجائے، تجار کی تجارت کا فروغ صرف اسی پر رہ جائے۔ مزدوں کی محنت کا ثمرۂ دولت اسی پر خرچ ہونے اور عام ضروریات کی تجارت، خام اجناس کی زراعت، اور رفاہِ عام کے سلسلہ کی صنعت وحرفت، کسادبازاری کے نذر ہونے لگے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس قوم کا اقتصادی جہاز گردابِ ہلاکت میں گھر چکا ہے اور آج نہیں تو کل اس کے لئے تخت کی جگہ تختہ اور زربفت وکمخواب کی جگہ ٹاٹ وپلاس بھی میسر نہیں آئے گا۔

پس ملک کی ایسی خستہ حالت کو روکنا اور اس کے انفرادی اختیارات کی اس آزادی پر اخلاقی اور آئینی پابندیاں عائد کرنا اور اس ملک کی اقتصادی زندگی کو تباہی وبربادی سے بچانا

Marfat.com

حکومت کے اہم فرائض میں سے ہے۔ اسی لئے اسلام نے اگرچہ "ذرائع آمدنی" اور "آمدنی" کی بہت سی شقوں میں انفرادی حقِ ملکیت کو تسلیم کیا ہے لیکن ساتھ ہی اس کا یہ منشا اور یہ خواہش ہے کہ اختیار کی یہ باگ اس قدر ڈھیلی نہ رہنے دی جائے جس کی بدولت عام انسانی دنیا اقتصادی بدحالی میں گرفتار ہو جائے اور صرف چند سو یا چند ہزار یا چند لاکھ انسانوں کی سرمایہ دارانہ عیش پسندی کی مرضیات میں ڈوب کر خدا کی عام مخلوق، ہلاکت و تباہی کے گھاٹ اتر جائے۔ اسلام کے مایۂ ناز فلسفی شاہ ولی اللہؒ نے اس مسئلہ کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ تمدن و معیشت کے فساد کی راہوں میں یہ بہت بڑی راہِ فساد ہے، لکھتے ہیں:۔

"اسی طرح تمدن کی تباہی و ہلاکت کے امور میں سے یہ ہے کہ امت کے۔ الدار زیورات، لباس مکانات، خورد نوش اور عورتوں کے حسن و زیبائش وغیرہ کی باریک بینیوں اور دقیقہ سنجیوں میں مبتلا ہو جائیں اور حاجات و ضروریات سے زیادہ عیش و تنعم کی زندگی میں مشغول و منہمک رہنے لگیں۔" [1]

اور آخر کار نتیجہ یہ نکلے کہ:۔

"لوگوں پر اس کی وجہ سے سخت مصیبت آن پڑے مثلاً ان لوگوں کے لئے جو زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت کے مختلف کاموں کو فروغ دینا چاہتے ہیں اور آخر کار اس شہر یا ملک کا یہ ضرر آہستہ آہستہ ایک عضوِ اجتماعی سے دوسرے عضو میں سرایت کرتا جائے یہانتک کہ تمام مخلوق ایک عام تباہی میں گرفتار ہو جائے۔" [2]

لہٰذا اسلام نے ایسے تمام ذرائع کا سد باب بھی ضروری سمجھا اور اس کی اصلاح کے لئے مختلف قدم اٹھائے، جن میں سے بعض کا ذکر صفحاتِ گذشتہ میں ہو چکا اور بعض قانونی جنبیات کا ذکر شاہ ولی اللہؒ نے ان سطور میں کیا ہے۔

"اور یہ مرض عجمی تمدن پر چھایا ہوا تھا پس اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ

---

[1] و [2] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲۔ ابواب من ابتغاء الرزق۔

بات ڈالی کہ وہ اس مرض کا اس طرح علاج کریں کہ اس فاسد تمدن کا مادہ ہی ہمیشہ کے لئے منقطع ہوجائے اس لئے آپ نے دیکھا کہ اس تمدن کی زیادہ تر بنیاد مردوں کو طرح طرح کے ریشمی اور حریری لباس کی نزاکت کے ذوق، گانے والی عورتوں کے شوق اور سونے کے زیورات کی (یہتات) اور چمک دمک کے عشق میں سونے کا سونے کے ساتھ کمی زیادتی کے لین دین پر قائم ہے۔ لہذا آپ نے ان باتوں کی اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کی ممانعت کردی اور حکم دیدیا کہ اس مصنوعی اور تباہ کن عیش پسندی کو ختم ہونا چاہئے اور سادہ زندگی کو اختیار کرنا چاہئے[1]

زکوٰۃ | تجارتی بدعنوانیوں کے انسداد کی بحث میں یہ واضح ہوچکا ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں "اکتناز" اور "احتکار" دونوں حرام ہیں یعنی چونکہ یہی دو راہیں سرمایہ دارانہ نظام کی تباہ کاریوں کو نشوونما کرتی ہیں اس لئے ان کا استیصال ضروری ہے۔ احتکار کی بحث تو اپنے بعض گوشوں کے لحاظ سے صفحاتِ گذشتہ میں آچکی اب بعض وہ احکام قابلِ ذکر ہیں جو انفرادی ملکیت کو بے قید ہونے سے روکتے اور اکتناز سے محفوظ رکھتے ہیں۔

• دولت کے جمع اور ذخیرہ کی وہ تمام صورتیں جن میں دولت کی تقسیم سے انکار کیا گیا ہو "اکتناز" میں داخل ہیں۔ لہذا اسلام کے معاشی نظام کا اعتدال اس کے مقابلہ میں یہ حکم دیتا ہے کہ "دولت" جمع اور ذخیرہ کے لئے نہیں ہے بلکہ تقسیم اور گشت کے لئے ہے تاکہ افراد کے درمیان دولت کا توازن صحیح رہے اس سلسلہ میں سب سے اہم قانون "زکوٰۃ کا قانون" ہے اور اس لئے اس کی ادا صرف رضاکارانہ اصول پر نہیں بلکہ قانونِ فرض کی شکل پر قائم ہے اور جو لوگ اس فرض کی ادا میں کوتاہی کرتے اور اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان کے لئے قانونی سزا کے علاوہ آخرت کے سخت عذاب سے بھی ڈرایا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ | اور جو لوگ خزانہ بناتے ہیں سونے اور چاندی کو اور اس |
| وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ | کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (یعنی اس کی زکوٰۃ |
| سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ | اور دیگر حقوقِ واجبہ مالیہ ادا نہیں کرتے) تو آپ ان کو |

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲۔

الیم۔ (توبہ) دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔

یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰی جس دن کہ آگ دھکائیں گے اس مال پر دوزخ کی

بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ پھر داغیں گے اس مال سے ان کی پیشانیاں پہلو

هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا اور پشت (اور کہا جائے گا) اب چکھو مزہ اس

مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔ (توبہ) مال کے خزانہ کرنے کا۔

علماءِ اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ "آیت" زکوٰۃ اور حقوق واجبہ ادا نہ کرنے کی وعید میں نازل ہوئی ہے اور "اقامتِ صلوٰۃ" کے ساتھ "ایتاءِ زکوٰۃ" کا ذکر تو قرآنِ عزیز میں بہت زیادہ ہے۔

"زکوٰۃ" کے لغوی معنی طہارت و پاکیزگی کے ہیں، چونکہ یہ دولت کو نجس اور ناپاک سرمایہ داری سے بچاتی، انسان کے دل و دماغ کو غرور و تکبر اور قارونی ذہنیت سے پاک کرتی، اور اپنی محنت کی کمائی میں جماعتی حقوق کا پاک جذبہ پیدا کرتی ہے۔ اس مناسبت سے اس کا نام "زکوٰۃ" ہے۔ حقیقتِ زکوٰۃ دو اصول پر مبنی ہے۔

(۱) مذموم سرمایہ داری سے روکنا اور غرباء کی حاجات کو پورا کرنا۔

(۲) اقتصادی فلاح کی جدوجہد کا جذبہ پیدا کرنا۔

پہلا اصول تو واضح ہے اس لئے کہ اسلام کی نظر میں ایسا شخص بھی سرمایہ دار ہے جس کے پاس صرف ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا موجود ہو یا ضروریاتِ زندگی سے فاضل ایسی اشیاء موجود ہوں جن کی قیمت اسی نصاب تک پہنچ جاتی ہو۔ چنانچہ ان اشیاء پر اگر ایک سال گذر جائے

---

ؔ انسان جب خدائے تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو یہ دلیل ہے اس امر کی کہ اس کا قلب اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہے اس لئے ایمان میں تازگی، روح میں پاکیزگی، اور اللہ تعالیٰ کی قربت کے لئے زکوٰۃ کو فرض کیا گیا جو درحقیقت ایمان باللہ کا عنوان، اور عطاءِ نعمت پر شکرِ الٰہی کا مظہر ہے۔ نماز اگر بدنی عبادت ہے تو زکوٰۃ مالی عبادت ایک شخص کی بدنی عبادت کا مظاہرہ اگر خلوص صداقت پر مبنی ہے تو مالی عبادت اس کے لئے صحیح کسوٹی ہے تاکہ معاملہ اس طرح کا ثابت نہ ہو ؎

گر زند طلبی سخن دریں است گر جاں طلبی مضائقہ نیست

Marfat.com

تو مالکِ اشیاء سے اسلام کا مطالبہ ہے کہ وہ اجتماعی حقوق کی تکمیل کے لئے چالیسواں حصہ "زکوٰۃ" کے نام سے سرکاری بیت المال میں داخل کرے۔

اسلام نے ادائے زکوٰۃ کو "فرض" قرار دیکر درحقیقت صاحبِ ثروت اور نادار انسانوں کے درمیان ایسا صحیح توازن قائم کردیا ہے کہ اگر مسلمان بحیثیتِ جماعت اس فرض کو پورا کریں تو ایک جانب مذموم اور مطلق العنان سرمایہ داری کا خاتمہ ہوجائے اور دوسری جانب فاقہ مست اور خانماں برباد فقراء و مساکین کا وجود باقی نہ رہے اور دنیائے انسانی کی عام زندگی میں ایسا اعتدال پیدا ہوجائے کہ موجودہ طبقاتی جنگ اور معاشی رقابت کے نام سے گروہ بندی مفقود ہو کر رہ جائے جیسا کہ خلافتِ راشدہ خصوصاً دورِ صدیقی و فاروقی کی روشن تاریخ شاہد عدل ہے۔

یمن کے باشندے جب نورِ اسلام کی روشنی سے منور ہو کر مشرف باسلام ہوگئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں حضرت معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) کو ان پر والی اور معلم بنا کر بھیجا اور ان کو وصیت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

> کہ تمہارا سابقہ اہلِ کتاب (یہود) سے پڑے گا تم اول ان کو شہادتین "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی تلقین کرنا اور جب وہ قبول کرلیں تو پانچ وقت کی نماز کی فرضیت کی تلقین کرنا اور جب وہ اس کو بھی تسلیم کرلیں تب ان سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مال پر "زکوٰۃ" بھی فرض کی ہے (زکوٰۃ کیوں فرض ہے اور اس کی کیا حکمت و مصلحت ہے تو ان کو بتلانا کہ اس لئے کہ
>
> تؤخذ من اغنیاءھم فترد — ان کے اہلِ ثروت سے لیجائیگی اور ان کے فقراء
>
> الی فقراءھم [۱] — پر تقسیم کردی جائے گی۔

یہ پُر از حکمت جملۂ مبارک دراصل "زکوٰۃ" کی حقیقت کا ترجمان ہے اور جانِ حکمت بن کر اعلان کرتا ہے کہ صاحبِ ثروت و دولت کو ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ دولت تنہا اس کی اپنی ملکیت ہے اس لئے کہ یہ خدا کا فضل ہے جس کے لئے اس کو منتخب کیا گیا لہٰذا اس کا بھی فرض ہے

---

[۱] بخاری ج ا کتاب الزکوٰۃ۔

Marfat.com

کہ وہ اس حقیقتِ حال کو کبھی فراموش نہ کرے کہ جو جس قدر کماتا ہے اسی قدر اس پر اجتماعی حقوق کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے" اور جو اس حقیقت کا منکر ہو کر غرور اور تکبر سے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی اپنی محنت کی کمائی عطائے الٰہی نہیں بلکہ اس کی عقل و محنت کا ثمرہ ہے تو وہ خدائے برتر کی دی ہوئی نعمت کا کفران کرتا اور اس طرح تاریخِ ماضی سے آنکھیں بند کر کے گویا خدا کے غداب و عتاب کو چیلنج کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قارون کا واقعہ تاریخ کی نگاہ میں کل کا واقعہ ہے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوم نے جب قارون جیسے سرمایہ دار (کیپٹلسٹ) کو اس کا یہی فرض (زکوٰۃ) یاد دلایا تو اس نے نہایت غرور و تمکنت سے اس کے ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

| | |
|---|---|
| اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ | قارون، موسیٰ کی قوم میں سے تھا، پس وہ ان کے مقابلہ میں |
| مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ وَ | اترانے اور شرارت کرنے لگا، بات یہ تھی کہ ہم نے اس کو دولت |
| اٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ | کے اتنے خزانے بخشے تھے کہ اس کے نقل و حمل سے طاقتور |
| مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَةِ | مزدور بھی تھک جاتے تھے (یا اس کی کنجیوں کے نقل و حمل |
| اُولِي الْقُوَّةِ (القصص) | سے مضبوط مزدور بھی تھک جاتے تھے)۔ |

قارون کی قوم نے خدا کی نعمتیں یاد دلاتے اور فساد و تکبر سے بچنے کی نصیحت کرتے ہوئے قارون سے جب یہ کہا۔

| | |
|---|---|
| اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ | جب اس کی قوم نے اس سے کہا کہ شیخی نہ کر بلا شبہ |
| اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ | اللہ تعالیٰ شیخی کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ |
| وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ | نے جو کچھ تجھ کو دیا ہے اس کے ذریعہ سے آخرت کا |
| الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ | سامان کر اور اس کو نہ بھول کہ دنیا میں تجھے کیا کچھ ملا |
| مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ | ہوا ہے اور لوگوں کے ساتھ اسی طرح بھلائی کر جس طرح |
| اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ | اللہ تعالیٰ نے تجھ پر بھلائی کے دروازے کھول دیئے ہیں |

Marfat.com

| | |
|---|---|
| فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ | اور زمین میں فساد کا خواہشمند نہ بن، اللہ تعالیٰ |
| الْمُفْسِدِينَ (القصص) | مفسدوں کو ناپسند کرتا ہے۔ |

تو قارون نے جواب دیا۔

| | |
|---|---|
| قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ | یہ مال تو مجھ کو میرے اُس ہنر کی بدولت ملا ہے جس کا میں واقفکار ہوں |
| عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي | (یعنی میری سرمایہ داری میری قابلیت و ہنر مندی کا نتیجہ ہے نہ کہ خدا کا عطیہ |
| (القصص) | اس صورت میں میں دوسروں کو اس میں شریک نہیں کر سکتا) |

قارون کی قوم اور قارون کے سوال و جواب کے بعد اللہ تعالیٰ نے غافل، سرکش اور مغرور انسان کو اس کے زعمِ باطل پر زجر و توبیخ کرتے ہوئے حکیمانہ انداز میں کتابِ کائنات کے ان صفحات کی جانب پر زور توجہ دلائی ہے۔ جن پر اقوامِ ماضی کے مغرور، سرکش اور صاحبِ ثروت و قوت افراد و اقوام کے نتائجِ بد منقوش و مکتوب ہیں اور جو بلاشبہ صاحبِ بصیرت کے لئے صد ہزار سرمایۂ عبرت و موعظت ہیں۔ چنانچہ وہ اسلوبِ حکیم، اعجازِ بلاغت و فصاحت اور علی الاطلاق قاہرانہ قدرت کے ساتھ کہتا ہے۔

| | |
|---|---|
| أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن | کیا اس کے علم میں یہ نہیں ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ |
| قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ | ایسی کتنی ہی جماعتیں تباہ کر چکا ہے جو اس سے زیادہ |
| قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا۔ (القصص) | قوت والی اور سرمایہ دار تھیں۔ |

اور جب اس نے اس عبرت و بصیرت پر بھی کان نہ دھرا اور صفحاتِ عالم کے ان ابھرے ہوئے نقوشِ ماضی سے بھی سبق حاصل نہ کیا تو آخر کار سنت اللہ کے ہمہ گیر قانونِ گرفت نے اس کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جو اگلوں کے ساتھ پیش آیا تھا۔

| | |
|---|---|
| فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ | پس ہم نے اس کو اور اس کے خانۂ دولت کو تہِ زمین دھنسا دیا |
| فَمَا كَانَ لَهُ مِن فِئَةٍ | پھر کوئی جماعت اس کی مدد کے لئے سامنے نہ آئی جو اللہ کے |
| يَنصُرُونَهُ مِن دُونِ اللهِ | مقابلہ میں ہوتی اور نہ وہ خود مدد لا سکا یعنی خدا کا انقلابی |

Marfat.com

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۔ ہاتھ جب ایسے سرمایہ داروں کو ہلاک کرتا ہے تو پھر
(قصص) کوئی نصرت و مددان کو نہیں بچا سکتی۔

اسی طرح ادار صدقات وزکوٰۃ کے اہم "فرض" اور نظام معاشی کے اس بنیادی اصول سے غفلت برتنے والوں کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے سورۂ براءۃ میں سخت وعید کا اعلان سنایا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ ۔ اے ایمان والو! اہلِ کتاب کے بہت سے عالم او
وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ النَّاسِ ۔ درویش لوگوں کے مال ناحق کھاتے اور اللہ کی
بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ راہ سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونے چاندی کو
وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ۔ خزانہ بناتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں
وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ ۔ خرچ نہیں کرتے سو ان کو خوشخبری سنا دے
بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ[1] (توبہ) ۔ دردناک عذاب کی۔

یہاں ادار فرض کا نام "انفاق فی سبیل اللہ" رکھا اور اس سے غفلت برتنے والے دولتمند کی دولت کو "کنز" بتلا کر متنبہ فرمایا کہ یہی وہ سرمایہ داری ہے جو اسلام میں قابلِ لعنت ہے، اور خدا کی عام مخلوق میں اقتصادی تباہی کا باعث بنتی ہے۔ آخر انسان ثروت و دولت کے نشہ میں اس درجہ کیوں غافل ہے اور اس حقیقت کے سمجھنے سے کیوں قاصر ہے کہ اس نے اپنی عقل و محنت سے ہی اگر دولت کمائی ہے تب بھی انسانوں کے باہمی تعاون و مواسات سے ہی کمائی ہے ورنہ تو

---

[1] صحیح حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں کو بہت شاق گذرا اور انھوں نے خیال کیا کہ شاید ضرورت کے لئے معمولی پس انداز کرنا بھی اس کے تحت میں آتا ہے یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کام کو میں انجام دونگا۔ اور اس مشکل کو میں حل کروں گا۔ چنانچہ انھوں نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو صرف اس لئے فرض کیا ہے کہ تمہارے باقی مال کو زکوٰۃ کے ذریعہ پاک کردے یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ اجتماعی حقوق ادا کرنے کے بعد اس کے پاس اپنی ضرورت کے لئے جو پس انداز ہو وہ بھی "کنز" میں داخل ہو حضرت عمرؓ نے جب زبانِ مبارک سے یہ سنا تو بہت مسرور ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔
(ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ)

Marfat.com

بغیر دوسرے انسانوں کے تعاون واشتراک کے اس کو تجارت یا صنعت وحرفت وغیرہ میں کامیابی ناممکن تھی۔ پس کیا اس کا یہ فرض نہیں ہے کہ اگر ان ہی انسانوں میں سے بعض انسان مرض، اعضار کی کمزوری، ضعفِ پیری یا دوسرے ناسا عد اسباب کی بنا پر افلاس اور احتیاج تک پہنچ جائیں تو یہ ان کی مدد کرے اور اس کے مال میں ان کا حصہ محض تبرع اور احسان کے طور پر نہ ہو بلکہ "فرض" کی حیثیت میں ہو۔

"زکوٰۃ" مسلمانوں کو اقتصادی جدوجہد میں فلاح وبہبود کی راہ دکھاتی ہے اس اصول کی تشریح یہ ہے کہ جو کاہلی اور دون ہمتی کی بنا پر بیکاری کی زندگی گذارنا چاہتے ہیں اور تھوڑی یا بہت پونجی رکھنے کے باوجود ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہنے کے خوگر ہیں، یہ اجتماعی ٹیکس ان کے لئے مہمیز کا کام دے اور وہ یہ سوچیں کہ ہمارا یہ مال جس کو قدرت نے نشوونما کی صلاحیت دی ہے ایسا نہ ہو کہ دو چار سال میں ذاتی ضروریات اور "زکوٰۃ" کی نذر ہو کر رہ جائے اور بمصداق حدیث:۔

الید العلیا خیر من الید السفلی (دینے والے کا) بلند ہاتھ (لینے والے کے) پست ہاتھ سے بہتر ہے۔

دوسروں کی طرح ہمیں بھی ایک روز غیر کا دستِ نگر نہ بننا پڑے، یہ سوچ کر وہ آگے بڑھیں اور ترقیِ مال کے لئے جائز سعی کریں اور اس طرح ہر شخص اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل بن جائے۔ یہاں تک کہ یہ اجتماعی ٹیکس ایک روز صرف "رفاہِ عام" ہی کی ضروریات کے لئے رہ جائے اور ہر جگہ دینے والے ہاتھ ہی باقی رہ جائیں اور مانگنے والا ہاتھ ایک بھی باقی نہ رہے۔

---

فرضیتِ زکوٰۃ میں اسلام نے کن مصالح کا لحاظ رکھا ہے؟ فیلسوفِ اسلام شاہ ولی اللہؒ دہلوی اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

"واضح رہے کہ "زکوٰۃ" میں دو مصلحتوں کی رعایت پیشِ نظر رکھی گئی ہے۔ ۱۔ تہذیبِ نفس، ۲۔ مدنی واجتماعی حاجات کا انسداد۔ تہذیبِ نفس سے مراد یہ ہے کہ مال، بخل، خود غرضی، جنسی عداوت، جنسی بداخلاقیاں پیدا کرتا ہے، اور ان بداخلاقیوں کے انسداد کا بہترین علاج "انفاق" یعنی حسبۃً للہ صرفِ مال اور سخاوت ہے۔ اس سے بخل کا خاتمہ ہو جاتا ہے، خود غرضی مٹ جاتی ہے اور عداوتِ جنسی کی بجائے برادرانہ محبت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی جنسی

Marfat.com

محبت ان تمام اخلاقِ کریمانہ کی اساس و بنیاد ہے جو انسان کو حسنِ معاملت کا خوگر بناتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ "انسان" اخلاقِ حسنہ کا پیکر بن جاتا ہے اور اسی کا نام تہذیبِ نفس ہے' اور زکوٰۃ، مدنی و اجتماعی حاجات کے انسداد کا بہترین علاج ہے اس لئے کہ نظام مدنی اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس نظام میں مضبوط "مالی نظام" موجود نہ ہو تاکہ اس کے ذریعہ سے مدنی نظام کے اعلیٰ و ادنیٰ عمال اور رعایا "پبلک" کے مناسبِ حال حاجات و ضروریات کو پورا کیا جا سکے، نیز فقراء، مساکین، ضعفاء، یتامیٰ، بیوگان اور اسی قسم کے دیگر حاجتمند دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور ذلیل و رسوا ہونے سے محفوظ رہیں، اور حکومت ان کی پوری کفالت کر سکے اور یہ تمام مشترک ذمہ داریاں اسی طرح پوری ہو سکتی ہیں کہ منجملہ دیگر ذرائع آمدنی کے حکومت کی آمدنی کا ایک معقول ذریعہ اہلِ سرمایہ سے وصولِ زکوٰۃ کی شکل میں حاصل ہو۔

یہی وجہ ہے کہ فطرت و عقلِ سلیم کے تقاضہ کے مطابق اسلام نے اس ٹیکس کو چار اصناف میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) اس مال سے "زکوٰۃ" لی جائے جس میں نمو اور ترقی کی استعداد ہو، اور اس کی تین قسمیں ہیں۔ ا۔ وہ جانور جو چراگاہوں میں اضافۂ نسل کے لئے پالے جا رہے ہوں۔ ب۔ زراعت۔ ج۔ تجارت،

(۲) اُن اشخاص سے لی جائے جو شریعت کی نگاہ میں اہلِ سرمایہ شمار ہوتے ہیں، جن کو قرآنِ عزیز میں "الذین یکنزون الذھب والفضۃ" کہکر پکارا گیا ہے۔ (یعنی نقد چاندی یا سونا رکھنے والے)

(۳) ان اموال میں لی جائے جو لوگوں کو بغیر محنت و تعب کے آسانی سے حاصل ہو گئے ہوں مثلاً خزانے کی دریافت یا جواہرات کی دریافت میں وہ اپنا مقررہ حصہ پائیں۔

(۴) اہلِ صنعت و حرفت کی صنعت و حرفت پر مقرر کی جائے۔

پھر اسلام نے موسمی حالات، اتفاقی حادثات، عام معاشی ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے اس

Marfat.com

کے لئے ایک مدت[1] معین کی مقدار[2] معین کی نیز ضروریات وحاجاتِ عامہ کو اس ٹیکس سے مستثنیٰ کردیا

اس تفصیل سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام نے اپنے فریضہ میں مدنی واجتماعی اور اقتصادی حالات کی بہتری کا کس قدر خیال رکھا ہے بلکہ اس کی بنیاد ہی صرف دو امور پر قائم کی۔ انفرادی تہذیبِ نفس اور اجتماعی اقتصادی فلاح وبہبود۔[3]

دنیا کے تمام سچے مذاہب اگرچہ ابناءِ جنس کی خدمت اور حاجتمندوں کی اعانت کی ترغیب و تعلیم دیتے ہیں لیکن یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ اس نے محض تلقین وتعلیم ہی نہیں کی بلکہ اس کے ساتھ ہی ایک سالانہ ٹیکس کا آئین قائم کردیا جو اس ضرورت کو پورا کرے اور اس کو اس درجہ اہم قرار دیا کہ نماز کے بعد اس کا ہی درجہ رکھا گیا اور قرآنِ عزیز میں دونوں کو ایک ہی فہرست میں گنا کر اس کو بھی ایمان کی علامت قرار دیا۔

| | |
|---|---|
| هُدًى وَّبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ | ہدایت اور بشارت کا پیغام ہے ان کے لئے جو مومن |
| الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ | ہیں کہ جن کے ایمان کی علامت یہ ہے کہ وہ نمازیں |
| الزَّكٰوةَ ۔ (نمل) | پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ |

اسی لئے مانعینِ زکوٰۃ کے بارہ میں صحابہ کے عظیم الشان مجمع میں صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا اور جمہور صحابہؓ نے اس پر صاد کیا۔

| | |
|---|---|
| واللہ لاقاتلن من فرق بین | بخدا میں ضرور ان سے جہاد کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان |
| الصلوٰۃ والزکوٰۃ (بخاری) | فرق کررہے ہیں یعنی نماز تو پڑھتے ہیں مگر زکوٰۃ دینے پر آمادہ نہیں |

نیز اس بارہ میں اسلام کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس نے فرضیتِ زکوٰۃ کی علت کو ان صاف الفاظ میں بیان کر کے۔

[1] حولانِ حول۔ یعنی ایک سال پورا ہوجانا ضروری ہے تاکہ مختلف موسموں اور حوادث کے گذر جانے کے بعد جو آمدنی ہو اُسی پر زکوٰۃ لی جائے اور یہی انصاف کا تقاضہ ہے۔ [2] چاندی ۵۲½ تولہ اور سونا ۷½ تولہ۔
[3] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ مختصر از ابواب زکوٰۃ۔

| | |
|---|---|
| کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ | تاکہ یہ نہ ہو کہ مال و دولت صرف دولتمندوں کے |
| الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ | گروہ ہی میں محدود ہو کر رہ جائے۔ |

یہ بھی بتا دیا کہ معاشی وسائل میں اس کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ دولت سب میں تقسیم ہوتی رہے اور کسی ایک گروہ کی اجارہ داری میں ہو کر ہی نہ رہ جائے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کے پیشِ نظر حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا والی اور معلم بنا کر ارکانِ اسلام کی وصیت فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا۔

| | |
|---|---|
| تؤخذ من اغنیاء ھم وترد | (زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ) ان کے مالداروں سے وصول |
| الیٰ فقراء ھم۔ | کی جائے اور ان کے محتاجوں پر تقسیم کر دی جائے۔ |

غرض "زکوٰۃ" عام خیرات کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ سرکاری انکم ٹیکس کی طرح ایک "ٹیکس" ہے، جو موجودہ ٹیکسوں کے مقابلہ میں زیادہ وسیع ہے یعنی وہ صرف کاروبار کی آمدنی کی کمی وبیشی ہی پر واجب نہیں ہوتا بلکہ اس اندوختہ پر بھی واجب ہوتا ہے جس پر سالِ موجودہ میں کسی آمدنی کا اضافہ تک نہ ہوا ہو، بشرطیکہ اس میں نمو (بڑھنے کی استعداد) موجود ہو۔

بہرحال زکوٰۃ، اجتماعی معاشی نظام کا ایک خاص اور اہم مالی جزء ہے۔ اسی لئے اس کے وصول کرنے کا حقیقی اور اصولی طریقہ حکومت کے نظم وانتظام کے ساتھ وابستہ کیا گیا اور اس کی تحصیل کا معاملہ حکومت کے ہاتھ میں دیا گیا یعنی حکومت اپنے گورنروں اور تحصیلداروں کے ذریعہ سے اس کو وصول کرے اور بیت المال میں داخل کر کے اس کے صحیح مصارف پر خرچ کرے۔

---

| | |
|---|---|
| عن ابن عمر ادفعوا الزکوٰۃ | حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فرمان ہے کہ زکوٰۃ امراء کو ادا |
| الی الامراء فقال لہ رجل | کرو، ایک شخص نے کہا کہ امراء وخلفاء تو اس کو صحیح مصرف |
| انھم لا یضعونھا مواضعھا | میں صرف نہیں کرتے۔ آپ نے جواب دیا، اس کے |
| فقال: وان۔ | بعد بھی انہی کو ادا کرو۔ |

---

| | |
|---|---|
| قال ابن عمر قال ما اقاموا الصلوٰۃ | حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تک |

Marfat.com

فادفعوها الیہم سلہ | خلفاء نماز ادا کرتے رہیں تم انہی کو زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔

ابوصالح کہتے ہیں، میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص، ابوہریرہ، ابوسعید خدری، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ یہ حاکم جو بے عنوانیاں کر رہے ہیں آپ کے پیش نظر ہیں کیا ایسی حالت میں بھی ہم ان ہی کو زکوٰۃ ادا کریں سب نے متفقہ آواز سے کہا کہ ضرور ان ہی کو ادا کرو (اس لئے کہ اجتماعی زندگی کے لئے یہی از بس ضروری ہے" سلہ

اور امام حدیث وفقہ ابوبکر جصاص حنفی احکام القرآن میں مصارفِ زکوٰۃ کی اس بحث میں" کہ جو صدقہ واجب ہے وہ امام ہی کے حوالہ کیا جائے وہ غیر مسلم پر خرچ نہیں کیا جا سکتا" ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| فان قیل فزکوۃ المال لیس | اگر یہ کہا جائے کہ اموال (باطنہ) کی زکوٰۃ پر امام کا یہ حق |
| اخذھا الی الامام ولا یجوزان | نہیں ہے کہ ضرور اس کے ہی حوالہ کی جائے اور پھر اس |
| تعطی اھل الذمۃ: قیل اخذھا | کو ذمی (غیر مسلم معاہد) پر خرچ کرنا جائز نہیں تو اس کا جواب |
| فی الاصل الی الامام وقد کان | یہ ہے کہ اصل قانون شریعت میں اموال (باطنہ) کے لئے |
| النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاخذھا | بھی یہی ضروری ہے کہ امام (خلیفہ) کو دی جائے اور اس |
| وکذلک ابوبکر وعمر فلما کان عثمان | کی وصولیابی امام ہی کا حق ہے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ |
| قال للناس ان ھذا شھر زکاتکم | علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ |
| فمن کان علیہ دین فلیؤدہ | برابر وصول فرماتے تھے پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ |
| ثم لیزک بقیۃ مالہ فجعل | کا زمانہ آیا تو انھوں نے فرمایا: لوگو! یہ زکوٰۃ کا مہینہ ہے |
| ارباب الاموال وکلاء لہ | پس جس شخص پر تم میں سے قرض ہو پہلے وہ اس کو ادا |
| فی ادائھا ولم | کرے اور اس کے بعد باقی مال کی زکوٰۃ ادا کرے تو |
| یسقط فی ذلک | اس اعلان کی وجہ سے اصحابِ اموال، امام کی |

سلہ وسلہ ابوداؤد مصنف ابن ابی شیبہ۔ بیہقی۔

Marfat.com

حق الامام جانب سے ادا، زکوٰۃ میں وکیل قرار پائے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ اموال
فی اخذھا۔[1] (باطنہ) پر امام کا یہ حق جاتا رہا کہ وہ خود وصول کرے۔

لہٰذا زکوٰۃ کا موجودہ طریقۂ ادا، اور طریقۂ وصول ان ہی مجبوریوں کی ایک کڑی ہے جو "اسلامی نظامِ امارت" کے فقدان سے پیدا ہوئی ہیں اور جس کا دفع کرنا ہر مسلمان کا دینی و مذہبی فریضہ ہے اس لئے کہ اگر ہندوستان میں اسلامی حکومت کا وجود مسلمانوں کی بدبختی و بدقسمتی سے باقی نہیں رہا تھا تو یہ تو ہر وقت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا کہ وہ بیت المال کے قیام اور اجتماعی مذہبی امور کے انتظام کے لئے اپنا ایک امیر مقرر کر لیتے مگر افسوس کہ ہندوستان میں یہ اسلامی فریضہ اس وقت تک شرمندۂ معنی نہیں ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ افراد کی سخاوتیں اور ان کی فیاضیاں وقتی طور پر کتنی ہی بیش از بیش کیوں نہ ہوں، امت اور قوم کے اجتماعی نظام کی تکمیل کو ہرگز ہرگز پورا نہیں کر سکتیں، کیونکہ اگر سرمایہ دار اور مالدار افراد کے عطیات اور انجمنوں کے قیام و نظام سے اقتصادی مسئلہ حل ہو سکتا تو امریکہ اور یورپ میں کبھی کا حل ہو گیا ہوتا۔ جہاں دولتمندوں کی دولت کے بے شمار انبار ہیں اور جنھیں قومی نظام کے لئے انجمن سازی کا بہتر سے بہتر شعور ہے، مگر حقیقت سامنے ہے کہ ان کا قومی نظام اور قومی سرمایہ کسی طرح بھی پست و متوسط طبقوں کی بیکاری اور افلاس کا انسداد نہ کر سکا اور نہ عملی طور پر اس کا کوئی حل سوچ سکا۔

پس اس صورتِ حال کا اگر کوئی بہترین اور صحیح علاج ہو سکتا ہے تو وہ وہی ہے جس کو اسلام نے تجویز کیا کہ قانون کے ذریعہ متمول افرادِ قوم کی پوری کمائی کا ایک معین حصہ کمزور اور پست افراد کی اجتماعی اور اقتصادی بہتری کے لئے مخصوص کر دیا۔ اسی کا نام "زکوٰۃ" ہے۔

**صدقاتِ واجبہ** | زکوٰۃ کے علاوہ "صدقات" کی اسلامی اصطلاح اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ اسلام "دولتمند" سے "زکوٰۃ" لینے کے بعد بھی اس کو قومی و اجتماعی انفاق کی ذمہ داری سے سبکدوش

[1] ج اول ص ۵۴۔

Marfat.com

نہیں کرتا بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ انفاق کے لئے دوسری راہیں کھولتا اور ان کو صدقات سے تعبیر کرتا ہے۔

"صدقات" کی دو نوع ہیں ایک "نافلہ" اور دوسری "واجبہ" پہلی نوع کا تعلق انسان کی انفرادی زندگی سے ہے کہ وہ حسب مرضی جس کار خیر میں چاہے حصہ لے اور دوسری نوع پھر دو حصوں پر منقسم ہے ایک انفرادی یعنی کسی متمول فرد کا کسی حاجتمند کی حاجت روائی پر بذات خود خرچ کرنا مثلاً صدقۃ الفطر، غریب والدین کا نفقہ، غریب اولاد کا نفقہ، پس اگر کوئی شخص اس انفرادی انفاق میں کوتاہی کرتا ہے تو امام کو حق حاصل ہے کہ اس کو اس انفاق کے لئے مجبور کرے۔ دوسرا اجتماعی یعنی زکوٰۃ کی طرح قوم کی اجتماعی اقتصادی حالت کی بہتری اور حاجتمندوں کی حاجت کے انسداد کے لئے بذریعہ حکومت خرچ کرنا۔ مثلاً جہاد اور رفاہ عام کے اہم مواقع پر "زکوٰۃ" "عشر" اور "خراج" کے علاوہ ارباب دولت و ثروت سے حسب تقاضا حقوق اجتماعی وصول کرنا۔

**دولت و سرمایہ پر زکوٰۃ کے علاوہ حقوقِ واجبہ کا مطالبہ**

اس مقام پر یہ بحث بھی خاص اہمیت رکھتی ہے کہ زکوٰۃ، عشر اور خراج کے علاوہ بھی کیا مال پر مزید حقوقِ واجبہ ہیں؟ بعض علماء نے اس کا جواب نفی میں دیا ہے مگر یہ ان کے قلتِ فکر و تدبر کا نتیجہ ہے۔ اس لئے علماءِ محققین کا مسلک یہ ہے کہ بلاشبہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال پر حقوقِ واجبہ ہیں اور ان کا وجوب اس حد تک اہمیت پذیر ہے کہ اگر کوئی شخص ان حقوقِ واجبہ سے گریز کا ارادہ کرے تو بلا تامل امام اس کو اداءِ حقوق پر مجبور کر سکتا ہے۔

مغرب (اندلس) کے مشہور محدث و فقیہ ابو محمد ابن حزمؒ نے —— کہ جن کو بعض علماء نے قرنِ خامس کا مجدد کہا ہے —— اس مسئلہ پر سیر حاصل کلام کیا ہے بلکہ نفقاتِ نوافل و فرائض پر بحث کرتے ہوئے مختصر الفاظ میں قرآن حکیم اور احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشنی میں اسلام کے معاشی نظام کا ایسا نقشہ پیش کیا ہے کہ موجودہ دور ترقی کے مقبول نظامہائے اقتصادی کے علمی دقیق مباحث سے قطع نظر ان کے عملی ثمرات و نتائج اور عملی پہلوؤں کے نقطہ ہائے نظر اس نقشہ سے بہتر معاشی حل پیش کرنے سے عاجز نظر آتے ہیں۔

ابنِ حزمؒ نے دو ورق میں جو کچھ لکھا ہے وہ اگرچہ اپنی تفصیل و تفسیر میں ضخیم جلدوں کا

Marfat.com

محتاج ہے۔ تاہم اس مقام پر شرح وبسط سے گریز کرتے ہوئے حرف بحرف اس کا ترجمہ پیش کردینا ہی کافی ہے کیونکہ اہلِ بصیرت اور دقیقہ رس حضرات کے لئے اس مختصر متن ہی میں "معاشی حل کے لئے" وہ سب کچھ موجود ہے جس کی آج دنیا کو سخت ضرورت ہے۔

ابنِ حزم اپنی شہرۂ آفاق کتاب المحلیٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔

(مسئالہ) قال ابو محمد وفرض علی الاغنیاء من اهل کل بلدان یقوموا بفقرائهم ویجبرهم السلطان علی ذلك، ان لم تقم الزکوات بهم ولا فی سائر اموال المسلمین بهم، فیقام لهم بما یاکلون من القوت الذی لابد منه ومن اللباس للشتاء والصیف بمثل ذلك وبمسکن یکنهم من المطر والصیف والشمس وعیون المارة۔

برهان ذلك قول الله تعالیٰ (وآت ذا القربی حقه والمسکین و ابن السبیل) وقال تعالیٰ (وبالوالدین احسانا وبذی القربی والیتامی والمساکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم) فاوجب تعالیٰ حق المساکین وابن السبیل وماملکت الیمین مع حق ذی القربی وافترض الاحسان الی الابوین وذی القربی والمساکین والجار وماملکت الیمین والاحسان تقتضی کل ماذکرنا ومنعه اساءة بلاشك۔

اور ہر ایک شہر کے ارباب دولت پر فرض ہے کہ وہ فقرا اور حاجتمندوں کی حاجت روائی کا سامان کریں اور (اگر نہ کریں تو) ان کو اس ادائیگی فرض پر خلیفہ اور امام مجبور کرسکتا ہے اگر زکوٰۃ اور فیٔ (اموال بیت المال) ان کی کفالت کے لئے کافی نہ ہوں۔

پس ایسی صورت میں ان کی ضروریات کی کفالت سے متعلق ازبس ضروری ہے کہ بقاءِ حیات کے لئے خورد ونوش، گرمی اور سردی کے موسموں کے مناسب لباس، رہنے سہنے کے لئے ایسے مکان کا انتظام ہر فرد کے لئے مہیا کیا جائے جو بارش، دھوپ،

Marfat.com

تپش اور سیلاب جیسے حوادث سے محفوظ رکھ سکے۔

اربابِ دولت پر اس فرض کے عائد ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ مبارک ہے "اور قرابت والوں کو اور مسکین اور مسافر کو ان کا حق دو" نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس کے لئے برہان ہے "اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور قرابت والوں، یتیموں، مسکینوں، قرابتی ہمسایوں، اجنبی پڑوسیوں، دوستوں، مسافروں اور غلاموں اور باندیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ"۔

پس یہ آیات ہیں جن سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دولتمندوں پر مساکین، مسافروں اور افرادِ ملکِ یمین کا حقِ واجب مقرر فرمایا ہے اور ساتھ ہی قرابت والوں کا حق بھی۔ اور والدین کے اور اہلِ قرابت، مساکین، ہمسایہ، اور افرادِ ملکِ یمین کے ساتھ حسنِ سلوک کو فرض کیا اور "احسان" کا اولین تقاضا ان حقوق کی ادائیگی ہے جن کو ہم نے ابھی خوراک لباس اور مکان کے سلسلہ میں بیان کیا ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ جو شخص ان حقوق کے ادائے فرض سے باز رہتا ہے وہ گناہ کا مرتکب ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (ماسلککم فی سقر؟ قالوا: لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین) (اہلِ جنت دریافت کریں گے) تم کو جہنم تک کس عمل نے پہنچایا تو جہنمی کہیں گے اس بات نے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مسکین اور حاجتمند کی ضروریاتِ خورد ونوش کو پورا نہیں کرتے تھے"۔

پس اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مسکین کے خورد ونوش کی کفالت کو نماز کی وصیت کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ غایتِ صحت بہت سے طریقہ ہائے روایت سے یہ منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: من لا یرحم الناس لا یرحمہ اللہ۔ جو شخص انسانوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا۔

میں کہتا ہوں کہ جو شخص مالدار ہو اور وہ مسلمان بھائی کو بھوکا، ننگا دیکھے اور اس کی

Marfat.com

مدد نہ کرے تو ظاہر ہے کہ اس نے اس بھائی پر قطعاً رحم نہیں کیا اور یہ حدیث بہت پختہ ہے کیونکہ اس کو نافع بن جبیر بن مُطعم اور قیس بن ابی حازم اور ابوظبیان اور زید بن وہب نے حضرت جریر بن عبداللہ (جلیل القدر صحابی) سے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے[1]۔ اور زہری نے بھی اس مطلب کی حدیث ابوسلمہ سے عن ابی ہریرہ، عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے[2]۔

اور مجھ سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد نے بسلسلہ سند حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے "کہ اصحاب صفہ حاجتمند لوگ تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلسلہ میں یہ ارشاد فرمادیا تھا کہ جس شخص کے یہاں دو آدمیوں کا کھانا موجود ہو وہ (ان میں سے کسی کو) تیسرا بناکر شریک طعام کرے اور جس کے یہاں چار آدمیوں کا کھانا موجود ہو وہ پانچویں اور چھٹے کو شریک طعام کرے۔

پس ہم اسی ارشاد کے حرف بہ حرف قائل ہیں۔

اور بطریق لیث بن سعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث منقول ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "والمسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ" ایک مسلمان، دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اس لئے چاہیئے کہ نہ مسلمان، مسلمان پر ظلم کرے، اور نہ اس کو بے مددگار چھوڑ دے۔

ابو محمد (ابن حزم) کہتا ہے کہ اگر ایک شخص ننگا بھوکا ہے اور دوسرا شخص اس کو کھلانے پہنانے پر قادر ہے اور پھر اسی حالت میں اس کو چھوڑتا ہے تو بلاشبہ اس نے حدیث کے فرمان "لا یسلمہ" کی خلاف ورزی کی اور اس کو بے مدد چھوڑ دیا۔

مجھ سے عبداللہ بن یوسف نے بہ سلسلۂ سند حضرت ابوسعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "من کان معہ فضلُ ظہرٍ

[1] مسلم [2] بخاری "من لا یرحم لا یرحم"۔

فلیعد بہ علیٰ من لا ظہر لہ، ومن کان لہ فضل من زاد فلیعد بہ علی من لا زاد لہ

قال، فذکر من اصناف المال ماذکر حتی رأینا انہ لاحق لاحد منا فی فضل

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس کے پاس ضرورت سے فاضل سواری ہو اس کو چاہئے کہ جس کے پاس سواری نہیں ہے اس کو دیدے جس کے پاس سواری ہے اور جس شخص کے پاس اپنی اصل حاجت سے زاید (زاد) خورد نوش وغیرہ کا سامان ہو اس کو چاہئے کہ زاید اس شخص کو دیدے جس کے پاس سامان خورد نوش نہیں ہے۔ حضرت ابو سعید فرماتے ہیں کہ آپ مختلف اقسامِ اموال کو شمار کرکے اسی طرح فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ سمجھ لیا کہ حاجت سے زاید مال پر ہمارا اپنا کوئی حق نہیں ہے (بلکہ وہ جماعت کے ان دوسرے افراد کا حق ہے جو اس کے محتاج ہیں)۔

میں کہتا ہوں کہ یہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا اجماع ہے جس کی اطلاع حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ دے رہے ہیں اور اس حدیث میں جو حکم ہے ہم اس کے حرف بحرف قائل ہیں۔

اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی سند سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے

"اطعموا الجائع وفکوا العانی"[1] بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور قیدی کو رہائی دلاؤ۔"

غرض نصوصِ قرآنی اور احادیثِ صحیحہ اس بارہ میں بکثرت موجود ہیں۔

اور عبد الرحمٰن بن مہدی کے سلسلۂ سند سے ہم کو یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول اموال الاغنیاء فقسمتہا علیٰ فقراء المہاجرین۔ جو بات مجھ کو بعد میں معلوم ہوئی اگر پہلے سے معلوم ہوتی تو دولتمندوں کی فاضل دولت کو ان سے لیکر فقراءِ مہاجرین پر تقسیم کر دیتا"

اور اس روایت کی سند اپنی صحت اور وقعت کے لحاظ سے بہت رفیع المرتبہ ہے" وھذا اسناد فی غایۃ الصحۃ والجلالۃ"

---

[1] بخاری۔

Marfat.com

اور سعید بن منصور کے سلسلۂ سند سے مجھ کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی یہ روایت پہنچی ہے کہ وہ فرماتے تھے " ان الله تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اموالھم بقدر ما یکفی فقراءھم فان جاعوا او عروا وجھدوا فیمنع الاغنیاء وحق علی الله تعالیٰ ان یحاسبھم یوم القیمۃ ویعذبھم علیہ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ دولت وثروت پر اس قدر مال کی ادائیگی کو فرض قرار دیا ہے جو ان کے فقرا اور حاجتمندوں کی حاجت کی کفالت کرسکے۔ پس اگر لوگ بھوکے اور ننگے اور تکالیف وشدائد میں مبتلا رہیں تو اس کی وجہ یہی ہوگی کہ اصحابِ دولت نے اپنا فرض ادا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ قیامت میں ان سے اس عدم ادائیگی فرض پر محاسبہ اور عذاب میں مبتلا کرے "۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے " فی مالک حق سوی الزکوۃ۔ تیرے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں "۔

اور حضرت عائشہ ام المومنین، حسن بن علی، ابن عمر (رضی اللہ عنہم) سے جب کوئی اس سلسلہ میں سوال کرتا تو فرماتے " ان کنت تسأل فی دم موجع، او غرم مفظع او فقر مدقع فقد وجب حقک۔ اگر تو اس حالت میں سوال کرے کہ دردناک خون کا معاملہ ہے یا ناقابلِ برداشت تاوان کا اور یا مہلک فقر وفاقہ کا معاملہ ہے تو اصحاب دولت پر تیرا حق واجب اور فرض ہوگیا (جس کی ادا ان کے ذمہ لازم ہے)۔

اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور ان کے رفقا تین سو صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے یہ بات صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ " ان زادھم فنی فامرھم ابوعبیدۃ فجمعوا ازوادھم فی مزودین وجعل یقوتھم ایاھا علی السواء۔ جب مجاہدین کی اس جماعت کے پاس کھانے پینے کا سامان قریب بہ ختم ہوگیا تب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جس کے پاس جس قدر سامان خورد ونوش باقی ہے وہ میرے پاس لائے اور جب سب جمع ہوگیا تو بغیر لحاظ کمی و بیشی اس کو سب پر یکساں تقسیم کردیا (یعنی جن حضرات کے پاس بالکل نہیں رہا تھا اور جس کے

Marfat.com

پاس کم تھا اور جن کے پاس قدرے زائد تھا ان سب کے درمیان مساوی تقسیم فرما دیا)

پس یہ جلیل القدر صحابہ کا اجماع ہے جس کے خلاف ایک رائے بھی نہیں ہے۔

اور مشہور تابعین شعبیؒ، مجاہدؒ، طاؤسؒ وغیرہ سے منقول ہے کہ وہ باتفاق اس کے قائل تھے کہ "فی المال حق سوء الزکوٰۃ" کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق مفروض ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ان حضرات اہل علم میں سے میں نے ضحاک بن مزاحم کے علاوہ کسی کو اس کا مخالف نہیں پایا کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی اور حقوقِ مال میں جو فرض و وجوب کا درجہ رکھتے ہیں البتہ تنہا ضحاک یہ کہتے ہیں کہ فرضیتِ زکوٰۃ نے مال سے باقی حقوقِ واجبہ کو منسوخ کر دیا۔ اور ضحاک کی رائے تو کیا حجت ہوتی ان کی روایت بھی حجت نہیں ہے اس لئے کہ اس دلیل کے قائل ضحاک خود دلیل کے خلاف اپنا مسلک رکھتے ہیں اور فرضیتِ زکوٰۃ کے علاوہ اس کے قائل ہیں کہ مالدار کے مال میں غریب والدین کا نفقہ، زوجہ کا نفقہ، غلام کا نفقہ، پالتو حیوان کی خورد نوش، اور قرض دینا وان کی ادا، یہ سب حقوق و فرائض ہیں اس لئے ان کی روایت اور رائے دونوں میں تناقض و تضاد پایا جاتا ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ ابن ابی شیبہ کے سلسلۂ سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے تم یہ نقل کرتے ہو کہ انھوں نے فرمایا ہے "من ادّی زکوۃ مالہ فلیس علیہ جناح ان لا یتصدق۔ جس شخص نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو اب اس پر گناہ نہیں ہے اگر وہ صدقہ وخیرات نہ کرے" اور اسی طرح تم نے بطریقِ حَکَم حضرت ابنِ عباس (رضی اللہ عنہما) سے یہ روایت کیا ہے کہ "واٰتوا حقہ یوم حصادہ" کا حکم عشر اور نصف عشر کے حکم سے منسوخ ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری روایت جس کو مقسم نے روایت کیا ہے ساقط الاعتبار اور ضعیف ہے اور اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی ہمارے خلاف نہیں ہے (کیونکہ آیت میں حقِ واجب کا ذکر نہیں ہے نفل کا تذکرہ ہے) اور پہلی روایت جس کو عکرمہ نے روایت کیا ہے اس کا مطلب تو صاف طور پر یہ ہے کہ اس شخص پر مستحب و نفل صدقہ وخیرات لازم

نہیں ہے لیکن نادار کی کفالت کا حق تو حقِ واجب اور اس کے ذمہ قرض ہے صدقہ نافلہ نہیں ہے۔

اور پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ یہ علماء کہتے ہیں جو شخص پیاسا ہو اور پیاس کی وجہ سے موت کا ڈر ہو تو اس پر فرض ہے کہ جس جگہ اور جس طرح سے مل سکے پانی حاصل کرلے اگرچہ اس جدوجہد میں قتال کی نوبت ہی کیوں نہ آجائے تو اب فرمائیے کہ یہ فرق کس طرح درست ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کو موت سے بچنے کے لئے پیاس بجھانے پر قتال تک کی اجازت دی جائے اور اسی شخص کو بھوک یا عریانی سے پیدا شدہ موت کے خوف سے بچنے کے لئے قتال کی ممانعت کردی جائے۔ یہ بات تو اجماع کے خلاف، قرآن، سنت اور قیاس سب ہی کے خلاف ہے (اور اگر قتال کی اجازت دی جائے گی تو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ دراصل اصحاب مال کے مال پر یہ حق واجب تھا جس کو حاجتمند شخص زبردستی حاصل کرنے کا مجاز ہے)۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس مثلاً اپنی حاجتِ اصلیہ سے زاید خورد نوش کا سامان موجود ہے اور دوسرا شخص بھوک سے اس درجہ مضطرب ہے کہ موت طاری ہوجانے کا اندیشہ ہے تو اس مضطر کو مردار یا خنزیر کھانا جائز نہیں ہے بلکہ اس کا حق ہے کہ زبردستی اس پر قبضہ کرکے بقدرِ حاجت استعمال کرے خواہ وہ مال مسلمان کا ہو یا ذمی (غیر مسلم معاہد) کا اور یہ اس لئے کہ صاحبِ طعام پر فرض ہے کہ وہ بھوکے کو کھانا کھلائے لہٰذا ایسی صورت میں اس حاجتمند کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ خنزیر یا مردار کھانے پر مضطر ہوچکا ہے۔

بہرحال حاجتمند کے لئے درست ہے کہ وہ اس مالدار سے لڑکر زبردستی ضرورت کی مقدار مال پر قبضہ کرلے پس اگر اس نے قبضہ میں کرلیا تو سرمایہ دار مارنے والے پر قصاص آئے گا اور اگر سرمایہ دار اس آویزش سے مارا گیا تو "الی لعنۃ اللہ" اللہ تعالیٰ کی پھٹکار کو پہنچا اس لئے کہ اس نے اس حق کو ادا کرنے سے انکار کیا جو اس کے ذمہ فرض تھا اور اس صورت میں اس مالدار شخص کا حکم "طائفہ باغیہ" کا حکم ہے چنانچہ ان کے متعلق

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ "اور اگر مسلمانوں میں سے ایک فریق دوسرے فریق پر بغاوت کرے تو باغی فریق سے اس وقت تک جنگ کرتے رہو کہ وہ خدا کے حکم کی دفا پر آجائے" اور ظاہر ہے کہ صاحب حق کے مقابلہ میں حق و فرض کا منکر باغی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے مقابلہ میں جہاد کیا۔ وباللہ التوفیق۔[1]

محلی کی اس عبارت کا بغور مطالعہ کیجئے اور پھر فیصلہ فرمائیے کہ اجتماعی نظام اقتصادی کی فلاح و سعادت کے لئے اسلام نے جن بنیادی حقوق کا اعلان کیا ہے اور نظام عمل میں جس طرح اس کی تشکیل کی ہے عام بدحالی کے انسداد طبقاتی جنگ کے سدباب اور رفاہیتِ عام کے قیام کے لئے اس سے بہتر حل اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور رفاہیتِ عمومی کے مدعی نظامہائے معاشی فلسفیانہ دلائل و نظریات کی روشنی میں جو حل تجویز کیا ہے اسلام کا معاشی نظام کیا اس پر اس لئے برتری نہیں رکھتا کہ اس کے پیش کردہ حل میں نہ طبقاتی جنگ کے وجود پذیر ہونے کا اندیشہ ہے اور نہ دولت و غربت کے درمیان موجودہ تصادم کی صورت منصۂ شہود پر آسکتی ہے۔

**قانون وراثت** | مذموم سرمایہ داری اور "اکتناز" کی ایک بدترین شکل یہ ہے کہ دولت ایک جگہ جمع ہوتی رہے اور مرنے کے بعد بھی وہ ورثاء میں تقسیم نہ ہو بلکہ "اسٹیٹ" کی شکل میں ایک ہی جگہ محفوظ رہے۔ موجودہ زمانہ کے تعلقے اور ریاستیں اگر ورثاء میں تقسیم ہوتی رہتیں تو آج ایک تعلقہ بھی تعلقہ اور ایک ریاست بھی ریاست نظر نہ آتی بلکہ تقسیم ہو ہو کر دولت کے یہ خزانے ہزاروں، لاکھوں، بلکہ کروڑوں انسانوں کے درمیان چلتی پھرتی چھاؤں کی طرح نظر آتے۔

"اسٹیٹ"[2] اور تعلقہ کا یہ مذموم طریقہ جو سرمایہ داری کی اصل جڑ ہے اسلام سے پہلے بھی دوسری

---

[1] محلی ج ۶ ص ۱۵۶ تا ۱۵۹۔ [2] اس جگہ اسیٹ سے مراد خلافت (حکومت) نہیں ہے بلکہ تعلقہ داری یا زمینداری کی وہ سب سے اونچی شکل مراد ہے جو باختیار حکومت کے ماتحت صرف اس لئے قائم ہے کہ اس کا رئیس بے روک ٹوک عیش پسند زندگی بسر کرے، رعایا کی جان و مال کو اپنی ملکیت سمجھے اور اپنی ہر قسم کی مادی طاقت کو بالاطاقت کے لئے آلہ کار بنانے میں مجبور و مقہور ہو اور مرنے کے بعد اسلامی وراثت کے خلاف کسی ایک فرد خاندان کو تمام دولت کا مالک بنانے پر حکومت بالادست کے قانون یا خود ساختہ قانون کی رو سے مجبور ہو۔

Marfat.com

قوموں میں رائج تھا اور آج بھی دنیا کے اکثر حصوں میں رائج ہے۔

اس لئے اسلام کے انقلابی پیغام نے دوسری اصلاحات کے ساتھ ساتھ اس میں بھی اصلاح کا فیصلہ کیا اور اس قدیم طریقہ کو اقتصادی تباہی کا پیش خیمہ بتایا اور اس کو مٹا کر اس کی جگہ "قانونِ وراثت" کو قائم کیا۔

اسلام نے جب اس سسٹم کا اعلان کیا تو سرمایہ دارانہ ذہنیت رکھنے والی قوموں نے اس کے خلاف یہ نعرہ بلند کیا کہ اگر "اسٹیٹ" یا تعلقہ میں تقسیمِ وراثت کا یہ نظام جاری کر دیا جائے تو اس سے دولت و ثروت کا خاتمہ ہو جائے گا اور تھوڑے ہی عرصہ میں بڑی بڑی جائدادیں تقسیم ہو کر چند کھیتوں کی صورت میں باقی رہ جائیں گی۔

اس وقت اگر ان سے یہ کہا جاتا تھا کہ اسلام کی تو منشا ہی یہ ہے کہ سرمایہ داری کا یہ نظام اس صورت میں باقی نہ رہے اور دولت تقسیم ہونے کے بجائے "کنز" بن کر مخصوص طبقہ میں محدود نہ ہو جائے تو دنیا کے لئے عجیب حیرت زا یا مضحکہ خیز معاملہ بن جاتا اور اس کو ظلم سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ لیکن زمانہ آیا کہ تقسیمِ دولت کے اس قانون کو رحمت سمجھا جانے لگا اور غیر مسلم اقوام نے بھی اس کو قانونی حیثیت دینے کی سعی شروع کر دی۔ اور اب عقل و نقل دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ "دولت" تقسیم کے لئے ہے "جمع" کے لئے نہیں۔

بہر حال اسلام نے تمام اقوام کے ترقی پذیر اقتصادی نظریوں سے صدیوں پیشتر اس سرمایہ دارانہ مذموم سسٹم کے خلاف اعلانِ جہاد کیا اور قانونِ وراثت کے ذریعہ تقسیمِ دولت کی راہ کھولدی۔

| | |
|---|---|
| لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ | مردوں کا اس (مال) میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ دار |
| وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا | چھوڑیں اور عورتوں کا بھی اس (مال) میں حصہ ہے |
| تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ | جو والدین اور رشتہ دار چھوڑیں تھوڑا ہو یا بہت |
| مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (نساء) | اس میں (خدا کا) مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔ |
| آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ | تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے (ان کے متعلق) تم |

Marfat.com

| | |
|---|---|
| أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً | نہیں جانتے کہ تمہارے لئے ان میں سے کون نفع پہنچانے |
| مِنَ اللهِ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيمًا | کے زیادہ قریب ہے یہ اللہ کا مقرر کیا ہوا ہے بیشک |
| حَكِيمًا ۔ (نساء) | اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ |
| عن ابن عباس رضی اللہ عنہما | حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ |
| عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ |
| اقسموا المال بین اہل الفرائض | کی کتاب (قرآن) کے مطابق اپنا مال ان لوگوں میں |
| علی کتاب اللہ (رواہ ابو مسلم وابوداؤد) | تقسیم کرو جن کا حق مقرر کر دیا گیا ہے۔ |

اسلامی قانونِ وراثت میں "تقسیمِ دولت" کا جو طریقہ ہے وہ ایسا معتدل اور مدبرانہ ہے کہ اگر صحیح طور پر اس کو اختیار کیا جائے اور سوسائٹی میں اس کا رواج عام ہو جائے تو نہ اس سے سرمایہ دارانہ دولت پیدا ہونے کا امکان باقی رہتا ہے کہ جس سے تعلقہ اور اسٹیٹ بنتے ہیں اور نہ افراد و اشخاص کے درمیان افلاس و فاقہ مستی کو فروغ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا نظام ہے جس سے دولت کے سامان ہر وقت گردش میں رہتے اور ایک کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے کے ہاتھ میں پہنچتے رہنے کی وجہ سے کم و بیش ہر ایک فرد کو فائدہ بخشتے رہتے ہیں۔

مفکرِ اسلام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر نہایت مفصل اور لطیف مقالہ حجۃ اللہ البالغہ میں "الفرائض" کے عنوان سے لکھا ہے جو قابلِ مراجعت ہے۔ اس مقالہ کی تمہید کے چند جملوں کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

غور کرو۔ بلاشبہ عقل و حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان یہ "طریقہ" لازمی اور ضروری ہونا چاہئے کہ اہلِ قبیلہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور دردمندی و بہی خواہی کا ثبوت دیں اور ایک دوسرے کے نفع و نقصان کو اپنا ذاتی نفع و نقصان سمجھیں اور یہ بات ایسی خلقت اور جبلت کے بغیر ناممکن ہے جس کی پشت پر اس کو مضبوط بنانے کے لئے خارجی اسباب اور اس کو محفوظ رکھنے کے لئے سنتِ متوارثہ موجود ہو۔

Marfat.com

یہاں جبلّت تو اس تعلق کا نام ہے جو باپ اور بیٹے یا مثلاً بھائی بھائی کے درمیان موجود ہے اور اسی طرح دو یا چند عزیزوں کے درمیان ہوا کرتا ہے۔

اور اسباب خارجی، باہمی الفت و مودت، رہنمائی، غمگساری اور ہمدردی وغیرہ کا نام ہے کیونکہ یہ امور آپس میں محبت اور باہمی مودت کی تخلیق کرتے اور مصائب و آلام میں ایک دوسرے کی اعانت و بصیرت کے لئے ہموار بناتے ہیں۔

اور سنت، ان امور کو کہتے ہیں جن کو شریعت کی زبان، لوگوں میں رشتۂ اخوت پیدا کرنے کے لئے ضروری قرار دیتی اور اس کے نہ کرنے پر قابلِ ملامت ٹھیراتی ہے۔ مثلاً وہ حکم دیتی ہے کہ صلہ رحمی ضروری اور فرض ہے اور ایسا نہ کرنے والا آثم اور گنہگار ہے مگر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض انسانی طبائع برے خیالات اور بیہودہ افکار کے پیچھے لگی رہتی اور صلۂ رحم جیسے عمدہ اوصاف کے خلاف بغاوت کرتی ہیں اور بہت سے غیر ضروری کام کرنے پر آمادہ رہتی ہیں۔

تو ایسی حالت میں اس بات کی ضرورت ہوئی کہ اس قسم کے (اخلاقی) امور کو ضروری قرار دیا جائے اور لوگوں کے قبول و انکار سے بالاتر ہو کر ان پر لازم کر دیا جائے، مثلاً عیادتِ مریض، مصیبت زدہ (مقروض اسیر وغیرہ) کی گلو خاصی، دیت (اقربا پر پڑے ہوئے تاوان کی ادائیگی) اپنے ذی رحم محرم کو غلامی سے نجات دلانا وغیرہ اور اس قسم کی معاونت و نصرت کا سب سے زیادہ استحقاق اس وقت ہو جاتا ہے جب انسان موت کے کنارے کھڑا ہو اور مال سے بے پرواہ ہو جائے۔ اس لئے کہ ایسے وقت میں اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مال کو یا اپنی ذاتی معاشرتی اور منزلی مفید کاموں پر زیادہ سے زیادہ صرف کرے اور یا پھر اپنی موت کے بعد اپنے اقربا کے لئے چھوڑ جائے اور اس طرح ان کی اعانت و مدد کرے بہرحال تقسیم دولت کا یہ ایک بہترین طریقہ ہے۔ [۵]

---

[۵] حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۱۱۷۔

لیکن اسلام کے اس عادلانہ قانون کے خلاف خود مسلمانوں کی کیا روش ہے اگر اس کا مشاہدہ
کرنا ہو تو مسلم تعلقہ داروں اور ریاست کے نوابوں کے اس مظاہرہ کو دیکھئے جب کہ وہ عدالتوں میں
کھڑے ہو کر بے محابا اس کا مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم کو قرآنِ عزیز کے بتائے ہوئے قانونِ وراثت کی
ضرورت نہیں ہے، ہم تو اپنے املاک کے فیصلے رسم و رواج کے اصول پر کرانا چاہتے ہیں یعنی انگریزوں
کے بنائے ہوئے قوانین تحفظِ ریاست اور ہندوؤں کے قانونِ "عدم توریثِ ریاست" کو مانتے ہیں ا
"العیاذ باللہ" اسلام کے قانونِ توریثِ وراثت کو تسلیم کرنے سے بیزار ہیں۔

پنجاب، بمبئی، گجرات اور مختلف صوبوں کی ان عدالتی شہادتوں کے ریکارڈ کا اگر مطالعہ
کیجئے گا جن میں مذکورہ بالا مطالبہ موجود ہے تو بے اختیار کہنا پڑے گا کہ

تُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَ (اے یہود!) کیا کتاب اللہ کے بعض حصوں
تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔ (بقرہ) پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو

کا مظاہرہ اس سے بڑھ کر ناممکن ہے۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً اے ایمان والو اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ
وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ (بقرہ) اور شیطان کے قدموں پر چلنے کی سعی نہ کرو۔

انفرادی ملکیت کے بعض اور اہم جزئیات بھی ہیں جو اقتصادی نظام میں قابلِ غور ہیں مگر ہمارا
مقصد تمام جزئیات کا احاطہ نہیں ہے بلکہ خاکہ پیش کرنا ہے اس لئے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

اب آپ اندازہ لگائیے کہ اسلام نے ایک جانب تو انفرادی ملکیت کو تسلیم کیا اور دوسری جانب
اس میں ایسی شرائط اور حدود لگا دیں کہ کسی وقت بھی یہ انفرادی ملکیت اجتماعی معیشت کے لئے باعث
تباہی و بربادی نہ ہو سکے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہدیجئے کہ اس نے فطری اور نیچرل تفاوتِ مالی کو انسانوں میں تسلیم
تو کیا ہے مگر سرمایہ داری کی اس زندگی کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کیا جو سرمایہ کو مخصوص ذ
یا گروہ میں جمع کر کے باقی عام مخلوقِ خدا کی اقتصادی تباہی کا باعث بنتی اور انسانوں کو انسانو

Marfat.com

آقائی اور خداوندی کا حق دیتی ہے۔

وہ یہ تو جائز رکھتا ہے کہ آمدنی اور ذرائع آمدنی کے مختلف شعبوں میں اشخاص و افراد کو حقِ ملکیت حاصل ہو جائے، لیکن اس کو حرام قرار دیتا ہے کہ کوئی بھی انفرادیت کا شعبہ اجتماعی بدحالی کا سبب بن سکے، گویا وہ انسانوں کے لئے قدرِ مشترک کے طور پر ایک عادلانہ زندگی کا خواہاں ہے، نہ افراط کی راہ اس کو پسند ہے کہ سرمایہ داری فروغ پا جائے اور نہ تفریط کا راستہ اس کو بھاتا ہے کہ افراد کی ذاتی آمدنی و ذرائع پر بالکل ہی قفل ڈال دیئے جائیں۔

یا یہ کہہ دیجئے کہ اسلام اس فطری نظام کا حامی ہے جو نہ ایسی مساوات تسلیم کرتا ہے جس میں تمام انسان بغیر کسی فرق کے اپنی معاشی زندگی میں بالکل مساوی ہوں اور ان کے درمیان مالی درجات کا ادنیٰ سا بھی تفاوت نہ پایا جاتا ہو، اور نہ ایسے ظالمانہ تفاوت کا قائل ہے جس میں غربت و امارت کا امتیاز اس طرح قائم ہو جائے کہ غریب نانِ شبینہ کو محتاج رہے اور امیر دولتِ قارون کا مالک بن جائے

Marfat.com

# حصۂ دوم کے شعبے

اسلام کے معاشی نظام میں حکومت پر براہ راست جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کا ذکر صفحاتِ گذشتہ میں تفصیل کے ساتھ ہو چکا ہے۔ اب مختصر طور پر بعض ان ذمہ داریوں کا تذکرہ بھی کر دینا مناسب ہے جو نظامِ اسلامی میں قانون کی حیثیت نہیں رکھتیں بلکہ ترغیب و تلقین اور اخلاقی خطابت کے ذریعہ پبلک کو ان کی جانب توجہ دلائی جاتی اور یہ ذہنیت پیدا کرنے کی سعی کی جاتی ہے کہ افرادِ ملت میں سے ہر فرد کی زندگی جس طرح انفرادیت رکھتی ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اس میں اجتماعیت کا فرد ہونے کی ذمہ داری عائد ہے اس لئے اس کو زندگی کے کسی ایک لمحہ میں بھی اپنی انفرادیت میں اس طرح گم نہ ہو جانا چاہیے کہ اجتماعیت کا فرد ہونے کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں اس پر عائد ہیں وہ نظرِ تغافل ہو جائیں۔ اور اس کی تمام مالی جدوجہد اور اس کی کامرانی جماعت کے افراد کی مالی ترقی کے لئے مفید و نافع ثابت ہو اور ضیق اور تنگی کا باعث نہ بنے۔

قرآنِ عزیز نے اسی حقیقت کو اپنے خاص انداز میں "انفاق فی سبیل اللہ" کا نام بخشا ہے۔

وانفقوا فی سبیل اللہ — اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

افرادِ ملت کے وہ تمام طریقے جن سے ایک دوسرے کو کسی نہ کسی طرح مالی مدد مل سکتی ہے "انفاق" کی حدود میں شامل ہیں چنانچہ یہ انفاق واجب بھی ہے جیسا کہ گذر چکا اور نفل (حقِ فاضل) بھی ہے جو اس جگہ زیرِ بحث ہے، انفاق کی اس دوسری قسم میں ایک حاجتمند کی حاجت روائی کے لئے مالی عطا بھی انفاق کی ایک شکل ہے اور مالک بنائے بغیر منفعت کے خیال سے بے پرواہ اور یکسو ہو کر مالی مدد کرنا بھی انفاق ہی کے شعبہ میں داخل ہے۔

چنانچہ صدقاتِ نافلہ، وقف، وصیت اور ہبہ حقِ فاضل کی پہلی شکل کی جزئیات میں

Marfat.com

شمار ہیں اور قرضِ حسنہ، عاریت اور امانت انفاق کی دوسری صورت سے تعلق رکھتی ہیں علم الاخلاق میں اس قسم کی اعانت و امداد کو "ایثار" اور "قربانی" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

**صدقاتِ نافلہ** | اسلام کے معاشی نظام میں "انفرادی صدقات" کو بھی اہمیت حاصل ہے اور زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کے علاوہ بھی اسلام نے حاجتمندوں کی وقتی حاجت کے انسداد کے لئے انفرادی عطایا کو "عملِ خیر" کہہ کر ترغیب دی ہے اور دنیا و آخرت کے اجر و ثواب کو نعم البدل بتا کر قرآنِ عزیز اور احادیث نے اس کے متعلق جگہ جگہ برانگیختہ اور آمادہ کیا ہے، اور چونکہ اس کا تعلق انفرادی عطا سے ہے اور یہ اخلاقِ حسنہ اور اعمالِ فاضلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس لئے اس میں دو اخلاقی خطرات کے پیش آجانے کا اندیشہ تھا، ایک یہ کہ معطی اپنے دیئے کا احسان جتائے اور حاجتمند کو نادم اور شرمسار کر کے اس کو اذیت پہنچائے۔ دوسرے یہ کہ اس کا یہ انفاق رضاءِ الٰہی اور غرباء کی حاجت روائی کے لئے نہ ہو بلکہ دکھاوے اور نمائش کے لئے ہو۔ چنانچہ ان دونوں کے انسداد کے لئے "نفسِ امارہ کی زجر و توبیخ اور انانیت و خودی پر تہدید کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم | اے ایمان والو! اپنے صدقات و خیرات کو احسان جتا کر |
| بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ | اور ایذا دے کر ضائع مت کرو اس شخص کی طرح جو اپنا |
| رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ | مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر |
| بِالْيَوْمِ الْآخِرِ (الآیہ) (بقرہ) | یقین رکھتا ہے اور نہ آخرت کے دن پر۔ |

**اوقاف** | انفاق فی سبیل اللہ کے اخلاقی وسائل میں سے ایک بہترین وسیلہ "وقف" بھی ہے اس لئے اسلام کے معاشی نظام نے اس کے اجراء اور توسیع کے لئے بہت زیادہ ترغیب دی ہے۔ اور صحابہؓ نے اس کا عملی مظاہرہ کر کے اس کو مستحکم اور مضبوط بنا دیا ہے۔

اربابِ ثروت کی شبانہ روز زندگی کا یہ نقشہ ہمارے سامنے ہے کہ ایک شخص اپنی پیدا کی ہوئی یا دوسرے جائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی دولت کو اگرچہ اپنی ضروریات سے فاضل سمجھتا ہے پھر بھی دولت کی محبت اور سرمایہ کی فراہمی کا عشق اکثر و بیشتر اس کو حاجتمندوں کی اعانت اور

Marfat.com

جماعت کے غریب افراد کی امداد کی جانب کسی طرح متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ لیکن جب اس کا آخری وقت آتا ہے اور وہ موت کے فولادی پنجہ کی گرفت میں آکر مغلوب ہوجاتا ہے تو باحسرت ویاس اس دولت سے منہ موڑنے پر مجبور ہوتا ہے۔

مگر اس صبح وشام پیش آنے والے منظر کے باوجود دولت میں سرشار دولتمندوں کو وقت سے پہلے اس کا تصور بھی نہیں آتا اور یتامیٰ، بیوگان، اور دوسرے حاجتمندوں کی فریادیں اس کی ہوس کے مستحکم قلعوں کی دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر موت کے گھاٹ اتر جاتی ہیں۔ اس لئے اسلام اہلِ ثروت کے اجتماعی حقوق سے تغافل کو دور کرنے اور جذباتِ عالیہ اور اخلاقِ حسنہ کی روح پیدا کرنے کے لئے توجہ دلاتا ہے کہ اہلِ ثروت کی فاضل دولت کو کارِ خیر میں صرف کرنے اور اجتماعی حیات کو فروغ دینے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان، موت کے فولادی پنجہ کی گرفت میں آنے سے قبل بحالتِ صحت وتندرستی اور بقائے ہوش وحواس اپنی دولت کا ایک حصہ "صدقۂ جاریہ" کردے اسی کا نام "وقف" ہے۔

چنانچہ قرآنِ عزیز میں اس قسم کے انفاق اور جماعتی افادیت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ | تم ہرگز خیر اور بھلائی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک (خدا کی راہ میں) اس چیز کو خرچ نہ کرو جو تمہارے لئے |
| (آل عمران) | سب سے پیاری اور محبوب ہے۔ |

اور داعیِ انقلاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قانون کی تشریح اس طرح فرمائی ہے۔

| | |
|---|---|
| عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الا من ثلثۃ صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعوا لہ۔ (مسلم وغیرہ) | حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے تمام عمل ختم ہوجاتے ہیں مگر تین مستثنیٰ ہیں ایک "صدقہ جاریہ" دوسرا "علم نافع" تیسرا "نیک ولد" جو اس کے لئے ہر وقت دعا گو رہے۔ |

Marfat.com

"صدقہ جاریہ" کی جس قدر جزئیات علماء اسلام نے شمار کرائی ہیں ان سب میں "وقف" اعلیٰ اور اہم ہے اسی لئے اہل خیر صحابہؓ نے اس ترغیب پر لبیک کہا اور اپنی ملکیت کو وقف کر کے خدا کی ملک بنایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے انصاریوں میں سب سے زیادہ مالدار تھے اور ان کا سب سے زیادہ محبوب مال بیرحا تھا (یعنی کھجوروں کا باغ) جو مسجدِ نبوی کے قریب اور سامنے تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے جاتے اور وہاں کا شیریں پانی پیتے پھر جب یہ آیت نازل ہوئی لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون تو حضرت ابوطلحہؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں یہ فرماتا ہے اور میں اپنے مال میں سب سے زیادہ محبوب بیرحا کو سمجھتا ہوں اور آج سے یہ اللہ کے نام صدقہ (وقف) ہے، میں خدائے تعالیٰ کے اجر اور اس کے ذخیرۂ خیر کا طالب ہوں۔ اب آپ مختار ہیں جس طرح چاہیں اس میں تصرف فرمائیں[1]۔ چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کے اقربا و اعزا میں اس کی آمدنی کو وقف کر دیا۔

اسی طرح حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ارضِ خیبر کی "جاگیر" کو جو ان کے حصہ میں آئی تھی اللہ کے نام پر وقف کر دیا تھا۔

پس حضرت عمرؓ نے اس کو صدقہ (وقف) کر دیا اس شرط کے ساتھ کہ اس زمین کو نہ خرید و فروخت کیا جائے نہ وراثت اس میں جاری ہو اور نہ ہبہ کیا جائے اور حضرت عمرؓ نے اس کو فقراء، اقرباء، غلاموں کی آزادی، کارہائے خیر، اور مسافروں اور مہمانوں کے لئے وقف کر دیا اور یہ بھی تصریح کر دی کہ جو اس کا متولی ہو وہ اس سے مناسب طور پر اپنا روزینہ لے سکتا ہے اور ذخیرہ کئے بغیر اپنے دوست کو بھی مناسب طریق پر کھلا سکتا ہے[2]۔

وقف کی صحیح تعریف یہی ہے جو حضرت عمر بن الخطابؓ کے واقعہ میں مذکور ہے یعنی جو جائداد

[1] و [2] بخاری، مسلم، ترمذی۔

Marfat.com

یا کوئی شے خدا کے نام پر وقف ہو اس کی آمدنی فقرا، مساکین، مسافر، قرضخواہ، ذوی القربیٰ، یتامیٰ پر صرف کی جائے اور اس کو نہ کوئی فروخت کر سکتا ہے نہ ہبہ کر سکتا ہے اور نہ وہ واقف کے ورثا میں تقسیم ہو سکتی ہے۔

وقف اگر جائداد اور اراضی کی شکل میں ہے تو وہ "خلیفہ" اور حاکم کے ان تصرفات اور مداخلت سے آزاد رہتا ہے جو مصالحِ وقف کے خلاف ہوں اس لئے نہ بغیر مصالحِ وقف کے اس میں تبدیلی درست ہے اور نہ اس پر کوئی ایسا عمل کیا جا سکتا ہے جو اس کی آمدنی اور ذرائعِ آمدنی میں کمی کا باعث ہو یا اس کو تباہ و برباد کرنے کا موجب ہو۔

وقف میں سب سے زیادہ یہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ واقف کی بیان کردہ جائز اغراض کو شریعت کے صاف اور صریح احکام کی طرح پورا کرنا ازبس ضروری ہے۔ البتہ عرفِ عام بعض اوقات کسی حکمِ عام میں تخصیص پیدا کر سکتا ہے۔

بہرحال لگان و مالگذاری کے طے شدہ مالیہ کے علاوہ وقف کی اصلاح و مصالح سے الگ اس پر مزید ٹیکس لگانے، اور باعث نقصان قیود عائد کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے، اس لئے کہ وہ کسی کی ذاتی جائداد (پروپرٹی) یا شخصی ملکیت نہیں رہتا بلکہ "رفاہِ عام" کا ایک قائم و دائم سرمایہ بن جاتا ہے۔[۱]

وقف کی دو قسمیں ہیں ایک وقف اہلی (وقف علی الاولاد) اور دوسری وقف خیری (وقف علی الخیر) وقف اہلی یعنی وقف علی الاولاد میں اولاد و اقربا کے نام بھی وقف ہوتا ہے اور ساتھ ہی امورِ خیر کے لئے بھی۔ اور وقفِ خیری میں صرف امورِ خیری کے لئے وقف کیا جاتا ہے۔ بہرحال وقف میں تابید شرط ہے۔[۲]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت ابو طلحہ کا وقف (وقفِ اہلی) میں شمار کیا گیا اور حضرت عمر بن الخطابؓ کا وقف، وقف علی الخیر کی قسم میں رکھا گیا۔[۳]

---

[۱] رد المختار ج ۳ کتاب الوقف۔ جامع الفصول ج ۲ ص ۱۰۷۔ [۲] یعنی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہو خاص وقت میں محدود نہ ہو۔ [۳] التاج الجامع الاصول ج ۲ ص ۲۷۳۔

Marfat.com

لیکن قانونِ وقف میں یہ سب اقسام بحیثیت وقف ایک ہی حکم رکھتی ہیں۔ البتہ وقف علی الاولاد میں آمدنیِ وقف جب افرادِ اہل میں تقسیم ہو جائے تو اس پر ٹیکس اور مزید محصولات کی وہ تمام قیود اور پابندیاں عائد کی جاسکتی ہیں جو ذاتی املاک رکھنے والوں پر عائد ہوتی ہیں۔

ہبہ | اجتماعی معاشی نظام میں ہبہ بھی ایک مفید طریق کار ہے بشرطیکہ واہب کا مقصد نیک ہو، اور حقوق اللہ (زکوٰۃ وصدقات) اور حقوقِ عباد (دوسرے انسانوں کے عائد شدہ انفرادی واجتماعی حقوق) میں سے کسی کی حق تلفی پیش نظر نہ ہو اس لئے اس کی افادیت کی شکل یہ ہے کہ ایک متمول شخص اگر اپنے ذاتی حقوق اور اجتماعی حقوق سے سبکدوشی کے بعد بھی فاضل مال پاتا ہے تو اس کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ اس فاضل پونجی کو حاجتمندوں کی حاجت میں صرف کرے اور اخلاقی راہ سے بھی اجتماعی خدمت سے منہ نہ موڑے اور اس "انفاق" کی جہاں اور مختلف راہیں ہیں ان میں سے ایک راہ یہ ہے کہ وہ نقد یا مال کسی ضرورتمند کو ہبہ کردے۔

قانونِ ہبہ میں اگرچہ فقیر یا حاجتمند کی شرط نہیں ہے بلکہ غنی اور مالدار کے نام بھی ہبہ کیا جاسکتا ہے لیکن اسلام کے معاشی نظام میں ہماری بحث ہبہ کی صرف اسی شق کے ساتھ محدود ہے جس کا تعلق غربار، اور اہلِ حاجت کی غربت وحاجت کے انسداد سے ہے۔ حدیثِ نبوی میں ہبہ کی ترغیب دیتے ہوئے یہ حکمت بیان کی گئی ہے کہ ہدیہ اور ہبہ کی عادت ڈالو کہ یہ رسم باہمی محبت و مودت کے قیام واستحکام کے لئے ازبس مفید ہے۔ ارشاد مبارک ہے۔

"تهادوا تحابوا"[1] آپس میں ہدیہ لیا دیا کرو اور اس طرح باہم محبت کی طرح ڈالو۔

فقہ اسلامی میں ہبہ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے "کسی شے کو دوسرے کی ملکیت میں بغیر عوض کے دیدینا" اور حدیثِ صحیح میں اس کی حکمت "معاشی وسائل میں اضافہ" بتائی گئی ہے ارشاد ہے

اگر سوال اور انتظار کے بغیر ایک شخص اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ مالی بھلائی کرتا ہے تو اس کو قبول کر لینا چاہئے اور رد نہ کرنا چاہئے اس لئے کہ یہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس بہانہ سے اس کے لئے مقرر کیا ہے[2]

[1] مسند ابو یعلی از جامع صغیر ج ۱ ص ۴۵۴۔ [2] سعیدیات حصہ دوم ص ۱۳۔ نصف آخر

Marfat.com

وصیت | وصیت بظاہر ایسے امور میں سے ہے جن کے متعلق یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ اس کا بھی کوئی تعلق معاشی نظام سے ہو سکتا ہے لیکن اس کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد اقرار کرنا پڑتا ہے کہ بے شبہ اس کو بھی معاشی نظام میں ایک حد تک دخل ہے اور مفید دخل ہے۔

انسان اپنی زندگی کے لمحات میں موت کی حقیقت سے آگاہ ہونے اور مسلسل مشاہدہ کرتے رہنے کے باوجود اکثر حقوقِ واجبہ ونافلہ سے غافل رہتا ہے لیکن جب یہ یقین ہو جاتا ہے کہ پنجۂ موت نے دبالیا ہے، تب اضطرابی کیفیت کے ساتھ تلاش کرتا ہے کہ کیا اب بھی مکافات کی کوئی شکل ممکن ہے تو اسلامی قانون میں صرف ایک شکل نظر آتی ہے جس کا نام "وصیت" ہے۔

اسلامی شریعت میں "کسی شے کو یا اس کے منافع کو بہ طریق حسنِ سلوک یہ کہدینا یا لکھدینا کہ میری موت کے بعد فلاں کے لئے ہے" وصیت کہلاتا ہے مگر اب چونکہ اس کے مال میں ورثہ کا حق بھی شامل ہو گیا ہے اس لئے شریعت نے صرف ثلث (تہائی) میں وصیت کو جائز اور نافذ قرار دیا ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوص بالثلث والثلث کثیر" اور اس کے علاوہ بھی اور شرائط مقرر فرمادی ہیں مثلاً "لا وصیۃ لوارث" وارث کے لئے وصیت درست نہیں اس لئے کہ وہ بحیثیت وراثت حقدار ہے تو اب اس کے لئے وصیت کرنا گویا دوسرے ورثہ کی حق تلفی کرنا ہے یا مثلاً قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "الاضرار فی الوصیۃ من الکبائر" اس لئے وصیت کرنا کہ اس کے ذریعہ کسی صاحبِ حق کو نقصان پہنچایا جائے بہت بڑا گناہ ہے یا مثلاً "ولیس لقاتل وصیۃ" قاتل کے لئے کسی حال میں بھی وصیت درست نہیں ہے اور ان سب شرائط سے مقدم شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والا اس قدر مقروض نہ ہو کہ جس مال کی وصیت وہ کر رہا ہے سب ادائے قرض ہی میں چلا جائے کیونکہ ادائے قرض وصیت اور وراثت دونوں پر مقدم ہے۔

غرض وصیت ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ سے ایک متمول اپنے آخری لمحاتِ حیات میں تبرع اور حسنِ سلوک کے طور پر غربا اور اہلِ حاجات کو مالی فائدہ پہنچا سکتا ہے اور بسا اوقات اس طریق کار سے اہم اور ضروری اجتماعی کام بخوبی انجام پا جاتے ہیں۔ اس لئے قرآن عزیز نے وراثت کے

Marfat.com

احکام بیان کرتے ہوئے جگہ جگہ یہ واضح کیا ہے کہ "وصیت" وراثت سے مقدم ہے "من بعد وصیۃ یوصون بہا او دین"

قرضِ حسنہ | "انفاق فی سبیل اللہ" اور "تعاون باہمی" کے وسائل میں سے ایک مفید اور کارآمد وسیلہ "قرضِ حسنہ" ہے۔ یہ حاجتمند کی وقتی حاجت روائی کا بھی ذریعہ ہے اور غریب اور بے مایہ انسان کو تجارتی، زراعتی، یا صنعتی کاروبار کے لئے بھی موثر وسیلہ ہے۔

قرضِ حسن کی تعریف یہ ہے کہ ایک دولتمند کسی ضرورتمند کی ضرورت کے انسداد اور اس کی حاجت روائی کے لئے اس طرح اپنی رقم سے اس کو فائدہ پہنچائے کہ اس کا کوئی بدل (سود) اس سے حاصل نہ کرے۔ اور چونکہ یہ اخلاقی مسئلہ ہے اس لئے احادیث میں قرضخواہ کو قرضدار کی دعوت قبول کرنے سے بھی احتیاط کا حکم دیا گیا ہے تاکہ عوض خواہی کا قطعاً سدِباب ہوجائے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ قرضدار اس لئے قرضخواہ کی دعوت کرتا یا اس کو ہدیہ پیش کرتا ہے کہ وہ اپنے قرض کا جلد مطالبہ نہ کرے اور اس حالت میں یہ بھی ایک قسم کا ربوا ہوجائے گا۔ الا یہ کہ ان دونوں کے درمیان اس معاملہ سے قبل بھی اس قسم کے تعلقات قائم ہوں۔

چونکہ اس معاملہ میں قرضدار کی جانب سے بددیانتی اور وفاءِ عہد کے فقدان کا زبردست خطرہ ہے اس لئے اس قسم کی اعانت کو واجب نہیں کیا گیا بلکہ خدائے تعالیٰ کے انعام واکرام کے وعدوں کے ساتھ صرف اخلاقی ترغیب ہی پر اکتفا کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| مَنْ ذَا الَّذِی یُقْرِضُ اللّٰہَ | کوئی شخص ہو کہ اللہ کو قرضِ حسن دے اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی |
| قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ | مرضی کے چندر چند کرکے ادا کردے (یعنی آخرت کا اجر عطا فرمائے |
| وَلَہٗ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ۔ (حدید) | جو دنیوی منافع سے کہیں زیادہ ہوگا اور اس کیلئے پسندیدہ ثواب ہے |

اور ساتھ ہی قرضدار کو بھی سخت تنبیہ کی گئی ہے کہ قرضِ حسن کے یہ معنی نہیں ہیں کہ قدرتِ ادا کے باوجود دوسرے کی رقم کو ہضم کرجائے یا تاخیر کرکے قرض دہندہ کو نقصان پہنچائے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| مطل الغنی | دینے کی قدرت کے باوجود دوسروں کے حق مطالبہ کی |
| ظلم ؎۱ | ادا میں تاخیر بہت بڑا ظلم ہے۔ |
| قال رسول اللہ صلی اللہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قرض کی بروقت |
| علیہ وسلم الدین مقضی ؎۲ | واپسی واجب اور فرض ہے۔ |
| قال رسول اللہ صلی اللہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز کسی نے |
| علیہ وسلم علی الید ما اخذت | کسی سے لی ہے جب تک اس کو ادا نہ کردے اس کا بارِ |
| حتی تودی ؎۳ | ادا اس پر برابر قائم ہے۔ |

بہرحال قرضِ حسنہ دینے والا اگر دیانت دار اور بددیانت کا لحاظ رکھکر اس کے لئے اقدام کرتا ہے تو یہ اس کا واجبی حق ہے اور قرض لینے والوں کی اخلاقی قوت پر ہی اس کی ترویج کا دارومدار ہے۔

**عاریت** اقتصادی نظام کے اخلاقی شعبہ میں "عاریت" بھی نمایاں جگہ رکھتی ہے "کسی شخص کا اپنی ملکیت کے منافع کو بغیر معاوضہ کے دوسرے کی مِلک بنا دینا" اسلامی نقطۂ نظر سے عاریت کہلاتا ہے عاریت کا سسٹم کس لئے ہے اس کا جواز اسلامی فقہ میں اس طرح دیا جاتا ہے۔

| | |
|---|---|
| واجتمعت الامۃ علی جوازھا واستحبابھا | امت کا اس پر اجماع ہے کہ عاریت نہ صرف جائز ہے |
| واستحسانھا لما فیھا من اجابۃ | بلکہ مستحسن اور مستحب ہے اس لئے کہ اس میں مضطر |
| المضطر واغاثۃ الملھوف ؎۴ | کی حاجت روائی اور نادار کی اعانت وامداد ہے: |

کون نہیں جانتا کہ ضرورت کی ہر شے ہر شخص کے پاس نہیں ہوتی اور وہ بھی انسان ہیں جو قوتِ خرید بھی نہیں رکھتے پس اگر ان کی اعانت کا یہ طریقہ جو عاریت کی شکل میں پیش آتا ہے معاشی نظام کا حصہ نہ بنے اور اس کو رائج کرنے کے لئے اقدام نہ کیا جائے تو باہمی معاشی تعاون کا ایک ضروری حصہ معدوم ہو جائیگا قرآنِ عزیز میں ان انسانوں کی سخت مذمت کی گئی ہے جو ایسے مضطر اور نادار کی امداد و اعانت سے باز رہتے اور اپنی چیز کو عاریت پر دینے سے گریز کرتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

---

؎۱ بخاری ومسلم ؎۲ ابوداؤد۔ ؎۳ ترمذی ؎۴ سعیدیات جز ۲ ص ۱۳۱

Marfat.com

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (ماعون) اوران کیلئے بھی ہلاکت ہے جو برتنے کی چیز کو عاریت پر نہ دیں[1]

غرض عاریۃ ایثار اور اخلاقی بلندی کا ایک ثبوت ہے جس کے لئے اخلاقی ترغیبات ہی سے کام لیا گیا ہے اور چونکہ اس میں چیز کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اس لئے عاریت پر لینے والے کو بھی سخت تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ عاریت پر لی ہوئی چیز کو اپنی ملک نہ سمجھے اور ضرورت پورا ہوجانے کے بعد فوراً مالک کو واپس کردے اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

العاریۃ مؤداۃ [2] عاریت کی واپسی عاریت لینے والے کے ذمہ ہے

**امانت** اگرچہ ظاہر بین نگاہوں میں اس کا تعلق معاشی نظام سے نظر نہیں آتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی بعض حالات میں اہم معاشی ضرورت کے پورا کرنے کی کفیل ہے. ایک شخص اگر نقد یا مال کسی دوسرے شخص کے پاس امانت رکھتا ہے اور امین کو اس کی ضرورت کے وقت امانت میں تصرف کرنے کی اجازت دیدیتا ہے تو کیا اس سے انکار کیا جاسکتا ہے کہ اس طرح کس قدر اہلِ حاجات کی ضروری حاجات کو پورا کیا جاسکتا ہے؟ اور جبکہ امانت کے معاملہ میں خیانت کا ہر وقت خوف رہتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ دونوں جانب اخلاقی دباؤ ڈالا جائے۔ ذاتی ضرورت سے فاضل مال رکھنے والوں کو جہاں انفاق فی سبیل اللہ کے دوسرے طریقوں کی ترغیب دی جائے وہاں "امانت" کی بھی ترغیب دی جائے تاکہ اس بہانہ سے اہلِ حاجات کی حاجت پورا ہونے کی ایک اور سبیل پیدا ہو اور ساتھ ہی امین کو خائن نہ بننے کی ترغیب دی جائے اور عذابِ الٰہی اور دنیا کی رسوائی کا خوف دلا کر صحیح معنی میں امین رہنے پر آمادہ کیا جائے۔ چنانچہ قرآنِ عزیز میں ان دونوں باتوں کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (نساء) — اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ جس شے کے تم امین بنائے گئے ہو اس کو مالکِ شے کے پاس امانت کے ساتھ واپس کرو۔

اد الامانۃ الی من ائتمنک ولا تخن من خانک [3] — امانت کو امین کے پاس رکھو اور اگر کسی شخص نے تمہارے ساتھ خیانت کی ہے تب بھی تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔

---

[1] ماعون کی متعدد تفاسیر میں سے ایک تفسیر یہ بھی ہے یعنی معمولی برتنے کی چیزیں۔ [2] ترمذی وابوداؤد [3] ایضاً

Marfat.com

لا ایمان لمن لا امانۃ لہ [1] — جس میں امانت کا مادہ نہیں اس کو ایمان سے بھی حصہ نہیں ملا

ان اللہ لا یحب الخائنین (انفال) — اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

غرض "امانت" اجتماعی معاشیات میں ایک خاص مقام رکھتی ہے اس لئے کہ اگر ایک متمول اور دولتمند اپنی فاضل "دولت" کو بغرض حفاظت کسی امین کے پاس امانت رکھتا ہے اور ساتھ ہی اس کو اجازت دیتا ہے کہ وہ حسب ضرورت اس سے اس شرط کے ساتھ استفادہ کر سکتا ہے کہ بوقت طلب بجنسہ واپس کر دے تو یہ معاملہ قریب قریب موجودہ زمانہ میں بینکوں کے اندر روپیہ داخل کرنے کی مثال بن جاتا ہے البتہ فرق یہ ہے کہ بنک میں روپیہ داخل کرنے پر سود کی ایک مقدار سالانہ ملتی رہتی ہے اور خود بنک بھی اس روپیہ سے سودی کاروبار کرتے رہتے ہیں لیکن "امانت بشرطِ تصرف" میں سود کے لین دین دونوں صفر اور نفی کے درجہ میں رہتے ہیں۔

پس بنک میں سپردِ امانت کا نتیجہ تو بینکر کے لئے مذموم سرمایہ داری کی تخلیق نکلتا ہے اور اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق "امانت سے استفادہ" اس مذموم طریقہ کا انسداد کر کے صاحبِ دولت کی دولت کو بھی ہلاکت سے بچاتا اور اصحاب حاجت کی تکمیلِ حاجات مثلاً تجارت، صنعت و حرفت اور زراعت وغیرہ یا وقتی حصولِ معیشت کے لئے ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ اور "بنک سسٹم" کی طرح چند افراد میں "اکتناز" کی راہ سے دولت کو سمیٹ کر عوام کی معاشی تباہی و تنگدستی اور ان کے افلاس کا باعث نہیں بنتا۔

اس لئے اسلام کے معاشی نظام میں "امانت" کے مفید پہلو کو باقی رکھا گیا اور سرمایہ دارانہ نظام کی مضرت کو فنا کرنے کے لئے اس کے ربوی شعبہ کو حرام قرار دیدیا۔

چنانچہ ایک حدیث میں اس کے افادی پہلو کو ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے "الامانۃ غنیٰ" امانت ایک قسم کی مالی رفاہیت ہے۔ اور مشہور محدث ابنِ اثیر نے نہایہ میں اس جملہ کی یہ تشریح فرمائی ہے۔

---

[1] بیہقی فی شعب الایمان۔ (مشکوٰۃ)

Marfat.com

حدیث کے جملہ کی مراد یہ ہے کہ امانت، امین کی رفاہیت کا باعث بنتی ہے اس لئے کہ جب اس کی امانت داری کی شہرت ہوگی تو لوگ کثرت سے اپنے فاضل مال کو اس کی امانت میں رکھنے کا اقدام کریں گے اور اس طرح یہ معاملات اس کی رفاہیت کے باعث ہوں گے۔ [۱]

اقتصادی انقلاب کے دو فطری طریقے

عقل اور دلیل، دونوں اس جانب رہنمائی کرتے ہیں کہ جماعتی زندگی میں معاشی وسائل کو عام کرنے، سرمایہ اور دولت کو محدود طبقوں میں "کنز" اور "جمع" ہونے سے بچانے اور مذموم سرمایہ دارانہ نظام کو قائم نہ ہونے دینے کے لئے دو ہی موثر طریقے ہو سکتے ہیں

ایک یہ کہ قانون کے ذریعہ ایسی تمام راہیں بند کر دی جائیں جن سے عوام کی تباہی و بربادی پر خواص کی مالی سربلندی کی عمارت تعمیر ہوتی ہو اور جو شخص بھی اس کی خلاف ورزی کرے وہ قانونی مجرم قرار دیا جائے اور اس طرح افراد کی خوشی و ناخوشی سے بلند رہ کر اقتصادی نظام کی تمام بنیادیں صرف اسی پر قائم ہوں تاکہ اقتصادی نظام کا حقیقی فائدہ بروئے کار آسکے۔

دوسرے یہ کہ سوسائٹی اور جماعت میں اخلاق کی ایسی علمی تعلیم دی جائے کہ جو مذموم سرمایہ داری کا قلع قمع اور احتکار اور اکتناز کی جگہ انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ پیدا کرتی ہو،

چنانچہ اسلام نے ان دونوں پہلوؤں کو اپنے اقتصادی نظام میں موثر جگہ دے کر کائناتِ انسانی کی فلاحِ عام کا بیڑا اٹھایا اور خلافتِ راشدہ کے مقدس دور نے عملاً ان کو بحدِ کمال پہنچایا۔

پس اسلامی احکام میں سود، مسکرات کی خرید و فروخت، نجس اشیاء کی بیع و شریٰ، قمار اور قمار کی طرح کے کاروبار، تعلقہ داری اور جاگیرداری کے ظالمانہ رسم و رواج کا انسداد، اور زکوٰۃ، صدقاتِ واجبہ، عشر و خراج اور وراثت کا ایجاب و لزوم، پہلی قسم کی بہترین مثالیں ہیں۔

اور حتی الامکان زمینداری کو مستقل معاشی زندگی بنانے سے پرہیز، مضاربت، عنان اور عقدِ شرکت کے ذریعہ باہمی تعاون اور صدقات و اوقاف اور انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعہ سے

---

[۱] ج ۱ باب الامانۃ۔

Marfat.com

دوسروں کے ساتھ اخوت و ہمدردی، دوسری قسم کی صحیح اور عمدہ مثالیں ہیں۔

لہذا بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے عالمگیر اقتصادی نظام کے لئے جو طریق کار اختیار کیا ہے وہ اپنے عملی تجربہ اور علمی نظریہ دونوں کے اعتبار سے اس مشکل کا بہترین اور منصفانہ حل ہے جو دنیا کے مدبروں کے سامنے اقتصادی نقطۂ نظر سے سرمایہ دار و مزدور یا سرمایہ و محنت کی جنگ کی صورت میں نمودار ہے۔

Marfat.com

# دیگر نظامہائے اقتصادی کا موازنہ

اسلام کے معاشی نظام کا اصولی خاکہ پیش کرنے کے بعد ہمارا فرض ہوجاتا ہے کہ ہم مختصر طور پر دوسرے نظامہائے معاشی پر بھی نظر ڈالیں تاکہ یہ موازنہ مقصدِ کتاب کے متعلق مزید روشنی کا باعث ہو۔

ہمارے سامنے عالم کے اقتصادی نظام دو راہوں سے آتے ہیں ایک مذہبی اور دوسری دنیوی۔

**مذاہبِ عالم اور اسلام کا اقتصادی نظام**

مذاہبِ عالم کی تاریخ میں اسلام کے علاوہ نصرانیت، یہودیت، ویدک دہرم اور زرتشتی مذہب بڑے مذاہب شمار ہوتے ہیں جن کی پشت پر ان کی اپنی مستقل تاریخ ہے اس لئے ہمارا موضوعِ سخن ان چار کے اندر ہی محدود رہنا مناسب ہے۔

ان مذاہب میں سے نصرانیت کی بنیاد یوحنا، متی، مرقس، لوقا حواریوں کی چار انجیلوں پر قائم ہے۔ ان چار انجیلوں کی تعلیم کو بغور مطالعہ کرنے سے ہم پر یہ اثر پڑتا ہے کہ عیسوی عقیدہ میں یہ بات نمایاں طور پر ملتی ہے کہ وہ بار بار لوگوں کو رہبانیت (جوگی پن) کی تعلیم دیتا ہے اور اربابِ ثروت و دولت کے لئے خدا کی بادشاہت میں کوئی حصہ تسلیم نہیں کرتا۔

"تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کرسکتے، اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کا فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے؟ کیا پئیں گے؟ اور نہ اپنے بدن کا کہ کیا پہنیں گے؟ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں۔ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں اور نہ کاٹتے ہیں اور نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے، کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے[1]۔ اور اس نے ان سے کہا کہ خبردار اپنے آپ کو ہر طرح کے لالچ سے بچائے رکھو، کیونکہ کسی کی زندگی اس کے مال کی کثرت پر موقوف نہیں۔ اس نے ان سے ایک تمثیل کہی کہ کسی دولتمند کی زمین میں بڑی فصل ہوئی پس وہ اپنے دل میں سوچ کر کہنے لگا کہ میں کیا کروں کہ میرے یہاں جگہ نہیں جہاں پیداوار بھر رکھوں اس نے کہا میں یہ کروں گا

---

[1] انجیل متی باب ۶ آیات ۲۴-۲۶۔

Marfat.com

اپنی کوٹھیاں ڈھا کر اُن سے بڑی بناؤں گا اور ان میں اپنا سارا اناج اور مال بھر رکھوں گا

اور اپنی جان سے کہوں گا اے جان تیرے پاس بہت برسوں کے لئے بہت سامال جمع ہے

چین کر، کھا، پی، خوش رہ، مگر خدا نے اس سے کہا اے نادان اسی رات تیری جان تجھ سے

طلب کرلی جائیگی، پس جو تو نے تیار کیا ہے وہ کس کا ہوگا۔ ایسا ہی وہ شخص ہے جو اپنے

لئے خزانہ جمع کرتا ہے اور خدا کے نزدیک دولتمند نہیں۔

پھر اس نے اپنے شاگردوں سے کہا اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کا فکر نہ کرو کہ ہم کیا کھائیں گے اور نہ اپنے بدن کا کہ کیا پہنیں گے کیونکہ جان خوراک سے بڑھ کر ہے اور اور بدن پوشاک سے۔[1]

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولتمند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے اور

پھر میں تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ

دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو۔[2]

غرض عہدنامۂ جدید (اناجیلِ اربعہ) کا پورا مطالعہ کرنے کے بعد صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ مسیحیت "سرمایہ داری" کو تو ناپسند کرتی ہے لیکن اقتصادی نظام کے نقطۂ نظر سے اس میں ترغیب و تلقین کے علاوہ کوئی قانونی اور عملی نقشہ مذکور نہیں کہ جس کو سامنے رکھکر اقتصادی عادلانہ نظام مرتب کیا جاسکے اور ایک دیندار کو صحیح دنیادار بنا کر جماعتی زندگی کا مفید جزء بنایا جاسکے، بلکہ اس کے برعکس اس سے صرف "رہبانیت" اور دنیا کشی کی تعلیم نکلتی ہے اور بس۔ اور ایک دیندار اور خدا رسیدہ انسان کو بہترین دنیادار بنانے اور جماعتی زندگی میں کسی بہتر مالی نظام قائم کرانے کی اس میں مطلق کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔

عہدنامۂ جدید (انجیل) کے بعد عہدنامۂ قدیم (توراۃ) کو لے لیجئے اور اس کے ابواب "قاضیوں" اور "سلاطین" کا غائر نظر سے مطالعہ کیجئے جو حکومت سے متعلق ہیں تو کسی ایک مقام میں

---

[1] لوقا باب ۱۲۔ آیات ۱۵-۲۱ [2] متی باب ۱۹۔ آیات ۲۳-۲۴۔

Marfat.com

بھی "اقتصادی نظام" کی جھلک نظر نہ آئے گی، ان کی پوری داستان، یا دشمنوں سے مقابلہ کرنے اوران پر غالب آنے سے متعلق ہے اور یا بادشاہت کے جاہ وحشم، دولت وثروت، صولت وشوکت کی مدح ومنقبت سے معمور ہے۔ اوران دونوں ابواب کے علاوہ جو اس مسئلہ کے خصوصی مواقع ہوسکتے تھے۔ پورے عہدنامہ میں کوئی مضمون ایسا نہیں ملتا کہ جس سے چند اصول یا چند احکام اس نظام کے لئے حاصل کئے جاسکیں، یا کم ازکم عہدنامۂ جدید کی طرح سرمایہ داری کی مذمت کے لئے ہی اخلاقی سرمایہ بہم پہنچ سکے۔

علاوہ ازیں عہدنامۂ جدید وقدیم میں ایک بات نمایاں اور امتیازی طور پر یہ بھی نظر آتی ہے کہ ان میں "شراب" کے استعمال کا نہ صرف جواز بتایا گیا ہے بلکہ مقدس نبیوں اور رسولوں کی ضیافتوں میں بھی اس کا استعمال تقدس اور برکت کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے جس سے یہ بآسانی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اس نظام میں "شراب کی خرید وفروخت اور عام بیع وشری اور استعمال" اقتصادی زندگی کے لئے مفید سمجھا گیا بلکہ معاشرتی زندگی کا ایک اہم جزء مانا گیا ہے۔

علاوہ ازیں انجیل وتوراۃ سے "سودی" لین دین کی بھی اجازت ثابت ہوتی ہے البتہ توراۃ میں یہ شرط بھی مذکور ہے کہ "سود" محتاج اسرائیلی سے نہ لیا جائے بلکہ صرف اسرائیلی (یہودی) سے نہیں لینا چاہئے باقی افرادِ انسانی سے سود لینا درست ہے چنانچہ موجودہ انجیل کے مطابق حضرت مسیح (علیہ السلام) ایک تمثیل میں فرماتے ہیں۔

> اس کے مالک نے جواب میں اس سے کہا اے شریر اور سست نوکر! تو جانتا تھا کہ جہاں میں نے نہیں بویا وہاں سے کاٹتا ہوں اور جہاں میں نے نہیں بکھیرا وہاں سے جمع کرتا ہوں۔ بس تجھے لازم تھا کہ میرا روپیہ ساہوکاروں کو دیتا تو میں آکر اپنا مال سود سمیت لیتا۔ [1]

اور انجیل لوقا میں ہے۔

> پھر تو نے میرا روپیہ ساہوکار کے یہاں کیوں نہ رکھ دیا تاکہ میں آکر اسے سود سمیت لے لیتا [2]

[1] متی باب ۲۵ آیات ۲۷-۲۸۔ [2] لوقا باب ۱۹۔ آیات ۲۴

اور توراۃ میں ہے۔

اگر تو میرے لوگوں میں سے جس کسی کو جو تیرے آگے محتاج ہے کچھ قرض دے تو اس سے بیاجوں کی طرح سلوک مت کر۔ [1]

اور دوسری جگہ مذکور ہے۔

تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دیجیو، نہ نقد کے سود پر، نہ غلہ جات کے سود پر، نہ کسی چیز کے جس کی عاریت سود پر کی جاتی ہو تو اجنبی کو سودی قرض دے سکتا ہے۔ پر اپنے بھائی کو سودی قرض مت دیجیو۔ [2]

زرتشتی تعلیم کی مبینہ الہامی کتابیں "ژند اور اوستا" کا اگرچہ میں نے مطالعہ نہیں کیا، لیکن اس مذہب کے عقیدہ کے مطابق بانیِ مذہب (زرتشت) کے علاوہ نبیوں اور رسولوں کے صحیفے جو "دساتیرِ آسمانی" کے نام سے موسوم ہیں، فارسی اور پہلوی زبان میں نہ صرف میری نظر سے گذرے بلکہ عرصۂ دراز تک زیرِ مطالعہ رہے ہیں مگر توراۃ اور انجیل کی طرح یہاں بھی مجھے مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا ہے اس لئے کہ ظالمانہ طریق پر حصولِ دولت و ثروت کی ہجو و مذمت کے باوجود بصورتِ احکام و قوانین اقتصادی نظام کی ترتیب میں مطلق کوئی مدد نہیں ملتی۔

اسی طرح ویدوں کی اصل زبان "سنسکرت" سے ناواقفیت کی وجہ سے مجھ کو ان کے معتبر تراجم اور ان کی بنیادی تشریحات کی کتابوں "ستیارتھ پرکاش" اور "آدی بہاشیہ بھومکا" پر ہی اعتماد کرنا پڑا، میں نے عرصۂ دراز تک ایک مرتبہ نہیں متعدد مرتبہ مختلف اوقات میں ان کا بخوبی مطالعہ کیا ہے اور کافی غور و خوض کے ساتھ ان کے مطالب و معانی اور مفہوم و مراد تک پہنچنے کی سعی بلیغ کی ہے۔ لیکن بلا شائبہ تعصب و ارادۂ مبالغہ، دیانت و انصاف کے ساتھ اس کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ان میں بھی یہ مسئلہ دولتمندوں کے بیجا مظالم کے خلاف چند پند و نصائح یا ان کے مقابلہ میں جنگ کے علاوہ اقتصادی نظام کے لئے احکام و قوانین کی دفعات و جزئیات کی شکل میں کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

---

[1] توراۃ باب ۲۲ آیت ۲۵ خروج [2] توراۃ استثنار باب ۲۳ آیات ۱۹-۲۰۔

Marfat.com

مزید براں یہ کہ "منو" کا قانون کہ جس پر ہندوستان کے مشہور و قدیم مذہب کے نظام تمدن کی بنیاد قائم ہے ایک حد تک "سود" کی اجازت دیتا ہے، وراثت میں تقسیم دولت کی بجائے مشترک خاندان کے نام سے "کنز" اور "جمع دولت" کو جائز قرار دیتا ہے اور اس طرح "مذموم سرمایہ داری" کو دھرم کی پناہ مل جاتی ہے۔

اس کی شہادت موجود ہے کہ "سودی" قرض دینے کا کام ویدوں کے عہد میں یعنی اب سے تقریباً چار ہزار سال پہلے بھی کیا جاتا تھا۔ پانچویں صدی قبل مسیح سے ایسے پیشہ ور بینکروں کے بارہ میں بھی شہادتیں ملنا شروع ہو جاتی ہیں جو روپیہ قرض دیتے تھے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ ہنڈیاں روانہ کرتے تھے۔ ان بینکروں کو "سریشتھی" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔

بدھ عہد کے مشہور تجارتی مرکزوں یعنی چمپا، راجہ گریہا، سراوستی، کوسامبی اور آونتی میں بہت سے نہایت بااثر سریشتھی یعنی بینکر رہا کرتے تھے۔

کوتلیا کے ارتھ شاستر میں یہ بتلایا گیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ کتنی شرح سود لی جا سکتی ہے۔

دھرم شاستروں میں بھی یہی بات پائی جاتی ہے۔ ارتھ شاستروں اور دھرم شاستروں کے بیان میں فرق صرف اتنا ہے کہ ارتھ شاستروں میں کسی خاص ذات کے لئے ساہوکاری کے پیشہ کو مخصوص نہیں کیا گیا ہے لیکن دھرم شاستروں میں یہ پیشہ صرف "ویشیوں" کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ [ل۱]

ان حوالہ جات سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے کہ جس نظام اقتصادی میں "مہاجنی سود" اور "جمع سرمایہ" کو باقاعدہ قبول کیا گیا ہو اس میں مذموم سرمایہ داری کا پیدا ہو جانا قدرتی امر ہے اور مزدور و سرمایہ دار کی کشمکش اور سرمایہ و محنت کی کشاکش کا اس کے ذریعہ حل کرنا ناممکن ہے۔

اس جگہ مذاہب عالم کے ان شواہد و نظائر پیش کرنے سے مقصود صرف یہ ہے کہ اقتصادی نظام کے اساس و بنیاد اور نصب العین (کریڈ) کے پیشِ نظر، نیز سرمایہ و محنت اور سرمایہ دار و غریب سے

---

[ل۱] ماخوذ از مضمون رسالہ جامعہ دہلی بابتہ فروری ۱۹۳۹ء

Marfat.com

متعلق جدید و قدیم کشمکش کے متعلق "مذہب" اور (دہرم) کی معرفت قانونی اور اخلاقی دونوں طریقوں سے جس قدر صاف اور تفصیلی "حل" اسلام کے اقتصادی نظام میں پایا جاتا ہے دوسرے مذاہب کی تعلیم و روایات میں نظر نہیں آتا۔ بلکہ اکثر مذاہب و ادیانِ موجودہ میں مذہب کی معرفت اقتصادی نظام کا وجود ہی مفقود ہے۔

گذشتہ سطور میں اسلام کے اقتصادی نظام کا اور موجودہ مذاہب عالم کے اقتصادی نقطہ ہائے نظر کا مقابلہ زیرِ بحث آچکا، اب ضروری ہے کہ اس کے دوسرے جزء کو بھی زیرِ نظر لایا جائے یعنی اسلام کے معاشی نظام اور دنیوی معاشی نظام کے درمیان بھی موازنہ کیا جائے تاکہ اسلام کے نظامِ معاشی کی برتری واضح ہو سکے۔

**دنیوی نظامہائے معاشی اور اسلام کا اقتصادی نظام**

اس بحث کا مطمح نظریہ ہے کہ وہ دنیوی نظامہائے اقتصادی جو اس دورِ جدید میں دنیا کی حکومتوں پر مسلط ہیں اور یا پروپیگنڈا کے ذریعہ مسلط ہونا چاہتے ہیں" اسلامی اقتصادی نظام کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ اور کیا واقعی اقتصادی نظام کے مقصدِ عظمیٰ کا حل ان کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے یا اسلام کا اقتصادی نظام ہی اس مرض کا واحد علاج ہے؟

موجودہ دور میں دنیا کی حکومتوں پر مختلف شکلوں میں مکمل یا ناقص دو ہی نظام کا تسلط ہے اور اس لئے وہی دونوں قابلِ بحث ہیں ایک فیسزم اور دوسرا سوشلزم۔

**فاشیت یا نازیت**

(۱) فیسزم[1] یا فاشیت کا نظریہ یا فلسفہ اگرچہ اپنے اندر ایک طویل بحث رکھتا ہے لیکن نتیجہ کے اعتبار سے وہ حسب ذیل چند اصول پر قائم ہے اور اس کا تمام نظام ان ہی اصول کے ساتھ وابستہ ہے۔

(۱) تمام ذرائع پیداوار افراد کے ہاتھوں میں اس طرح آزاد ہوں کہ ان کا مفاد مخصوص افراد کے حق میں ثابت ہو نہ کہ جماعت اور سماج کی اکثریت کے حق میں۔

(۲) پیداوار نجی فائدہ کے اصول پر ہو نہ کہ عوام کی ضروریات کے فائدہ کے اصول پر اور اس لئے وہ ضروریات کے تخمینہ کی مطابقت کی بجائے ذاتی اغراض کے اندھا دھند طریقہ پر ہو۔

---

[1] نازی ازم "نازیت" بھی اسی کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ ۱۲۔

(۳) ان ہر دو مقاصد کو کامیاب بنانے کے لئے ایسے طرزِ حکومت کی طرح ڈالی جائے جس میں قوانین کے ذریعہ سرمایہ داری کی حفاظت و ترقی کا سامان فراہم ہو سکے۔

اس اجمال کی تفصیل کے لئے اول فاشیت یا فسطائیت کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے۔ کائناتِ انسانی میں عادلانہ نظام کے مقابلہ میں سرمایہ دارانہ نظام نے ہمیشہ کسی نہ کسی شکل میں ابھرنے اور دنیا پر چھا جانے کی سعی کی ہے اور اس کو اپنی سعی میں کامیابی بھی ہوتی رہی ہے۔

قریبی زمانہ میں ایسی سعی و کوشش کا ترقی یافتہ نظام "فسطائیت" کے نام سے موسوم ہے جو یورپ کی حکومتوں میں جرمنی اور اٹلی پر خصوصیت کے ساتھ حاوی ہے اور انگلستان و فرانس کو بڑی حد تک اس نے فتح کر لیا ہے اور امریکہ اور جاپان بھی اس کے لئے گہوارہ بنے ہوئے ہیں۔

یورپ میں تقریباً پندرہویں صدی عیسوی سے دورِ جہالت ختم اور دورِ علم و ترقی شروع ہو گیا تھا اور بعض یورپین حکومتیں دنیا کی جدید دریافت اور حصولِ زر و مال کے لئے اِدھر اُدھر تگ و دو میں منہمک نظر آنے لگی تھیں۔ اس وقت انگلستان میں جاگیرداری اور شاہی استبدادیت کا دور دورہ تھا مگر آہستہ آہستہ تجارتی اور کاروباری طبقہ مضبوط ہوتا جا رہا تھا اور بعض سیاسی حالات نے ان کی قوت کو اور زیادہ مضبوط بنا دیا تھا اور وہ ملک کی بہت بڑی طاقت سمجھے جانے لگے تھے، ان کا بیشتر کاروبار "تجارت" اون کی تجارت" تھا۔ خاندان اسٹوارٹ جب انگلستان پر حکمراں ہوا تو اس نے ان تاجروں کی بڑھتی ہوئی قوت سے خائف ہو کر تجارت پر قانونی پابندیاں عائد کرنی شروع کر دیں نتیجہ یہ نکلا کہ یہ تاجر پیشہ طبقہ بغاوت پر آمادہ ہو گیا اور ۱۶۴۲ء میں انگلستان کی مشہور خانہ جنگی میں انھوں نے فتح پائی اور جاگیرداری کا خاتمہ کر دیا، اور شاہی نام کو برقرار رکھتے ہوئے شاہی اقتدار کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اب ان کو اپنی تجارت کے فروغ دینے کا کافی موقعہ میسر آیا اور قوانینِ حکومت کے ذریعہ ان کو بیش از بیش مدد ملی۔

اگرچہ انگلستان کے اس دور میں جاگیرداری سسٹم ختم ہو چکا تھا مگر تجارت کے اس دور میں "تجارت" کا مفہوم" عوام کی فلاح و بہبود نہ تھا بلکہ مخصوص افراد اور خاص طبقہ کی برتری تھا"

Marfat.com

اس لئے اس طبقہ نے ذاتی اور نجی کارخانے کھول کر دولت کمانی شروع کی اور قوانین کی مدد سے اس کی ترقی کے ممکن ذرائع بہم پہنچائے۔ لیکن ابھی تک چونکہ کارخانوں میں صرف ہاتھ ہی سے کام ہوتا تھا اس لئے آمدنی بھی محدود ہوتی تھی اور مال بھی حسب ضرورت تیار نہ ہو پاتا تھا۔ اور دولت و سرمایہ کے پجاری فراوانیِ دولت کے دوسرے بہترین ذرائع کے لئے بیقراری کے ساتھ متلاشی نظر آتے تھے۔

تقریباً ڈیڑھ سو برس کے بعد یعنی اٹھارہویں صدی کے آخر میں مشینوں کی ایجاد شروع ہو گئی اور اب دستی کارخانوں کی جگہ مشینری کارخانوں نے لے لی، اور اس طرح ان تاجروں اور سرمایہ داری کے مخصوص طبقہ نے دولت کے بے شمار خزانے حاصل کرنے شروع کر دیئے۔

یہ ایک قدرتی بات تھی کہ جب مشینوں کے ذریعہ کام شروع ہو گیا تو دستکاروں پر آفت نازل ہو گئی اور چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں کو اپنا کام بند کر دینا پڑا اور افلاس کی مصیبت سے محفوظ رہنے کے لئے مشینری کارخانوں میں ایک "مزدور" کی حیثیت سے وہ اپنی "محنت" کو کم سے کم قیمت پر بیچنے کے لئے مجبور ہوئے، اور کارخانہ دار ہونے کی بجائے مشین مالک کے غلام بن کر رہنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔

اس واقعہ سے ہٹ کر پھر ایک مرتبہ چودہویں صدی عیسوی کی طرف نظر ڈالئے۔ انگلستان میں "اون" کی تجارت کے فروغ پا جانے سے زمینداروں کو فراوانیِ دولت کے لالچ نے مجبور کیا کہ وہ کاشتکاروں سے زمینیں خالی کرائیں اور ان میں "باڑے" قائم کر کے بھیڑوں کی پرورش کریں تاکہ "اون" کی تجارت سے فائدہ اٹھائیں جو زمینداری آمدنی کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی، یہ وبا اس قدر پھیلی کہ ہزاروں لاکھوں کسان افلاس اور بھوک کا شکار ہونے لگے اور بیکاری ترقی پانے لگی۔

اب جبکہ مشینوں کا دور شروع ہوا تو زمینداروں نے کاشت بھی مشینوں کے ذریعہ شروع کر دی اور کسانوں کی رہی سہی معاشی بیل کو اس طرح ختم کر دیا گیا اور اب ان کے لئے بھی بجز غلامانہ مزدوری کے اور کوئی چارۂ کار نہ رہا اور پھر بھی ایک بہت بڑی تعداد کی قوتِ لایموت کے لئے سامان مہیا نہ ہو سکا اور طرفہ یہ کہ مشینوں کے اس صنعتی انقلاب نے ان دونوں "کاریگروں" اور "کسانوں" کو دیہات و

Marfat.com

قصبات کی آزاد اور پُرفضا زندگی کو خیرباد کہہ کر شہروں کے غلیظ اور گندہ مقامات میں غلاموں کی طرح آباد ہونا پڑا۔

صنعتی انقلاب کا یہ وہ ابتدائی دور تھا جس میں فیکٹریوں کے متعلق نہ قوانین تھے اور نہ مزدوروں کی ترقی یافتہ یونین تھیں۔ لہذا سرمایہ داروں نے من مانی حکومت کی اور اپنی فراوانیٔ دولت کے لئے مزدوروں پر بے پناہ مظالم روا رکھے ـــــ ان سے چودہ ۱۴ سے لیکر سولہ ۱۶ سترہ ۱۷ گھنٹہ تک عموماً کام لیا جاتا اور بعض اہم کاموں کے موقعہ پر مسلسل بیس ۲۰ سے تیس ۳۰ گھنٹہ تک بھی ان کو مصروف رہنا پڑتا تھا اور اس طرح ضعیف و ناتواں افراد بہت جلد موت کے منہ میں چلے جاتے تھے۔ طرفہ تماشا یہ کہ اس بہیمانہ محنت کرانے کے بعد ان کو کم سے کم اجرت دی جاتی تھی اور رہنے کے لئے ایک چھوٹی کوٹھری یا ایک ایسا کمرہ دیا جاتا تھا جس میں بہ مشکل لیٹنے کے لئے جگہ میسر آسکتی تھی اور وہ غلاظت، عفونت اور کمروں میں ہوا کے نفوذ کے لئے جگہ نہ ہونے کی وجہ سے جہنم زار بنے ہوتے تھے۔

یہ سرمایہ داری کا وہ بھیانک نقشہ ہے جو سب سے پہلے انگلستان میں بروئے کار آیا اور اس کے بعد یورپ کی تمام حکومتوں پر "اصول" بن کر چھا گیا ـــــ چونکہ سرمایہ داری کے اس سسٹم میں مفادِ عامہ اور عوام کی فلاح و بہبود کا کوئی سوال ہی نہ تھا بلکہ ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تمام ذرائع پیدائش کو اپنے ذاتی مفاد کے لئے خاص کر لیا جاتا تھا، اس لئے فیکٹریوں اور مشینوں میں جو سامان تیار ہوتا تھا وہ کم سے کم اجرت دیکر زائد سے زائد مال تیار کرانے اور ذاتی فائدہ حاصل کرنے کے اصول پر عالمِ وجود میں آتا تھا، اس لئے گوداموں میں مال کی فراوانی ہونے لگی اور نکاسی کی محدود راہوں کی وجہ سے مال ضائع ہونے لگا، نیز اس فراوانی سے مزدوروں اور غریبوں کو مطلق فائدہ نہ پہنچا اور وہ اپنی ضروریات کے لئے ان چیزوں کی خریداری سے اب بھی اسی طرح محروم رہے جس طرح مال کے بنانے کے ابتدائی دور میں تھے[1]

[1] یہ بات کہ مشینوں کی بدولت کثرت سے مال تیار ہونے اور گوداموں کے پُر ہو کر مال کے ضائع جانے تک کی حالت میں مزدور اور غریب کی قوتِ خرید اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتی اور سابق بدحالی ہی میں گذارتی ہے تفصیل طلب اقتصادی مسئلہ ہے جو قوتِ خرید اور توازنِ تیاری مال کی بحثوں پر مبنی ہے اس کے لئے اقتصادی معلومات کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے (مصنف)

لہٰذا سرمایہ داری کے اس بھوت نے دوسرے ممالک پر لالچ اور حرص و آز کی نگاہ ڈالنی شروع کردی اور "ہَلْ مِنْ مَّزِیْد" پکارتے ہوئے ان کو محکوم بنانے کے لئے قدم آگے بڑھایا اور اپنی جوع الارض (زمین کی بھوک) کو پورا کرنے کے لئے اپنے ملک کے آزاد کاروباری لوگوں کو غلام بنانے کے بعد کمزور ملکوں اور قوموں کو غلام بنانا شروع کردیا، اور اٹھارویں اور انیسویں صدی میں افریقہ جیسے برِ اعظم میں یورپین نوآبادیات کا سلسلہ شروع ہوگیا اور ہندوستان جیسا بڑا ملک بھی آخر اسی استعمار کی نذر ہوگیا۔ اور اس طرح تھوڑے سے عرصہ میں ساری دنیا ایک طرح انگلستان کے سرمایہ داروں کی خصوصاً اور دوسری سرمایہ دار طاقتوں کی عموماً تجارتی منڈی بن گئی۔

ذرائع پیداوار کو مخصوص طبقے کی ذاتی ملکیت قرار دینے اور عوام کی بہبودی سے قطع نظر ان کی پیداوار کو نجی اور انفرادی مفاد کی بھینٹ چڑھا دینے کا یہ سسٹم اب بھی مطمئن نہیں ہے اور اب خود آپس میں دست بہ گریباں نظر آتا ہے، ہر ایک ملک اپنی اس تجارتی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے جانا چاہتا ہے اور اس دوڑ میں آزاد قوموں کو غلام بنانے، تباہ و برباد کرنے اور صفحۂ دنیا سے مٹا دینے کو بھی اپنا جائز حق تصور کرتا ہے۔
جرمنی، اٹلی، انگلستان، فرانس، جاپان، امریکہ وغیرہ فاشیت حکومتوں کی اس مسابقت میں عراق، البانیہ فلسطین، زیکوسلیویکیہ، چین اور خود فرانس کا جو حشر ہوا اور ہو رہا ہے وہ اس دعوے کی روشن دلیل ہے ؎

؎ اور کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی تیاری کے وقت تو اس جنگِ عظیم نے بہت ہی بھیانک نقشہ تیار کردیا ہے۔ اور جوع الارض میں مسابقت اور رنگ و دو کے نتیجہ نے ان طاقتوں کی باہمی رقابت کو ہلاکتِ عالم کا اجارہ دار بنا دیا ہے سچ ہے "ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس" خشکی اور تری میں جو فساد برپا ہے یہ انسانوں کے خود اپنے ہاتھوں کا کمایا ہوا ہے۔
اور اب جبکہ کتاب کا تیسرا ایڈیشن شائع ہو رہا ہے بساطِ جنگ پر جرمنی، اٹلی، اور جاپان کا فاسشزم اور نازی ازم تو شکست کھا کر موت کی آغوش میں جا چکا ہے اور برطانیہ اور امریکہ کی مفروضہ ڈیماکریسی (جمہوریت) فریب آمیز رنگ میں اسی فسطائیت اور نازیت کا نفرت انگیز مظاہرہ کر رہی اور ایشیائی اقوام کو غلام رکھنے میں ہولناک استبداد کا ثبوت دے رہی ہے اور حیرت انگیز بات یہ کہ روس جو عوام کی فلاح اور انسانی مساوات کا علم بردار بننے کا دعویٰ کرتا ہے اپنی مکمل مصالح کے پیشِ نظر ان دونوں کا حلیف اور معین بنا ہوا ہے۔
اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَاب۔

Marfat.com

اس تفصیل سے اب آپ بخوبی اندازہ کر سکیں گے کہ "سرمایہ داری نظام" (فسطائیت) کیا ہے اور یہ کس طرح آہستہ آہستہ عوام کی تباہی و بربادی کا باعث بنتا اور امنِ عام کو جنگ کی شعلہ زار ہونا کیوں میں ڈال کر خاکستر بنا دیتا ہے ـــــ یہ شروع میں تو اپنی شکل و صورت کو جمہوریت کی نام نہاد شکل و صورت میں چھپا کر دنیا کے سامنے آتا اور فریب دے کر عوام کو تباہ کرتا ہے جیسا کہ انگلستان اور امریکہ میں نظر آتا ہے اور جب اس کا مفاد اس شکل و صورت میں خطرہ میں پڑنے لگتا ہے تو صاف کھل کر خالص (آمریت) (ڈکٹیٹر شپ) کے اصل رنگ و روپ میں ظاہر ہو جاتا ہے جیسا کہ جرمن، اٹلی اور جاپان میں ہو رہا ہے۔

اس لئے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ دھوکا نہ کھانا چاہئے کہ یہ جمہوری حکومتیں فیسزم (فسطائیت) سے الگ کوئی چیز ہیں بلکہ ڈکٹیٹری ہو، یا موجودہ جمہوری نظام ان سب میں وہی سرمایہ دارانہ نظام کارفرما ہے اور ان سب کے پیشِ نظر یہی ایک مقصد ہے۔

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام　　جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب　　تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق　　طبِ مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمیٔ گفتارِ اعضائے مجالس الاماں　　یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری
اس سرابِ رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو　　آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

(اقبال مرحوم)

غرض تاریخ یہ پتہ دیتی ہے کہ موجودہ سرمادارانہ نظام کی ابتدا انگلستان سے ہوئی اور آہستہ آہستہ یہ تمام یورپ پر چھا گیا۔ اور آج جرمنی و اٹلی اس کے بہت بڑے امام تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اور ملکتِ انگلستان و امریکہ بھی اصولاً ان کی تائید ہی میں ہے اور اگرچہ اس وقت حریف یا باہمی مسابقت میں رقیب نظر آتے ہیں لیکن اصول میں متحد ہیں اور اس طرح جرمنی کا نازی ازم، جمہوریتِ امریکہ برٹش ڈیماکریسی و شاہی نظام، اٹلی کی فسطائیت اور جاپان کا شاہنشاہیت پسند نظام یہ سب ایک ہی قسم کی سرمایہ داری کے مختلف نام یا ایک ہی صورت کے مختلف رنگ و روغن ہیں۔

Marfat.com

اس تفصیل کے بعد بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے اقتصادی نظام کے مقابلہ میں "فسطائیت" کو پیش کرنا دراصل "اقتصادی نظام" کی توہین کرنا ہے۔

اسلام میں اگرچہ پیداوار اور ذرائع پیداوار میں انفرادی ملکیت ایک حد تک جائز رکھی گئی ہے لیکن اس کا جواز اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ انفرادی ملکیت جماعتی مفاد سے کسی حال میں متصادم نہ ہونے پائے بلکہ اجتماعی مفاد کے لئے ممد و معاون اور باعثِ تقویت ثابت ہو اور جس جگہ اس تصادم کا غالب گمان ہو، وہاں اس کے مقابلہ میں جماعتی مفاد کو ترجیح دی جائے اس لئے محض اس جواز کی مشابہت سے اسلامی نظام کو فاشیت کے ہمنوا قرار دینا یا اس سے قریب تر ثابت کرنا اسلام پر بہت بڑا ظلم اور حد درجہ ناانصافی ہے۔ ذیل کے نقشہ سے اس کی بخوبی تصدیق ہو سکتی ہے۔

| اسلام کا اقتصادی نظام | فسطائی اقتصادی نظام |
| --- | --- |
| (۱) دولت و ذرائع دولت کا مخصوص طبقہ میں محدود ہو کر عوام کی معاشی ہلاکت کا باعث بننا حرام ہے۔ | (۱) دولت و ذرائع دولت کو مخصوص طبقہ کی انفرادی و اجتماعی اغراض کے لئے ہونا ازبس ضروری ہے۔ |
| (۲) انفرادی ملکیت پر شرائط کی حدود عائد ہیں۔ | (۲) انفرادی ملکیت لامحدود ہے۔ |
| (۳) انفرادی ملکیت، اجتماعی حقوق کے زیر اثر ہے۔ | (۳) انفرادی ملکیت اجتماعی حقوق اور مفاد عامہ سے مستغنی و بالاتر ہے۔ |
| (۴) اقتصادی نظام کی بنیاد عوام کے مفاد اور حاجات کے انسداد پر قائم ہے۔ | (۴) اقتصادی نظام کی بنیاد مخصوص افراد اور خاص طبقہ کے مفاد پر قائم ہے۔ |
| (۵) عام معاشی خوشحالی ضروری ہے | (۵) عوام کی معاشی تباہی و کساد بازاری اس کا لازمی نتیجہ ہے |
| (۶) معاشی دستبرد کے ذریعہ حاکمیت و محکومیتِ اقوام لعنت ہے۔ | (۶) معاشی دستبرد کے ذریعہ غلامی اور اقوام کی محکومی لازم و ضروری ہے۔ |
| (۷) اکتناز (جمع خزانہ) و احتکار اجتماعی حقوق سے باز رہنا، کی مطلق گنجائش نہیں۔ | (۷) اکتناز و احتکار ضروری اور موجب سعادتِ امورِ اقتصادی ہیں۔ |

Marfat.com

| | |
|---|---|
| (۸) نسلی، خاندانی، طبقاتی اور جغرافیائی امتیازات اس سلسلہ میں قابلِ تسلیم نہیں۔ | (۸) نسلی، جغرافیائی اور طبقاتی امتیازات ضروری ہیں۔ |

اس موازنہ سے یہ بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلامی اقتصادی نظام اور فسطائی سرمایہ دارانہ نظام کے درمیان کوئی ایسی مشترک کڑی نہیں پائی جاتی جس کی بدولت ان دونوں میں کسی قسم کی بھی مفاہمت ممکن ہو سکے۔ اسی لئے یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ ایسے نظام کو اسلامی اقتصادی نظام کے ساتھ کسی طرح نہیں جوڑا جا سکتا جو چند سو یا چند ہزار یا چند لاکھ انسانوں کی خوشحالی، عیش پسندی اور راحت کوشی کی قربان گاہ پر کروڑوں انسانوں کو بھینٹ چڑھا دے اور صرف یہی نہیں بلکہ عام کساد بازاری اور بے روزگاری کا باعث بن کر دنیا کے امن و امان کی تباہی و بربادی اور مظلوموں کو محکوم بنا کر ظالم کے ہاتھوں ہلاکت آفرینی کا موقع بہم پہنچائے۔

**اشتراکیت** سرمایہ دارانہ نظام کے اس ظالمانہ دستبرد نے آخر مزدوروں اور غریبوں میں بھی شعور، احساس اور بیداری کا جذبہ پیدا کر دیا اور انھوں نے ردِّ عمل کے طور پر حقوق کے نام سے شور و غوغا مچایا۔ مجالس اور یونینیں قائم کیں، بغاوتیں کیں اور اٹھارویں صدی کے آخر ہی سے سوشلزم کے نظریہ نے ان کی حمایت شروع کر دی اور روس جیسے بڑے ملک میں اس بیسویں صدی میں انقلاب برپا ہونے کے بعد کارل مارکس کے نظریۂ "سوشلزم" کے ماتحت جدید اقتصادی نظام بھی قائم ہو گیا جس کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ مفادِ عامہ کا داعی اور مزدوروں، کسانوں اور پست و مظلوم طبقوں کا حامی ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ اسلام کے اقتصادی نظام کا اس سے بھی موازنہ کیا جائے اور محض مذہب کے اتباع اور حسنِ ظن کی بنیادوں پر ہی نہیں بلکہ دونوں نظامہائے اقتصادی کے اصولوں اور عملی تجربوں کے زیرِ اثر عدل و انصاف کے ساتھ محاکمہ اور تبصرہ کیا جائے۔

ابھی کہا جا چکا ہے کہ سوشلزم کی تاریخ کا آغاز بھی اٹھارہویں صدی کے اواخر سے ہی ہو جاتا ہے "ہیگل" نے اس کو اول ایک علمی نظریہ کی شکل میں پیش کیا اور اقتصادی امور میں بنیاد قرار دیا۔ اور اس کے اس نظریہ کو اقتصادی زندگی بخشنے بلکہ معاشرتی اصول بنانے اور تمدنی پروگرام

Marfat.com

میں ڈھالنے والا شخص "کارل مارکس" ہے اور یہی نظریہ آج کل "کمیونزم" کی شکل میں روس پر حاوی ہے اور دنیا میں انقلاب برپا کرنے میں مشغول و مصروف نظر آتا ہے۔

گذشتہ صفحات میں جو اشارات اس سلسلہ میں سپرد قلم کئے گئے ہیں ان سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام جس مکمل قانون کا نام ہے اس کے ساتھ اشتراکیت (کمیونزم) کا بھی رابطۂ اتحاد ناممکن ہے اس لئے کہ کارل مارکس اور دوسرے اشتراکی رہنماؤں نے جس فلسفہ پر (مارکسزم) کی بنیاد قائم کی ہے اس میں خدا سے انکار اور الہیات کی نفی صف اول میں درجہ پاتے ہیں اور اس لئے اس کا علم الاخلاق بھی اسی روشنی میں مہذب و مرتب کیا گیا ہے۔

لہٰذا اس کے فلسفۂ لادینیت کے ساتھ اسلام کا کوئی رابطہ اور تعلق قائم نہیں ہو سکتا لیکن جب ہم اس فلسفہ کے فقط اقتصادی پہلو سے بحث کرتے ہیں اور دنیا کے دوسرے غیر اسلامی نظامہائے معاشی کے مقابلہ میں اس کو پیش نظر لاتے ہیں تو اس وقت ہم کو اس حقیقتِ ثابتہ کے اظہار میں کوئی باک نہ ہونا چاہیئے کہ اس میں شک نہیں کہ اقتصادی نظام کے بہت سے امور میں اسلام اور اشتراکیت باہم متقارب نظر آتے ہیں اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف دونوں ہم آہنگ ہیں۔ اگرچہ طریقِ کار کے اختلاف سے دونوں کی راہیں اس وادی میں قطعاً جدا جدا ہیں۔

اسلامی نظامِ اقتصادی اور اشتراکی نظامِ اقتصادی کے درمیان جن امور میں اتفاق ہے وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اکتناز و احتکار یا جمع دولت کا مذموم طریقِ کار اور مخصوص طبقہ میں دولت کی تحدید نہ یہ جائز قرار دیتا ہے اور نہ وہ، دونوں ان ہر دو امور کو باطل اور اقتصادی زندگی کے لئے تباہ کن سمجھتے ہیں۔

(۲) دونوں ضروری سمجھتے ہیں کہ اقتصادی نظام کی اساس و بنیاد عام معاشی مفاد پر قائم ہو اور ہر شخص کو معاش سے حصہ ملے اور کوئی شخص بھی اس سے محروم نہ رہے۔

(۳) دونوں کا یہ دعویٰ ہے کہ اقتصادی نظام کے دائرہ میں تمام انسانی دنیا جغرافیائی طبقاتی اور نسلی و خاندانی امتیازات سے یکسر جدا ہو کر یکساں اور برابر حیثیت میں شمار ہو۔

---

لہ اور فریڈرک انگلز کی علمی دعملی جد و جہد کا بھی اس تحریک میں بہت زیادہ دخل ہے۔

Marfat.com

(۴) ان دونوں کے درمیان اس میں بھی اتفاق ہے کہ جماعتی حقوق انفرادی حقوق پر مقدم ہوں
(۵) ان دونوں کے درمیان یہ بھی مسلّم ہے کہ معاشی دستبرد کے ذریعہ حاکم و محکوم اور غلام و آقا کا سسٹم قائم نہ ہو سکے اور قائم شدہ کو مٹا دیا جائے۔

یہ وہ امور ہیں جن میں دونوں اقتصادی نظام ہم آہنگ نظر آتے ہیں لیکن دو امر ایسے ہیں کہ جن میں ان دونوں کے درمیان بنیادی اور اساسی اختلاف ہے اور ان ہر دو محور میں ایک دوسرے کے ساتھ کسی طرح مطابقت نہیں پیدا کی جا سکتی۔ اور یہ اختلاف اس وقت اور زیادہ وضاحت کے ساتھ رونما ہو جاتا ہے جبکہ سوشلزم کا آخری درجہ "کمیونزم" کی شکل میں سامنے آتا ہے اور جس کا تجربہ آج کل روس میں کیا جا رہا ہے۔

| اسلامی اقتصادی نظام | اشتراکی اقتصادی نظام |
|---|---|
| (۱) دولت و ذرائع دولت میں انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی حدود قائم کر دی جائیں۔ | (۱) دولت و ذرائع دولت سے انفرادی ملکیت کو مٹا دیا جائے۔ |
| (۲) حقِ معیشت کی مساوات کے اعتراف کے ساتھ بلحاظِ معیشت، اختلافِ مدارج تسلیم کرتے ہوئے احتکار کو روکا جائے۔ | (۲) بلحاظِ معیشت اختلافِ درجات کا انکار کیا جائے اور معاشی لحاظ سے بھی سوسائٹی میں مساوات تسلیم کی جائے۔ |

پہلا اختلافی مسئلہ اس طرح قابلِ غور ہے کہ اگر آمدنی اور ذرائع آمدنی پر انفرادی ملکیت کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو عقل اور تجربہ اس طرف راہنمائی کرتے ہیں کہ ایسا ہو جانے کے بعد ذرائع پیداوار اور آمدنی میں بہت بڑا اختلال اور اضمحلال پیدا ہو جائے گا اس لئے کہ انفرادی ملکیت کے نظام کو یکسر تباہ و برباد کرنے اور اس تمام سلسلہ کو اسٹیٹ کے حوالہ کر دینے کے بعد انسانوں کے قوائے عمل میں وہ زبردست تحریک پیدا نہیں ہو سکتی جو انفرادی ملکیت کی مسابقت کی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے، کیونکہ ہر شخص یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ جبکہ میری تمام ذاتی جدوجہد اور حاجات و ضروریات کا علی نظام اسٹیٹ کے ذمہ اور صرف اس کے ہاتھ میں ہے تو میں کس لئے اپنے قوائے دماغی، قوائے جسمانی اور

قوائے علمی کو زیادہ محنت میں لگاؤں اور تنازع للبقاء کے اس میدان میں کس لئے گوئے مسابقت حاصل کرنے کی سعی کروں۔

لیکن اس کے برعکس انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے باہمی مسابقت اور دوڑ میں جو خرابی پیدا ہونے اور اجتماعی نقصانات کے بروئے کار آنے کے اندیشے پائے جاتے ہیں اگر ان کا انسداد ضروری قرار دیکر قوائے علمی و دماغی کو بھی اپنی فطری نشوونما کے مطابق کام کرنے کے لئے موقع بہم پہنچایا جائے تو یہ طریق کار ہی صحیح طریق کار ہوسکتا ہے۔ چنانچہ روس کے گذشتہ دس سالہ پروگرام کی ترمیم نے بھی اس کی تصدیق اس طرح کردی ہے کہ بہت سی زمینیں معطل رہ جانے اور ذرائع پیداوار میں رفتار کے سست پڑ جانے کی وجہ سے اب جدید دس سالہ پروگرام میں ایک حد تک زمینوں میں انفرادی قبضہ کو تسلیم کیا جا رہا ہے اور بعض بعض مقامات پر ذرائع پیداوار میں انفرادی ملکیت داخل ہونے لگی ہے اور تجربہ سے حقائق تک پہنچنے کی اگر یہی طلب صادق رہی تو وہ وقت دور نہیں ہے کہ اسلام کے نظریہ اور اصول ہی کو اصول کار بنانا پڑے۔

اس لئے قرآن عزیز نے باوجود اس بات کے تسلیم کر لینے کے "کہ اصل ملکیت صرف خدا کی ہے اور اسی لئے تمہاری انفرادی ملکیت میں خدا کی عام مخلوق کا بہت بڑا حصہ ہے اور اس میں اجتماعی حقوق مقدم ہیں" ذاتی ملکیت کا اعتراف و اقرار کرتے ہوئے انسان کے فطری قوائے علمی و دماغی میں مسابقت کا جذبہ پیدا کیا اور ان کو کشمکش حیات میں داخل کرکے ان پر حصول معاش کی راہیں کھول دیں۔ نیز عقل و تجربہ کی بنا پر یہی راہ صحیح اور درست ہے کہ انفرادی ملکیت کے حق کو تسلیم کیا جائے اور پھر اس پر یہ جماعتی بوجھ ڈالا جائے۔

| | |
|---|---|
| لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى | تم ہرگز بھلائی کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک |
| تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ | کہ اپنے پسندیدہ اور محبوب مال میں سے خرچ نہ کرو۔ |

اور قانونی و غیر قانونی ضابطوں کے ذریعہ انفرادی ملکیت کا رخ بھی جماعتی فلاح اور بہبودی عامہ کی طرف پھیر دیا جائے۔

Marfat.com

اس موقعہ پر اس اندیشہ کا اظہار کیا جاتا ہے کہ اگر پیداوار اور ذرائع پیداوار میں انفرادی ملکیت کے لیے ادنیٰ سی بھی گنجائش نکل آئے گی تو پھر مذموم سرمایہ دارانہ نظام کو اس سوراخ سے سر اٹھانے کا موقعہ ہاتھ آجائے گا لیکن یہ اندیشہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ یہ ایسی حالت میں ضرور ممکن ہے کہ انفرادی ملکیت تو کسی حد تک تسلیم ہو لیکن اس کے غیر محدود ہونے اور سرمایہ دارانہ نظام کے لئے حیلہ بن جانے کے انسدادی قوانین موجود نہ ہوں لیکن جب اسلام انفرادی ملکیت کو محدود صورت میں تسلیم کرنے کے بعد اقتصادی نظام میں ایسی دفعاتِ قانونی بھی بیان کرتا ہے جو انفرادیت کو اجتماعیت پر قابو پانے سے روکتی اور سرمایہ دارانہ نظام کا سر کچلتے رہنے کے لئے اپنے قانونی تیشہ سے کام لیتی رہتی ہیں تو پھر ایک وہمی اندیشہ کی بنا پر انسانوں کو ان کے فطری حق سے روک دینا ظلم ہے اور راہِ عدل سے ہٹ کر افراط و تفریط کے غار میں گر جانا ہے۔

دوسرا اختلاف "معیشت کے درجات سے" متعلق ہے۔ اسلام حقِ معیشت کی مساوات کو تو تسلیم کرتا بلکہ ضروری قرار دیتا ہے لیکن مدارجِ معیشت میں مساوات کا قائل نہیں ہے یعنی وہ اس کو نہیں مانتا کہ یہ ضروری ہے کہ سب کو ایک ہی طرح پر سامانِ معیشت حاصل ہو لیکن یہ ضروری سمجھتا ہے کہ سب کو ملے اور جدوجہد اور ترقی کی راہیں یکساں طور پر سب کے سامنے کھل جائیں۔ اس کے برعکس سوشلزم حقِ معیشت کی مساوات کے ساتھ ساتھ نفسِ معیشت کی بھی مساوات کا قائل ہے اور مدارجِ معیشت کا قطعاً انکار کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ احوالِ معیشت کا یہ اختلاف قدرتی نہیں ہے بلکہ سوسائٹی کا خود پیدا کردہ ہے پس اگر آئندہ سوسائٹی کا نظامِ معیشت مساوات کے اصول پر قائم کر دیا جائے تو دوسری طرح کے محرکاتِ ذہنی پیدا ہو جائیں گے اور کارخانۂ معیشت کی سرگرمیاں اسی طرح جاری رہیں گی جس طرح آج جاری ہیں۔

اس دوسری صورتِ اختلاف کو بھی غائر نظر سے دیکھا جائے تو اقرار کرنا پڑیگا کہ اس میں بھی اسلام کی بتائی ہوئی راہ ہی صحیح ہے۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ تمام انسانوں کی جسمانی و دماغی استعداد یکساں نہیں ہے اور جب استعداد یکساں نہیں ہے تو سعیِ معیشت کے نتائج و ثمرات

Marfat.com

کا اختلاف بھی ضروری اور ناگزیر ہے اور ایسی صورت میں سوسائٹی کا ایسا نظام قائم کرنا جس کی بنیاد معیشت کی مساوات پر ہو کسی طرح بھی صحیح اور درست نہیں ہے اور یہ کہنا بھی ناقابلِ قبول ہے کہ اس قسم کے نظام کے بعد ذہنی و معنوی محرکات میں بھی ایسی تبدیلی ہو جائے گی کہ جس سے معیشت کا کارخانہ اسی طرح سرگرمی سے جاری رہے گا۔

بہرحال جسمانی و دماغی استعداد کے اختلاف کو مان لینے کے بعد معیشت کا اختلاف بھی فطری ہو جاتا ہے اسی لئے قرآن عزیز نے اس طرف راہنمائی کی ہے کہ یہ اختلاف قدرتی ہے اور کارخانۂ عالم کی فطری قوتوں کے ابھرنے اور ترقی پانے کے لئے ایسا ہونا ضروری تھا، اگر یہ نہ ہوتا اور سب کی حالت یکساں ہوتی تو مسابقت اور مزاحمت کی حالت کبھی پیدا نہ ہوتی اور ان قوتوں کو ابھرنے کا موقعہ کبھی نہ ملتا، اور اگر یہ موقعہ میسر نہ آتا تو اجتماعی زندگی کی وہ تمام سرگرمیاں سرد ہو کر رہ جاتیں جس پر نظامِ عالم کا یہ کارخانہ چل رہا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ - (نحل) | اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ہے۔ |
| نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحيوة الدنيا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجت (زخرف) | ہم نے دنیوی زندگی میں ان کی معیشت تقسیم کر دی اور ان سب کو یکساں درجہ میں نہیں رکھا بلکہ بعض کو بعض پر برتری دی ہے۔ |
| وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ اٰتٰىكُمْ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ - (فاطر) | اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا اور بعض کو بعض پر مرتبے دیئے تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے بلاشبہ تمہارا پروردگار (بدعملیوں کی) فوراً سزا دینے والا ہے اور بلاشبہ وہ بڑا ہی بخش دینے والا رحمت والا ہے۔ |

ان تمام آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسانی زندگی کے اس چکر میں ایک دوسرے کی

جانشینی کا سلسلہ قائم ہے یعنی ایک جاتا ہے اور دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے اور اس کے ثمرات کا وارث بنتا ہے اور یہ کہ تمام انسان درجے کے لحاظ سے یکساں نہیں ہیں. نیز یہ کہ معیشت کے مدارج کا یہ تفاوت اس لئے قائم کیا گیا ہے تاکہ انسان کو اس کے عمل و تصرف میں آزمایا جائے اور اس کو یہ موقعہ دیا جائے کہ جس درجہ کو وہ اپنی سعی عمل سے حاصل کر سکتا ہے کر لے اور یہ بھی امتحان لیا جائے کہ وہ ان تفاوتِ درجات کی موجودگی میں کس حالت میں خدا سے غافل رہتا ہے اور کس حالت میں نہیں رہتا۔

الحاصل. اسلام کے اقتصادی نظام اور سوشلزم کے اقتصادی نظام کا مقصد اگرچہ ایک نظر آتا ہے اور وہ یہ کہ عام انسانی افراد کی مالی تباہی. افلاس. اور بدبختی کو دور، اور ان کی بھاری اکثریت کی بدحالی کو ختم کیا جائے اور دونوں نے علاج بھی ایک ہی تجویز کیا ہے کہ مذموم سرمایہ داری کو بروئے کار نہ آنے دیا جائے یعنی "جمع دولت" اور "اکتناز" کو باقی نہ چھوڑا جائے. لیکن طریق کار میں دونوں کے درمیان یہ دو بنیادی اختلاف ضرور پائے جاتے ہیں کہ ایک معیشت کے اختلاف کو قبول کرتا اور انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے اور دوسرا ان دونوں کا انکار کر کے ان کو فنا کرنا چاہتا ہے۔

اسلام نے حقِ معیشت کی مساوات کو تسلیم کیا اور سعی و ترقی کی راہیں سب کے لئے یکساں طور پر کھلی رکھیں اور اس نے "احتکار" کی وہ تمام رکاوٹیں ختم کر دیں جن کی بدولت خاص افراد یا گروہ نے کمزور افراد اور گروہ کی خوشحالی و ترقی میں قائم کر رکھی تھیں. اس نے قانون سازی کے ذریعہ زکوٰۃ اور وراثت، اور بعض تجارتی اصول کو لازم قرار دے کر اور سود، قمار اور اس قسم کے تمام کاروبار کو ناجائز بتا کر اکتناز و احتکار کو فنا کر دیا اور تمام ایسی غیر معتدل راہوں کا سدباب کر دیا جو ظالمانہ سرمایہ داری کا موجب بنتی ہیں۔

ان تفصیلات کے بعد یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ سوشلزم کے مسطورہ بالا ہر دو اصول دراصل اس نظام اور اس سوسائٹی بلکہ اس مذہبی گروہ کے مقابلہ میں انتقامانہ جذبات کے ماتحت اصول قرار پائے ہیں جن کے ظالمانہ ماحول سے متاثر ہو کر کارل مارکس اور انگلز نے اپنے نظریوں اور ان کے ماتحت عملی سرگرمیوں کا اختراع کیا، ورنہ یہ ہر دو اصول نہ علمی تجربہ کی خراد پر ٹھیک اترتے ہیں اور نہ عقلی

Marfat.com

دلائل کی روشنی میں صحیح نظر آتے ہیں اور اس لیے راہِ حق کے قطعاً خلاف اور اعتدال کے منافی ہیں۔

**اسلام کے اقتصادی نظام کا مختصر خاکہ**

اب ان تمام این و آں کے بعد اسلام کے اقتصادی نظام کا اجمالی اور اصولی خاکہ ان الفاظ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

(۱) اکتناز (جمع دولت) اور احتکار (خاص افراد یا طبقات میں دولت کا محصور ہو جانا) ممنوع ہے یعنی سرمایہ داری کے مسطورہ بالا طریقوں کو کسی حال میں وجود پذیر نہ ہونے دیا جائے اور اگر پہلے سے موجود ہوں تو اُن کو فوراً فنا کر دیا جائے اور اس مقصد کو کامیاب بنانے کے لئے قانونی اور اخلاقی طور پر زکوٰۃ، وراثت، وقف، انفاق فی سبیل اللہ کو نافذ کیا جائے، سود اور اس کی تمام شکلوں، قمار اور اس کی تمام صورتوں، کو ممنوع اور موجودہ تعلقہ داری کے جابرانہ سسٹم کو ختم کر دیا جائے۔

(۲) معیشت میں اختلافِ مدارج کو تسلیم کرتے ہوئے حقِ معیشت میں مساوات کو ضروری اور فطری عقیدہ تسلیم کیا جائے تاکہ سرمایہ اور محنت میں صحیح توازن قائم رہ سکے اور سرمایہ کسی وقت بھی محنت کو اپنی خود غرضانہ ہوس کا آلۂ کار نہ بنا سکے اور عام خوشحالی پیدا ہو جائے اور اس کو بروئے کار لانے کے لئے ان تمام قوانین کو ضروری قرار دیا جائے جو کانوں، کارخانوں، فیکٹریوں اور امدادِ باہمی کی سوسائٹیوں کیلئے بیان کئے جا چکے ہیں اور سرمایہ دارانہ نظام کو قوت پہنچانے والے تمام کاروبارِ تجارت کو ممنوع قرار دیا جائے۔

(۳) انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس پر ایسی قیود اور پابندیاں عائد کی جائیں جن سے اس کا مفاد اجتماعی مفاد کے زیر اثر آ جائے اور خود غرضانہ جرائم کو کسی قسم کی مدد نہ ملنے پائے اور اس کو قائم کرنے کے لئے شخصی زمینوں، ذاتی کمپنیوں اور ذاتی تجارتوں سے متعلق بیان کردہ احکام کو نافذ کیا جائے۔

(۴) ان اصولوں کو قائم کرنے کے لئے ایسے طرزِ حکومت کو رائج کیا جائے جو زمین پر خدائے برتر کے "عدل" کا نائب ہو، خدا کی مخلوق (پبلک) کے سامنے جوابدہ ہو، حاکمیت کی جگہ خدمت اس کا نصب العین ہو، رعایا کی ہر فرد کی معاش کا متکفل ہو، عوام کا نمائندہ ہو، اور عادلانہ نظام کے قوانین

Marfat.com

کی تنقید کے علاوہ تمام امور میں خلیفہ، عمالِ حکومت، اور رعایا کے حقوق اس میں یکساں ہوں اور اس طرزِ حکومت کو مضبوط بنانے کے لئے بیت المال، سرکاری وظائف، اعداد و شمار کی تکمیل اور اسی قسم کے دوسرے بیان کردہ وسائل و ذرائع کو اختیار کیا جائے اور موجودہ تمام جابرانہ و سرمایہ دارانہ نظامہائے حکومت اور ریاستی سسٹم کو ہمیشہ کے لئے فنا کر دیا جائے۔ [۱]

اس اجمالی خاکہ کو مندرجہ ذیل اجمالی نقشہ کی شکل میں بھی پیش کیا جا سکتا ہے:۔

## اسلام کے اقتصادی نظام کا اجمالی نقشہ

اعلاءِ کلمۃ اللہ و خدمتِ خلق

| | | |
|---|---|---|
| (۱) ہر شخص کی معاشی کفالت کے اصول پر شورویٰ حکومت کا قیام۔ | (۲) خلیفہ، عمالِ حکومت، اور رعایا کے اقتصادی حقوق میں یکسانیت و مساوات کے اصول کا لزوم۔ | (۳) بیروزگاروں اور حاجتمندوں کی کفالتِ عام عسکری نظام کی ضرورت اور اجتماعی خدمت کے پیشِ نظر اعداد و شمار کی ترتیب و وظائف کا قیام۔ |
| (۴) زکوٰۃ، میراث، وقف اور انفاق کے بنیادی اصول پر "اکتناز" یعنی سرمایہ داری کا انسداد۔ | (۵) سود، قمار، منشیات کی بیع و شرا، تجارتی و صنعتی بدعنوانیوں کی قانونی حرمت کے اصول پر احتکار، سرمایہ داری کے دوسرے نقطہ کا انسداد۔ | (۶) کانوں، فیکٹریوں، کارخانوں، ملوں اور زمینوں میں انفرادی حقوق کے مقابلہ میں اجتماعی حقوق کی ترجیح کا اعتراف و قیام اور اس کی عملی تشکیل۔ |

[۱] لطیفہ:۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکاشفہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ یہ مکاشفہ ان کو اس وقت ہوا تھا جبکہ وہ مدینۃ الرسول میں حاضر ہو کر دربارِ قدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض سے مستفیض ہو رہے تھے۔ فرماتے ہیں۔

"مجھ پر نیند میں ایک کیفیت طاری ہوئی اور مجھے یہ محسوس ہونے لگا کہ میں نظامِ عالم میں خدا کی مشیت کو پورا کرنے کے لئے امام بنا دیا گیا ہوں (اس کے بعد غلبۂ کفار اور مسلمانوں کی مغلوبیت کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں) اس غیظ و غضب کی حالت میں مسلمانوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ اب اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے؟ "ما ذا حکم اللہ فی ہذہ الساعۃ" میں نے جواب دیا "فکُّ کل نظام" یعنی کسی عادلانہ نظام قائم کرنے سے پہلے سب سے اہم فرض یہ ہے کہ انقلاب پیدا کر کے موجودہ دنیا کے تمام نظامہائے حکومت کو درہم و برہم کر دیا جائے۔ (فیوض الحرمین ص ۸۹)

| | | |
|---|---|---|
| (۷) انفرادی ملکیت کے لئے تجارت اور دیگر کاروبار میں شرکتِ نفع کے اصول پر سرمایہ ومحنت کے علاوہ توازن کا قیام۔ | (۸) آمدنی وذرائع آمدنی میں انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے سرمایہ داری کے اصول کے انکار پر ان کی تحدید وتعیین۔ | (۹) مدارجِ معیشت کے اعتراف کے ساتھ طبقاتی، نسلی وجغرافیائی قسم کے امتیازات کے انسداد کے اصول پر حقِ معیشت میں یکسانیت ومساوات کا قانونی قیام۔ |
| (۱۰) ریاستی وتعلقہ داری سسٹم کا انسداد۔ | (۱۱) امدادِ باہمی کے اصول پر غیر سودی انجمنوں کے قیام اور شرکتِ نفع کے صحیح اصول پر تجارتی کاروبار کا فروغ۔ | (۱۲) غیر سرمایہ دارانہ اصول پر تجارت صنعت وحرفت اور زراعت کی ترقی کے لئے اسباب کی فراہمی کا لزوم ووجوب۔ |
| (۱۳) حریفانہ معاشی دستبرد کے انکار اور اخوتِ عام کے اصول پر غیر ترجیحی اور آزاد تجارت کی حمایت۔ | (۱۴) کاروبار کے لئے سکہ وٹکسال کا قیام اور عوام کو ٹکسال میں سکہ بنوانے کی اجازت اور شرح تبادلہ میں عادلانہ اصول کا اجراء۔ | (۱۵) رفاہِ عام، اجتماعی ضروریات، انفرادی حاجات، اور حکومت کی ضروریات کی کفالت کے لئے بیت المال کا قیام۔ |
| (۱۶) خلیفہ، عمالِ حکومت، اور تمام انسانوں میں عیش پسندی کے وسائل کو قانون واخلاق کے ذریعہ مٹا کر سادہ زندگی کی شاہراہ پر قائم کرنا۔ | | |

پس جس اقتصادی نظام میں افراط وتفریط کا شائبہ نہ ہو، اس کی اساس وبنیاد ماحول کے اثرات سے متاثر ہو کر انتقامانہ جذبات پر قائم نہ ہو، وہ ایسے طرزِ حکومت کا حامی ہو جس میں اعلیٰ وادنیٰ کے لئے مساوی حقوق کا حکم دیا گیا ہو، وہ تمام انسانوں کی معاشی زندگی کا متکفل اور خوشحالی کا ضامن ہو، مخصوص افراد وطبقات میں جمع دولت اور حصرِ دولت کے وجود کو فنا کرتا اور اکتناز واحتکار کی بنیادوں کو مٹاتا ہو، وہی اس قابل ہے کہ دنیا کی معاشی زندگی کا کارخانہ بہتر طریقہ پر چلا سکے اور سرمایہ ومحنت کی کشمکش کا عمدہ طور پر حل کر سکے، اور اس کا دائرۂ عمل ہمہ گیر اور عالمگیر ہو، وہ دنیا کی اقتصادی ساکھ کو بحال کر کے عام خوشحالی اور مسرور زندگی کا ضامن بنے — ایسے ہی "نظام" کا

دوسرا نام "اسلام کا اقتصادی نظام ہے" اور اسی کی سربلندی کی دعوت میری اس جنبشِ قلم کا مقصدِ عظمیٰ اور مثلِ اعلیٰ ہے۔

وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ          اور اللہ اپنے بندوں کا خود دیکھنے والا ہے۔

احساسِ فرض | میری اس کدوکاوش کا مقصد محض علمی تفریح اور اسلامی لٹریچر میں اضافہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک صدائے قلب ہے جو صرف اس لئے تہِ قلب سے نکل کر نوکِ قلم پر آئی ہے کہ تمنا اور آرزو ہے کہ ایک مرتبہ دنیا کے سامنے پھر اس بھولے ہوئے سبق کی یاد تازہ ہو جس نے تیس سالہ پاک حکومت کے دور میں ایران، فارس، سندھ، مکران، روم، مصر، شام، عراق اور سرزمین عرب کے گوشہ گوشہ میں امن و اطمینان، خوشحالی و خوشدلی پیدا کر دی تھی اور جس نے سرمایہ و محنت اور سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان عدل کی ترازو اس طرح قائم کی تھی کہ اس دور میں نہ طبقاتی جنگ کی ضرورت پیش آئی اور نہ موجودہ کشمکش ہی کا ہنگامہ برپا ہوا کیونکہ وہاں نہ سرمایہ داری کو یہ موقع حاصل تھا کہ وہ غریبوں کو اپنی اغراض پر قربان کر سکے، اور نہ مزدور و محنت کش کو اس کی ضرورت تھی کہ وہ غیر کی ملکیت پر قابض ہونے کے خواب دیکھے بلکہ اس نظام میں تمام ملکوں، شہروں اور آبادیوں میں ایک ایسی درمیانی حالت قائم ہو گئی تھی کہ اختلافِ مدارج کے باوجود سب خوشحال تھے، چین و آرام ہر ایک کو میسر تھا، زکوٰۃ و خیرات دینے والے بہت تھے مگر لینے والا ایک بھی میسر نہ آتا تھا۔

پس اگر فیسزم جرمنی و اٹلی پر قبضہ کر سکتا ہے، اگر سوشلزم روس پر تسلط جما سکتا ہے تو اسلام کا اقتصادی نظام کیوں ترکی، ایران، افغانستان، مصر یا حجاز و یمن پر نہیں چھا سکتا مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہے۔

ضرورت ہے کہ ہماری آواز ان آزاد حکومتوں تک پہنچے اور کوئی ایک سلطنت ہی یورپین نظامہائے اقتصادی سے مرعوب ہوئے بغیر اسلام کے اقتصادی نظام کو بروئے کار لائے، دنیا کے سامنے نمونہ بن کر دکھلائے اور بتائے کہ محنت و سرمایہ کی کشمکش کے انسداد اور عام خوشحالی کی ضمانت کے لئے اس سے بہتر کوئی نسخۂ کیمیا نہیں ہے، یا پھر عام مسلمان خدا کا نام لیکر اٹھیں اور اپنا

فرض ادا کریں۔ وما علینا الا البلاغ۔

وَمَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ — اور میں تم سے اس کا عوض نہیں چاہتا میرا اجر تو

اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ — خدا کے علاوہ اور کسی کے ذمہ نہیں ہے۔

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر ہم نے ہمت کا قدم آگے بڑھایا تو خدا کی حمایت و نصرت ہمارے ساتھ ہے

لَا تَھِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ — نہ پست ہمت بنو اور نہ غمگین ہو اور تم ہی سربلند

الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ — ہوگے، اگر تم سچے مسلمان ہو۔

**ہندوستان میں معاشی مسئلہ کا حل**

گذشتہ سطور میں جن خدمات کے ماتحت ممالک اسلامی سے اپیل کی گئی اور ان کے سامنے اسلام کا اہم مطالبہ رکھا گیا، اسلام ہم سے بھی اسی مطالبہ کا حق دار ہے۔

البتہ ادار فرض میں آزاد اسلامی ممالک اور ہمارے درمیان نمایاں فرق ہے کہ ان کے سامنے صرف طرزِ حکومت کے رخ بدل دینے کا سوال ہے اور ہم ابھی محکومیت کا شکار اور حکومت متسلطہ کے زیر اقتدار ہیں۔ اور محکومیت پر مستزاد یہ کہ پورے ملک میں مسلم و غیر مسلم اقوام کے مابین چولی دامن کا ساتھ ہے۔

اس لئے اس سے قطع نظر کہ ہندوستان کے آئندہ نظامِ حکومت کا خاکہ کیا ہونا چاہیے اور اس سلسلہ کے نظریاتی مباحث سے دامن کشاں ہو کر کتاب کے موضوع "اقتصادی نظام" کے پیشِ نظر ہمارے لئے ادارِ فرض کی بہترین شکل یہ ہے کہ ہندوستان کے باشندوں پر اول تحریر و تقریر سے یہ ثابت کر دکھائیں کہ علمی و عملی دونوں پہلوؤں سے کائناتِ انسانی کے لئے امن و اطمینان اور فوز و فلاح صرف اسی صورت میں نصیب ہو سکتی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کے اصول و قوانین اساسی کو اپنا راہنما بنا لیا جائے۔

اگر ہندوستان جنت نشان میں کمیونزم، سوشلزم، نیشنلزم، فیسزم، اپنے اپنے نظامہائے معاشی کی تبلیغ و دعوت میں سرگرم عمل نظر آتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلام کے نظامِ معاشی کی

Marfat.com

دعوت و تبلیغ کے لئے میدان تنگ سمجھ کر ہم دست و پا بریدہ بن جائیں اور حرمان و یاس کو رفیقِ حیات بنالیں۔

کیونکہ اگر دنیوی نظامہائے اقتصادی کی مقبولیت کے لئے اس ملک کا دامن وسیع ہے تو روحانیت کی راہ سے آئے ہوئے معاشی نظام کے لئے اس کا دامن کیسے کوتاہ رہ سکتا ہے۔

البتہ یہ شرط ہے کہ اس نظام کی تبلیغ و دعوت کے لئے نفرت کی جگہ مودّت، خشونت کی بجائے رقت و نرمی، تنگ نظری کے بدلہ وسعتِ نظر اور عداوت و بداخلاقی کی جگہ مواسات و حسنِ اخلاق جیسے برتر اصولوں کو اسوہ بنایا جائے اور قرآنِ حکیم کے اس مقدس اصولِ دعوت کو معیار یقین کیا جائے۔

| | |
|---|---|
| اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ | (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم اپنے پروردگار کی |
| بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ | جانب دعوت دو دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور |
| وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ | ان سے مجادلہ (تبادلہ خیالات) کرو اس طریقہ پر جو |
| اَحْسَنُ ۔ | بہت ہی خوب اور بہتر سے بہتر ہو۔ |

پس اگر ہم نے حسنِ اخلاق کے ساتھ روشن دلائل و براہین کے ہتھیاروں سے سج کر مسلم و غیر مسلم پر اسلام کے اقتصادی نظام کی برتری کو روشن کر دیا تو وہ وقت دور نہیں کہ مادیت کے انتہائی عروج اور روحانیت کے سخت انحطاط کے اس دور میں بھی جو سعید روحیں امنِ عالم اور کائناتِ انسانی کی اخوتِ عام اور فلاحِ دوام کے لئے حقیقی معنی میں بے چین و مضطرب ہیں ان کے ہاتھوں توپ و تفنگ اور مادی اسلحہ کی گرم بازاریوں کے بغیر ہی ایسا انقلاب برپا ہو جائے کہ سرزمینِ ہند کا ہر ایک طبقہ اور ہر ایک ملت و قوم اس مقدس نظام کی برتری کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے اور اس طرح خدائے برتر کا پیغامِ حق اپنی پوری رعنائیوں اور دلنوازیوں کے ساتھ برضا و رغبت اس سرزمین میں عملی صورت اختیار کر لے، اور آج کا یہ محکوم کل کو تمام کائنات کے لئے نمونۂ راہ اور راہنما ثابت ہو۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز

**ہندوستان میں صحیح معاشی نظام اور اس کی مشکلات**

ہندوستان میں اگر صحیح معاشی نظام کو بروئے کار لایا جائے تو اس سلسلہ میں دو مسائل خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک "سود کا مسئلہ" اور دوسرا بڑی بڑی زمینداریوں اور تعلقہ داریوں کا مسئلہ" اس کہ ان دونوں مسئلوں کے ساتھ باشندگانِ ہند کا بہت گہرا تعلق موجود ہے، خصوصاً مسئلہ سود تو اس درجہ خطرناک ہے کہ ہندوستان کی اکثر و بیشتر مسلم و غیر مسلم آبادی کی معاشی بدحالی و فاقہ مستی کا یہی واحد اجارہ دار ہے اور اس کے بعد ان بڑی بڑی زمینداریوں اور تعلقہ داریوں کا درجہ ہے جن میں کاشتکار کو اسلام، اخلاق، اور انصاف کے خلاف غلام سمجھا جاتا اور غلاموں کی طرح ان کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے اور جو عوام کی معاشی تباہی کے لئے جونک کا کام کر رہی ہیں اور نہ صرف یہ بلکہ شریعتِ اسلامی کے اہم قانونِ وراثت کے خلاف مجرمانہ جرأت کے ساتھ یہ زمیندار اور تعلقہ دار سرکاری عدالتوں میں یہ بیان دیتے چلے آتے ہیں کہ ہم اپنی اسٹیٹ اور اپنے تعلقہ کی وراثت کے مسئلہ میں اسلامی قانون پر رسم و رواج کو ترجیح دیتے اور تقسیم وراثت کا انکار کرتے ہوئے اسٹیٹ اور تعلقہ سے متعلق رسم و رواج کے قانون کو واجب العمل یقین کرتے ہیں۔

اس لئے یہ اعلان کرنا ضروری ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں نہ "سود" کے لئے کوئی گنجائش ہے اور نہ ذاتی اسٹیٹ اور تعلقہ کے موجودہ سسٹم کے لئے کوئی جگہ ہے۔

ان ہر دو مسائل میں سے "سود" تو ایسا مسئلہ ہے کہ جس کی قباحت و شناعت واضح اور عام طور پر مسلّم ہے۔ اور معاشی نظام میں اس کی تباہ کاریاں روشن و ظاہر ہیں البتہ بڑی بڑی زمینداریوں کے موجودہ سسٹم کی قباحت و شناعت میں شخصی ملکیت کا مسئلہ حائل ہو جاتا ہے اور اس لئے اس کے خلاف انقلابی نظام کا اقدام نہ صرف غیر مسلم کی نگاہوں میں کھٹکتا ہے بلکہ خود مسلمانوں میں ایسے افراد موجود ہیں جو احکامِ اسلامی سے ناواقفیت کی بنا پر اس اقدام کو غیر اسلامی سمجھتے اور کمیونزم یا سوشلزم کی کورانہ تقلید جانتے ہیں، اس لئے ازبس ضروری ہے کہ اس مقام پر علماءِ اسلام کے وہ چند فتاوی یا اسلامی فیصلے پیش کر دیئے جائیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ اگر عامۂ مسلمین کی فلاح و بہبود کا تقاضا ہو تو

Marfat.com

امام اور امیر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مفتوحہ ملک کی اراضی کو شخصی ملک بنانے کی بجائے بیت المال اور حکومت (خلافت) کی ملک قرار دے۔

علماء اسلام کے یہ فتاوی مغل بادشاہوں کے دور میں اور برٹش حکومت کے ابتدائی دور میں اس سلسلہ میں زیر تحریر آئے ہیں کہ "اراضی ہند" اشخاص و افراد کی ملکیت نہیں ہے بلکہ وقف للمسلمین کی حیثیت میں حکومت (بیت المال) کی ملکیت ہیں۔ اور ایسی زمین کو اسلام کے معاشی نظام کی اصطلاح میں "ارض المملکۃ" یا "ارض الحوزۃ" کہا جاتا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے "ارض عراق" کے متعلق یہی فیصلہ فرمایا اور جمہور صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر کے آئندہ کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا۔

چنانچہ شیخ جلال الدین تھانیسری[1] نے ایک مستقل رسالہ "تحقیق اراضی ہند"[2] کے نام سے اسی غرض سے تصنیف فرمایا کہ "اراضی ہند" شخصی ملک نہیں بلکہ "ارض مملکت" اور وقف للمسلمین ہو کر بیت المال کی ملکیت ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| والحجۃ لعلمائنا فی التقریر تقریر امیر المومنین | اور تقریر خلیفہ کا ملک کی زمین کو مسلمانوں کی انفرادی |
| عمر لسواد العراق بموافقۃ من الصحابۃ | ملکیت بنانے کی بجائے مفتوح غیر مسلموں کے قبضہ میں |
| رضوان اللہ علیہم اجمعین فی الہدایۃ | باقی رکھنا اور اس کی ملکیت کو حکومت کی تحویل میں تقرر |
| فی باب الغنائم واذا فتح الامام بلدۃ | کہلاتا ہے کے متعلق ہمارے علماء (احناف) کی دلیل حضرت |
| عنوۃ لسقھرا فھو بالخیار ان شاء | عمرؓ کی وہ تقریر ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی موافقت کے ساتھ |
| قسمہ ما بین المسلمین کما فعل رسول | سواد عراق کے متعلق ان سے عمل میں آئی۔ ہدایہ باب الغنائم |
| اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخیبر وان شاء | میں ہے اگر امام کسی شہر کو قہراً و غلبہ کے ساتھ فتح کرے تو |

[1] حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے مرید متبحر عالم اور شیخ کامل تھے دہلی کے قریب پنجاب کے علاقہ تھانیسر وطن مالوف تھا اور وہیں پچانوے سال عمر پاکر ۱۴ ذی الحجہ ۹۸۹ھ میں انتقال فرمایا۔ [2] یہ رسالہ مطبوعہ ہے مگر خود شیخ کے ہاتھ کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم لندن میں بتلایا جاتا ہے۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| اقر اهلها علیہ ووضع علیهم الجزیة وعلی اراضیهم الخراج کذلك فعل عمر لسواد العراق بموافقة من الصحابة رضوان الله علیهم اجمعین ولم یجد من مانعه وفی کل من ذلك قدوة فیتخیر ۔[1] | اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو اس کی اراضی کو مسلمانوں میں تقسیم کر دے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کے متعلق کیا اور چاہے تو مفتوح آبادی کے قبضہ میں اس کو رہنے دے اور اس پر جزیہ مقرر کرکے ان کی زمینوں پر خراج مقرر کر دے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی موافقت کے ساتھ کیا اور جس کسی نے مخالفت کی تو اس کو ناپسند سمجھا گیا بہرحال امام ان دونوں باتوں میں مختار ہے اور دونوں اس کی صوابدید کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔ |

اور ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| وفی نفی الملك عن الکفار فی صورة التقریر وجعلهم کالاکرة العاملة للمسلمین فوائد کثیرة ومنافع کثیرة لاهل الاسلام المستحقین اذ الارض والخرج بالمنع والعطاء للمستحقین۔[2] | اور اراضی ہند کے بارہ میں "تقریر کی شکل میں" یہ کہنا کہ یہاں کے غیر مسلم باشندوں کی ملکیت نہیں ہے اور ان کو کاشتکاروں اور اجارہ داروں کی طرح قرار دینا جو مسلمانوں کے (بیت المال کیلئے) عامل کی حیثیت میں ہیں مسلمانوں کے لئے روشن فوائد اور کثیر منافع کا باعث ہے اس لئے کہ زمین اور خراج کے دینے اور نہ دینے کا معاملہ دراصل مستحقین کے پیش نظر ہے۔ |

اور دوسری جگہ اراضی ہند کو مختلف انواع پر منقسم بتلاتے ہوئے "ثم اعلم ان اراضی ولایة الهند لیست علی سنن واحد بل هی علی انواع شتی"[3] صرف ایک نوع میں انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

| | |
|---|---|
| منها ما اعطی الامام باول الفتح لبعض الغانمین او لبعض المستحقین الخ[4] | منجملہ ایک صورت یہ ہے کہ امام نے جس وقت (ملک ہندوستان) کو فتح کیا تو اس فتح کی ابتدا ہی میں بعض زمینیں مجاہدین یا مستحقین کو عطا کر دیں۔ |

اور آخر میں اس بحث کا خلاصہ یہ نکالتے ہیں۔

---

[1] ص ۳ [2] ص ۷ [3] ص ۱۱ - [4] ص ۱۱

Marfat.com

"پس نتیجہ یہ نکلا کہ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہندوستان کی اکثر و بیشتر آراضی ان لوگوں کی ملکیت نہیں ہے جو اس پر قابض ہیں سوچو اور سمجھو۔ پھر معلوم رہے کہ جبکہ ہندوستان کی آراضی ان انواعِ مختلفہ پر قائم ہے جن کا گذشتہ ذکر ہو چکا ہے تو اراضی ہند کے متعلق کسی شخص کی ملکیت و عدم ملکیت پر حکم لگانا اس وقت تک درست نہیں ہے جب تک یقین کے ساتھ حکم لگانے والے کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ ذکر کردہ انواع میں سے کس نوع میں شامل ہے؟ پس جس زمین کے بارہ میں جس نوع سے متعلق ہونے کا یقین ہو جائے اس کے مطابق حکم دینا چاہیے لیکن اگر علم یقین حاصل نہ ہو تو فتوی دینے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اس لئے کہ فصلِ قضایا کی بحث میں اس طرح فتوی دینا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ [۱]

شیخ جلال الدین نور اللہ مرقدہ کے یہ فقہی ارشادات یا فیصلے اس زمانہ سے متعلق ہیں جب ہندوستان میں مسلم حکومت کا دور تھا مغلِ اعظم کی حکومت تھی اور مسلمانوں کے ہاتھ میں ہندوستان کے اقتدارِ اعلیٰ کی مفتاحِ سعید تھی۔

اور ہندوستان کے مشہور محقق عالم مولانا محمد اعلیٰ تھانوی نے بھی اپنے رسالہ میں اراضی ہند کے متعلق یہی فیصلہ کیا ہے کہ وہ فرد یا جماعت کی شخصی ملکیت نہیں ہیں بلکہ ارضِ مملکت اور ارضِ بیت المال ہیں۔

"اور مولانا محمد اعلیٰ تھانوی نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ اراضی ہند نہ عشری ہیں اور نہ خراجی بلکہ اراضی حوزہ ہیں یعنی حکومت کے بیت المال کی ملکیت ہیں کسی کی شخصی ملکیت نہیں ہیں۔ [۲]

شیخ جلالؒ اور مولانا محمد اعلیٰؒ کے چند صدی بعد جب برٹش حکومت کا تسلط ہوا تو علماءِ اسلام کے سامنے پھر یہ مسئلہ آیا کہ اراضیِ ہند شخصی ملکیت ہیں یا نہیں اور ان پر عشر یا خراج واجب ہے یا نہیں تو محققِ عصر حضرت شاہ عبدالعزیز نور اللہ مرقدہ نے اپنے مشہور فتاوی میں اس وقت بھی یہی فیصلہ دیا کہ اراضی ہند بیت المال کی ملکیت ہیں، شخصی مملوکہ نہیں ہیں اور یہاں زمیندار و تعلقہ دار مالک کی حیثیت میں نہیں، اس لئے اراضیِ ہند نہ عشری ہیں اور نہ خراجی۔ فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| وحضرت شیخ جلال تھانیسری قدس اللہ سرہ العزیز رسالہ دراحکام اراضی ہند قلمی فرمودہ اند دراں رسالہ ایں مذہب | اور حضرت شیخ جلال تھانیسری قدس اللہ سرہ العزیز نے ایک رسالہ اراضی ہند کے احکام کے بارہ میں لکھا ہے اور اس رسالہ میں انھوں نے اس مذہب کو کہ ہندوستان |

[۱] ص ۱۲ و ۱۳۔ [۲] العرف الشذی ص ۲۸۶ تقریر درس راس المحدثین حضرت الشیخ مولانا السید محمد انور شاہ الکشمیری نور اللہ مرقدہ۔

را شواہد و دلائل بسیار ابطال فرمودہ تحقیق فرمودہ اند کہ اراضی ہند بدستور اراضی سواد عراق موقوف بر ملک عامۂ مسلمین بے تخصیص است یعنی در ملک بیت المال است و زمینداران را بیش از قیم بودن دخلے نیست۔ و قاضی محمد اعلیٰ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نیز دریں باب رسالہ[1] نوشتہ و ہمیں مسلک را ترجیح دادہ الخ ۔

مگر بنا بر آنچہ حضرت شیخ جلال تھانیسری قدس اللہ سرہ در رسالۂ خود اختیار فرمودہ اند کہ زمین ہندوستان در ابتدائے فتح مانند سواد عراق کہ در عہد حضرت فاروق رضی اللہ عنہ مفتوح شدہ بود موقوف بر ملک بیت المال ست و زمینداران را بیش از تولیت و داروغگی و تردد و فراہم آوردن مزارعین و اعانت زراعت و حفظ دخلے نیست چنانچہ لفظ زمیندار نیز اشعارے بآں میکند و تغیر و تبدل زمینداری و عزل و نصب زمینداری و اخراج بعضے از آنہا و اقرار بعضے و عطائے بعضے اراضی با فغانان و بلوچان و سادات و قدردانیاں بصیغۂ زمینداری دلالت صریحہ بریں می کند الخ[2]

کی زمین زمینداروں کی ملک ہیں) بہت سے دلائل و شواہد سے باطل قرار دیا ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ ہندوستان کی اراضی آج بھی بدستور سابق عراق کی اراضی کی طرح عامۂ مسلمین کے لئے وقف ہیں یعنی بیت المال کی ملکیت ہیں کسی شخص و فرد کی ملکیت نہیں اور نہ زمینداروں کی ملکیت اور نہ زمینداروں کو چودھری اور نگراں ہونے سے زیادہ کوئی دخل ہے اور قاضی محمد اعلیٰ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس بارہ میں ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اور انھوں نے اس میں شیخ جلال ہی کے مسلک کو ترجیح دی ہے۔

شاید اس مسلک کی بنیاد پر کہ حضرت شیخ جلال تھانیسری قدس اللہ سرہ نے اپنے رسالہ میں اختیار فرمایا ہے کہ ہندوستان کی زمین ابتدائے فتح میں عراق کی طرح (جو کہ حضرت فاروق رض کے ز[illegible] میں فتح ہوا تھا) بیت المال ہی کی ملک پر قائم ہے اور زمینداروں کو اس کے سوا کہ وہ اس کے متولی و داروغہ ہیں اور کاشتکاروں کو تلاش کر کے زمین دینے اور زراعت میں اعانت بہم پہنچانے اور اسی ذمہ داری کے غور و فکر میں رہنے کے اور کوئی حق حاصل نہیں ہے اور نہ ان کی ملکیت کا کوئی دخل ہے چنانچہ لفظ زمیندار بھی اسی کی خبر دیتا ہے اور زمینداری میں تغیر و تبدل اور عزل نصب اور بعض کا اخراج اور بعض کیلئے اثبات اور بعض کو دادودہش مثلاً افغانان، بلوچ، سادات، مشائخ وغیرہ کو زمینداری کے اصول پر زمینیں دینا اس دعوی کی صریح تائید کرتے ہیں۔

[1] یہ رسالہ برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے [2] فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۴۳ مجتبائی۔

Marfat.com

علماءِ اسلام کے ان فتاوی کے علاوہ مغل بادشاہوں نے اراضیٔ ہند پر جو تصرفات قائم رکھے نیز شاہ عالم نے سرطامس رو کو دیوانی احکام سپرد کرتے ہوئے زمینداریوں کے متعلق جو معاہدہ کیا۔ اور سراج الدولہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال میں دیوانی اختیارات حوالہ کرتے ہوئے بنگال کی زمینوں کے متعلق جو معاہدہ کیا وہ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کہ یہ بادشاہ اور ابتداءِ دور میں خود انگریزی حکومت اراضیٔ ہند کو زمیندار و تعلقہ دار کی ذاتی و شخصی ملکیت نہیں سمجھتے اور حکومت کی ملک شمار کرتے ہوئے ان کو "نگراں" اور "قیم" کی حیثیت دیتے تھے۔

پس جبکہ علماءِ اسلام کے فتاوی سے یہ ثابت ہو گیا کہ ہندوستان کی زمین حکومت کی ملکیت اور بیت المال کی ملکیت سمجھی جاتی رہی ہے اور انھوں نے اس فیصلہ میں عامۂ مسلین کی معاشی فلاح و بہبود کے پیشِ نظر مخصوص طبقۂ زمینداران و تعلقہ داران کے نقصان کو قابلِ نظر انداز سمجھا اور اس کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ "ارضِ عراق" کو اسوۂ حسنہ قرار دیا تو آئندہ کے لئے ہندوستان کے معاشی نظام میں اس قسم کے اقدام کو غیر اسلامی کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ البتہ یہ دیکھنا ازبس ضروری ہوگا کہ یہ اقدام عامۃ المسلین کی معاشی فلاح کے لئے مفید ثابت ہو۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ۔

خادمِ ملت

محمد حفظ الرحمٰن (کان اللہ لہ)

Marfat.com